تفسیری، حدیثی، فقہی، اصولی، کلامی، تنقیدی، سیاسی اور سوانحی تحریرات کا مجموعہ

مقالات امین

رشحات قلم

محقق کبیر حضرت مولانا **محمد امین** اورکزئی شہیدؒ

تلمیذ رشید محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

ترتیب وتدوین

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

ناشر

دار التحقیق جامعہ یوسفیہ ہنگو

تفسیری، حدیثی، فقہی، اصولی، کلامی، تنقیدی، سیاسی اور سوانحی تحریرات کا مجموعہ

مقالاتِ امین

رشحات قلم

محقق کبیر حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ

تلمیذ رشید محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

File Adress

ترتیب وتدوین

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوھاٹ

ناشر

دار التحقیق جامعہ یوسفیہ ھنگو

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب.....مقالاتِ امین

رشحات قلم.....مولانا محمد امین اور کزنیہ ﷺ شہید

ترتیب وتدوین.....محمد طفیل کوہاٹی

طبع اول.....صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

تعداد.....ایک ہزار

معاونت و کتابت.....مولانا سعید علی شاہ، مولانا محمد اسحاق

ملنے کے پتے:

۱۔ جامعہ یوسفیہ شاہووام ہنگو۔ 03038388734

۲۔ ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ۔ 03325876050

۳۔ مکتبہ رحمانیہ کمال پلازہ کوہاٹ۔

۴۔ مکتبہ عمر فاروق نزد جامعہ فاروقیہ کراچی۔ 03343432345

۵۔ اسلامی کتب خانہ سلام کتب مارکیٹ کراچی۔

۶۔ مکتبہ شیخین نزد داڈا مسجد مین بازار ہنگو۔ 03335557358

۷۔ مکتبہ دیوبند مین بازار ہنگو. 03319444557

۸۔ مکتبہ امام اہل سنت گوجرانوالہ۔ 03363601264

۹۔ مکتبہ عمر فاروق محلہ جنگی پشاور۔

فہرست مضامین

عرض مرتب ۶

پیش لفظ ۷

تفسیر

ارشاد الحلیم فی ضوء ما جری بین الخضر والکلیم ۲۱

منتخب تفسیری نکات ۵۴

حدیث

اونچاس کروڑ کا ثواب ۶۹

حضرت معاویہؓ پر طعن کے جوابات ۷۲

فقہ وفتاویٰ

میت کے گھر صدقہ کی شرعی حیثیت ۷۴

دعا بعد الجنازہ ۸۷

حیلہ کی شرعی حیثیت ۱۱۲

منگنی کا حکم ۱۱۹

حج بدل میں تمتع کے جواز عدم جواز کا مسئلہ ۱۲۶

ٹیکس کی شرعی حیثیت ۱۳۰

ذکر بالجہر کا حکم ۱۳۴

جمعہ فی القریٰ ۱۳۶

اذان اہل تشیع ۱۳۸

مسئلہ طلاق ۱۴۳

مقابر موقوفہ کا حکم ۱۴۵

رمضان کی تیسویں شب بعض سورتوں کے ختم کا حکم ۱۴۸

ھل یجوز اَن تبنی المساجد علی قبور المسلمین ۱۵۲

ووٹ کی شرعی حیثیت ۱۵۴

مودودی فکر حضرات کو ووٹ دینے کا حکم ۱۶۲

یا محمد کہنے اور لکھنے کا حکم ۱۶۶

اصول فقہ

اجماع مرکب ۱۶۸

خلفیت مجاز کی تحقیق ۱۷۳

حجیت اقوال صحابہ ۱۷۸

کلام

مسئلہ صفات باری تعالیٰ ۱۸۴

توسل بالانبیاء والاولیاء ۱۸۷

سماع النبی عند قبرہ ۱۹۲

نقد ونظر

کتاب 'ایمان ابوطالب' کا تنقیدی جائزہ ۱۹۸

مسٹر غلام احمد پرویز کے عقائد ونظریات ۲۱۱

مسئلہ عصمت انبیاء: مودودی صاحب کے افکار کا جائزہ ۲۲۳

ماہنامہ تجلی کے ایک مضمون پر تنقیدی نظر ۲۵۲

سیاسیات

خلیجی جنگ اور عالم اسلام کے منفی رویے ۲۶۳

پاکستان کا مطلب کیا؟ ۲۸۰

File Adress

نائن الیون ۲۸۴

شخصیات وتاثرات

استاذ نا المکرم ۲۹۷

حضرت مولانا غور غشتوی رحمہ اللہ ۳۱۱

جنرل ضیاء الحق شہید پر بعض اعتراضات کا جائزہ ۳۱۹

مقدمات کتب

مقدمہ الحزب الاعظم ۳۲۶

مقدمہ دلائل الخیرات ۳۳۰

مقدمہ مکاتیب ہدایت ۳۳۴

متفرق

پانچ دریا اور ان کو پار کرنے کے طریقے ۳۴۰

خوان بنوری سے خوشہ چینی ۳۴۲

شہید اور شہادت کا مقام عقل ونقل کی روشنی میں ۳۷۷

File Adress

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم، امابعد!

استاد گرامی حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمہ اللہ اپنے عصر کے نابغہ روزگار محققین میں سے تھے، آپ کی جولانگاہ حدیث واصول حدیث کے مباحث تھے۔ لیکن رسوخ علم، نور قلب اور ہمہ جہت مطالعہ کے باعث تفسیر، فقہ، اصول، کلام اور سیاسیات پر بھی لکھتے ہوئے آپ ایک کہنہ مشق مفسر، نکتہ رس فقیہ، دقیق النظر اصولی، رمز شناس متکلم اور قدآور دانش ور کی صورت میں جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں اور قطعاً یہ گمان نہیں رہتا کہ آپ محض ایک محدث ہیں۔ آپ کی عملی زندگی کی جامعیت کی طرح علمی زندگی کی ہمہ جہتی اور جامعیت ان تحریروں سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

آپ کی کئی تحریریں آپ پر ہونے والی قاتلانہ بمباری میں ضائع ہوئیں۔ جو کچھ برادر کبیر مولانا محمد یوسف اورکزئی مدظلہم کے پاس محفوظ رہ سکا، وہ شفقت فرماتے ہوئے بندہ کو مہیا کر دیا اور اسے اب جمع و ترتیب کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک مقالہ ''ارشاد الحلیم فی ضوء ماجری بین الخضر والکلیم'' پہلے بھی اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ان میں سے کچھ مقالات بندہ نے حضرت الاستاد کے افادات سے ترتیب دیئے ہیں۔ مثلاً عصمت انبیاء: مولانا مودودی کے افکار کا جائزہ اور خوان بنوری سے خوشہ چینی وغیرہ۔ ان مقالات پر پیش لفظ حبیب مکرم مولانا سمیع اللہ سعدی نے لکھا ہے۔ امید ہے یہ مجموعہ اہل علم، طلبہ اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والے احباب کے لیے یکساں مفید ہوگا۔ اللہ رب العزت اسے حضرت الاستاد، آپ کے جملہ پسماندگان اور متعلقین کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیش لفظ

محقق کبیر حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمہ اللہ کی ذات گرامی علم وتحقیق سے عبارت تھی، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت وتلمذ نے آپ کے تحقیقی مزاج کو چار چاند لگا دیئے تھے، ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے پر دادِ تحقیق دیتے رہے، درس وتدریس کے ساتھ قلم وقرطاس سے بھی منسلک رہے اور قابل قدر کتب کے ساتھ مختلف موضوعات پر درجنوں تحقیقی مقالات لکھے، ان مقالات میں سے اہم مقالات کو محترم مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب نے مقالاتِ امین کے نام سے ایک گلدستے میں سجا دیا۔

اس مجموعے میں حضرت اورکزئی شہید رحمہ اللہ کے چوبیس تحقیقی مقالات اور کئی مختصر شذرات شامل ہیں، جن کی ضخامت ساڑھے تین سو صفحات کے لگ بھگ ہے، ان مقالات کا تنوع بتاتا ہے کہ آپ کا اشہبِ قلم مختلف میدانوں میں یکساں جولانیاں دکھانے کا ماہر تھا، خالص علمی موضوعات سے لے کر سیاسی ایشوز تک آپ کی تحقیق کا دائرہ پھیلا ہوا تھا، وقتی مسائل ہوں یا سدا بہار تحقیقی موضوعات، سب پر آپ نے خامہ فرسائی کی، اس مجموعے میں شامل مقالات درجہ ذیل اصناف پر مشتمل ہیں:

ا۔ تفسیری مقالات

اس قابل قدر مجموعے میں دو مقالات تفسیر سے متعلق ہیں، جن میں ایک مبسوط مقالہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے معروف واقعے سے علمی، تربیتی وتعلیمی

File Adress:

نکات کا استنباط ہے، یہ رسالہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد کاوش ہے، جس میں قرآن پاک کے دو رکوع سے تعلیم وتعلم کے آداب، علم کی ماہیت واقسام، حصول علم کی شرائط اور موانع، مؤیدات و آفات، معلم ومتعلم کے حقوق اور ہر دو کے فرائض، علم کے لئے سفر وہجرت کے آداب اور تعلیم و تعلم سے متعلقہ بیش بہا فوائد، اصول اور نکات کا استخراج کیا گیا ہے، بطور نمونہ چند استخراجی فوائد ملاحظہ ہوں:

۱۔ کمالات مکسوبہ میں علم سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم انبیاء کرام میں سے ہیں، حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی انہیں حاصل ہے، تورات جیسی عظیم کتاب ساتھ ہے، بنی اسرائیل جیسی قوم کی سیادت وقیادت ہاتھ میں ہے، جو اس وقت علمی لحاظ سے روئے زمین پر سب سے ممتاز قوم تھی، ان فضائل وکمالات کے باوجود اس واقعے میں علم کے طالب دکھائی دیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ تاجدار ختم نبوت علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا گیا: قل رب زدنی علما۔

۲۔ صرف علم ہی نہیں، بلکہ علم میں اضافہ کا طلبین کو مطلوب رہا ہے، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کردار سے ظاہر ہے اور "زدنی" کی تعبیر سے اس کی تائید ہوتی ہے اور "منهومان لایشبعان" کی حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہے۔

۳۔ علم الشرائع مدار نجات ہونے کی وجہ سے اگرچہ بلاشبہ اجل العلوم ہیں، تاہم علم الحقائق والاسرار کی عظمت وجلالت بھی ناقابل انکار ہے، مقام امتنان میں وعلمناہ من لدنا علما۔ بصیغۃ المتکلم مع الغیر من لدنا کے اضافہ وتعبیر کے ساتھ اور مفعول ثانی کی تنکیر کے ساتھ ارشاد فرمانا اس کا شاہد صادق ہے۔

۴۔ علوم کسبیہ کی تحصیل کے لئے مدن وامصار اور اجتماع زیادہ موزوں ہیں، جبکہ علم الحقائق کی تحصیل وحصول کے لئے براری وسواحل کی فضا زیادہ مناسب ہے، اور تفرید تخلیہ کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کی اقامت گاہوں سے یہ بات بالکل

عیاں ہے، انبیا علیہم السلام عموماً شہری معاشرے میں مبعوث ہوئے ہیں، اور صحرائیوں کے بارے میں فرمایا: وَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ

۵۔ جس علم وفن سے انسان کو مناسبت ہو اسی کی طلب میں رہے، ورنہ طلب زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوگی، کما یظہر ذلک من ارتحال سیدنا موسی و ارتکابہ المشاق ثم ارتجاعہ بادنی تاسل۔

۶۔ طلب علم کے سفر میں مصائب ومصاعب کا پیش آنا عین متوقع امر ہے، والقصۃ عن آخرھا تشھد علیہ وقال ابو یوسف العلم عز لا ذل فیہ ویحصل بذل لا عز فیہ

۷۔ تعلم کو تعلیم پر ترجیح ہونی چاہے اگر جمع نہ ہوسکیں، ما رجح سیدنا موسی علیہ السلام تعلمہ عن الخضر علی تعلیمہ لبنی اسرائیل۔

۸۔ اور چاہئے کہ ادب شناس ہو، حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی درخواست استفہام کے پیرایہ میں پیش کی، پھر درخواست میں اپنے تابع بننے کا ذکر سب سے پہلے فرمایا اور حضرت خضر علیہ السلام کو عالم ومعلم ظاہر فرمایا، پھر مما علمت کے ضمن میں ان کے سرمایہ علم میں سے کچھ عطا فرمانے کی اپیل کی جیسا کہ فقیر کسی تونگر سے اس کے کچھ مال کا سوال کرتا ہے۔

۹۔ اپنے شیخ کی کامل اتباع ہو، حتی کہ اقوال واعمال میں اس کا عکس جمیل ومظہر اتم بننے کی کوشش کرے، کما یفہم من حذف المتعلقات فی قولہ لاتبعک۔

۱۰۔ بظاہر خلاف شرع کام شیخ سے دیکھنے میں آئے تو حتی الامکان تاویل سے کام لے اور جائز محامل پر حمل کرے، سوء ظن سے بچے۔

دس فوائد مشتے نمونہ از خروار کے طور پر نقل کئے، رسالہ تقریباً دوسو نوے فوائد ونکات پر مشتمل ہے، اس سے حضرت رحمہ اللہ کی جودت ذہنی اور کلام اللہ میں عمیق تدبر وتفکر عیاں ہوتا ہے۔ دوسرے مقالہ میں بعض منتخب آیات کے متعلق حضرت کے تفسیری ارشادات ہیں جو آپ

File Adress:

کی دقت نظر اور علم تفسیر میں کامل رسوخ پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیثی مقالات

دو مقالات حدیث سے متعلق ہیں، ان میں سے ایک مختصر مقالہ انچاس کروڑ کا ثواب کے نام سے ہے، جس میں حضرت نے واعظوں میں معروف اس حدیث پر بحث کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ بتایا جاتا ہے، حضرت کے بقول اس مفہوم کی صریح حدیث تو نہیں ہے، البتہ ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک ایک حدیث کے مجموعی مفہوم سے مستنبط کیا گیا ہے، جبکہ یہ حدیثیں اصلاً مجاہد کے بارے میں ہیں، مقالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

''حدیث معاذؓ سے ذکر اور نفقہ میں مماثلت فی الاجر ثابت ہوتی ہے اور ذوق کا تقاضا بھی یہ ہے کہ حدیث ابی داؤد میں مجاہد کی عبادات بدنیہ کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، عبادات مالیہ کا نہیں اور ابن ماجہ کی حدیث میں مجاہد کی عبادات مالیہ کی فضیلت ذکر ہوئی ہے، اس طرح سے مجاہد کی ہمہ انواع عبادات کے اجور کا علم امت کو بہم پہنچایا گیا۔''

دوسرا مقالہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف حدیث ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کی توجیہ وتاویل پر مشتمل ہے، حضرت نے ایک مختصر سے شذرے میں اس حدیث کے بارے میں تیرہ نکات بیان کئے ہیں، جن سے اس حدیث سے پیدا ہونے والے اشکال کے تیرہ جوابات بنتے ہیں، چند نکات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اس روایت کا کوئی راوی نہیں۔

۲۔ ابوحمزہ عمران بن ابی عطاء حضرت ابن عباسؓ سے اس روایت میں متفرد ہیں۔

۳۔ امام احمد نے اپنی مسند میں کئی طرق سے اس حدیث کو ذکر کیا مگر کسی بھی طریق میں ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کو ذکر نہیں کیا۔

۴۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ دشنام طرازی سے پاک ہے بلکہ بد

File Adress:

دعا کے موقع پر دعائیں دینا آپ کی سیرت کا ایک مثالی اور روشن باب ہے۔

۵۔ کسی عام صحابی کی سیرت سے بھی یہ بات بعید ہے کہ دربار نبوت سے بلاوا آنے پر وہ کھانے جیسے شغل کی وجہ سے اجابت دعوت میں تاخیر کرے۔

اس طرح سے روایۃً ودرایۃً حدیث پر مختصر لیکن جامع بحث کی ہے۔

۳۔ فقہی مقالات

اس مجموعے میں سب سے زیادہ تعداد فقہی مقالات کی ہیں، ایک درجن کے قریب مسائل فقہیہ پر آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے، ان میں بعض مقالات پشتون معاشرے کے تناظر میں اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان مقالات کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

۱۔ ان مقالات میں سے ایک اہم مقالہ منگنی کے نکاح یا عدم نکاح کی بحث پر مشتمل ہے، پختون معاشرے میں منگنی کی صورتحال پاک و ہند کے دیگر معاشروں سے بالکل مختلف ہے، کہ پٹھان قبائل میں منگنی کی جو حقیقت ہے وہ نکاح کی بنتی ہے، اس لئے حضرت نے اس مقالہ میں اکابرین کے فتاوی میں منگنی کے نکاح نہ ہونے کا جواب دیا ہے اور ان فتاوی کو وہاں کے عرف وعادت پر مبنی قرار دیا ہے، حضرت نے منگنی کے نکاح ہونے کی نو وجوہ ذکر کی ہیں۔

۲۔ دوسرا اہم مقالہ میت کے اہل خانہ کا آنے والوں کو کھانا کھلانے کی غلط رسم کی تردید پر مشتمل ہے، یہ مقالہ تیرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں ان جملہ دلائل پر بحث کی گئی ہے، جن کو عموماً اس کے جواز میں پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ ایک مقالہ عربی زبان میں نماز جنازہ کے بعد دعا کی بحث پر مشتمل ہے، یہ مسئلہ بھی ہمارے قبائلی معاشروں میں جنگ وجدل کا باعث ہے، اس پر حضرت نے تفصیلی اظہار خیال فرمایا ہے، اس رسالے کی اہم خصوصیت حضرت کی عربی انشاء پر مضبوط گرفت ہے، ایک

خالص علمی و تحقیقی مسئلے میں اشعار و محاورات کے برمحل استعمال نے موضوع کی خشکی اور کھردرے پن کو روانی اور بے ساختگی میں بدل دیا ہے، ایک مقام پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا حوالہ دینے کے بعد وہ مشہور شعر لکھتے ہیں، جو مبرد سے لے کر متاخرین نحاۃ تک نے اوزان مونثہ میں فعال کے وزن میں بطور استشہاد کے پیش کیا ہے:

اذا قالت حزام فصدقوھا فان القول ماقالت حزام

اسی مقالے میں تین اور مقامات پر اشعار لے کر آئے ہیں، اشعار کے ساتھ برمحل محاورات وضرب الامثال کا بھی خوب استعمال کیا ہے:

۱۔ ماللضفادع و المسابقہ مع الخیول

۲۔ لا یسطیع امثالک ان یدرکوا شاھذہ الجبال و قعر ھذہ البحار

۳۔ فانھدم قاعدۃ الجواب و خر سقف الاستدلال

۴۔ صاحب البیت ادری بما فیہ

۵۔ و دون ذلک خرط القتاد

۶۔ الغریق یتشبث بالحشیش

۷۔ الوفاق خیر من الشقاق

یوں اس طرح کے محاورات و اشعار سے ایک تحقیقی مقالہ بھی ادبی چاشنی اور سلاست عبارت میں نثری شہ پارہ بن گیا ہے، لسانی خوبیوں کے ساتھ اس مقالہ میں جنازہ کے بعد مطلقاً دعا کی ممانعت ثابت کی گئی ہے خواہ بعد کسر الصفوف ہو، اس پر حضرت نے متقدمین و متاخرین کے دو درجن سے زائد حوالہ جات دیئے ہیں۔

۴۔ ایک مختصر سا شذرہ جمعہ فی القری کو دیہات میں رواج دینے پر خاص طور پر فقہ حنفی کی رو سے جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں، ان کا ذکر کیا ہے، اس شذرہ میں دس مفاسد مذکور ہیں۔

۵۔ ایک مختصر شذرے میں ذکر بالجہر پر بحث کی گئی ہے، خاص طور پر بعض ائمہ سے

File Adress:

ذکر بالجہر کی جو کراہت یا بدعت منقول ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یا دیگر اہل علم نے ایسے ذکر کے جہر کو مکروہ یا بدعت قرار دیا ہے، جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو، یعنی کسی موقع پر ذکر منقول ہو اور جہر منقول نہ ہو تو ایسے موقع پر جہر کو مکروہ فرمایا گیا ہے، جبکہ صاحبین اور دوسرے ائمہ کرام ایسے موقع پر بھی جہر کو بلا کراہت جائز کہتے ہیں اور مفتی بہ بھی حنفیہ کے نزدیک یہی ہے۔''

۶۔ ایک اہم شذرہ میں پشتون علاقوں میں طلاق دینے کے حوالے سے رائج ایک رسم پر بحث کی گئی ہے، جس میں کنکریاں پھینکنے کو طلاق دینا سمجھا جاتا ہے، یہ مقالہ فارسی میں ہے، حضرت نے کتب فقہ کی روشنی میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ کنکریاں پھینکنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق تلفظ کے قبیل سے ہے۔

۴۔ اصولی مقالات

تین مقالات کا تعلق اصول فقہ سے ہے، اس میں ایک مقالہ اجماع مرکب کی حجیت پر مشتمل ہے، اس میں اجماع مرکب کی دو معروف انواع کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ ائمہ حنفیہ کے درمیان معروف اختلافی اصول مجاز کی جہت خلفیت کی بحث پر مشتمل ہے، کہ مجاز کس جہت سے حقیقت کا خلیفہ ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف میں قدرے ابہام ہے اور ایک سے زائد احتمالات کا حامل ہے، حضرت نے قول امام کے احتمالات بیان کرنے کے بعد راجح احتمال کی تعیین کی ہے، حضرت نے فریقین کے دلائل بیان کرنے کے بعد قول امام کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی وجوہ ترجیح بھی ذکر کی ہیں، یہ مقالہ تنقیح مبحث کے اعتبار سے ممتاز ہے۔ تیسرا مقالہ صحابہ کے اقوال کی حجیت کے اثبات پر مشتمل ہے۔

۵۔ کلامی مقالات

File Adress:

تین مقالات کلامی نوعیت کے ہیں، جن میں سے پہلا عربی زبان میں سماع النبی عند قبرہ کے نام سے ہے، یہ مقالہ دراصل ایک عرب عالم شیخ عبداللہ بن زید ال محمود کے جواب میں ہے، جنہوں نے اپنے مقالے میں اس عقیدے کو مردود اور قرآن پاک کی آیت ''انک لاتسمع الموتی'' کی رو سے ضلالت قرار دیا تھا اور سماع النبی عند قبرہ کی حدیث کو ضعیف کہا تھا، حضرت نے جوابی مقالے میں متعدد متون حدیث سے اس حدیث کے آٹھ طرق ذکر کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔

دوسرا مقالہ صفات باری تعالیٰ کے عنوان سے ہے، لیکن اس میں صرف استواء علی العرش کے سلف سے منقول مفاہیم بیان کئے ہیں، استواء کو بمعنی تمکن لینے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب سوال یہ ہے کہ قبل التمکن وہ کسی مکان میں تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو اس مکان کی ازلیت اور قدم لازم آتا ہے، جبکہ ازلی اور قدیم وحدہ لاشریک ہے، نیز انتقال لازم آتا ہے، من مکان الی مکان، جو حدوث کو مستلزم ہے، ورنہ تمام اجسام کو قدیم ماننا پڑے گا، کیونکہ ان کے حدوث پر ان کے تغیر من حال الی حال دلیل ہے۔ اور اگر کسی مکان میں نہیں تھے، تو مکان کا لامکان ہونا لازم آتا ہے، جو بداہت عقل کے خلاف ہے، علی کل حال استقرار بمعنی تمکن کا عقیدہ فاسد ہے۔"

تیسرا مقالہ توسل کے بارے میں ایک چھوٹے سے شذرے کی شکل میں ہے، اس میں توسل کی تین اقسام بیان کرنے کے بعد اختلافی جہت کی تعیین کی ہے اور اس کے جواز کے بارے میں بوادالنوادر سے قاضی شوکانی کی رائے نقل کی ہے، جو ظاہر ہے مذکورہ مسئلے میں خاصی اہمیت کی حامل ہے۔

۶۔ تنقیدی مقالات

چار مقالات تنقیدی قبیل سے ہیں، ان میں پہلا مقالہ معروف بریلوی عالم صائم چشتی کی ضخیم کتاب ایمان ابی طالب پر تنقیدی تبصرہ ہے، یہ مقالہ تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں صائم صاحب کی کتاب کے اہم مندرجات پر تبصرہ کیا گیا ہے، البتہ مقالہ کے آخر میں اس مسئلے پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالی ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے مذکورہ عبارت بعینہا نقل کی جاتی ہے:

"قرن اول میں جن حضرات کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا ان میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے اشخاص ہیں، جو اعراب تھے اور قبل از اسلام معاشرہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور بعد از اسلام بھی شرف صحبت کی عظمت اپنی جگہ پر، کوئی خاص نمایاں کارنامے ان کے منقول نہیں ہوئے، لیکن ان کا اسلام قبول فرمانا متنازع فیہ رہا اور نہ مخفی رہا، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جناب ابو طالب جو بقول صائم کبھی کافر و مشرک ہی نہ رہے، شروع ہی سے مسلمان تھے، یا بقول بعضے آخر میں مسلمان ہوئے تھے، اور وہ جناب عبد المطلب کے بعد مکہ معظمہ کی سب سے بارسوخ شخصیت ہیں، قریش کے قبیلہ کے اپنے وقت میں سب سے بڑے سردار خانوادہ بنی ہاشم کے مطاع اور واجب الاحترام بزرگ ہیں، سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوار و محبوب چچا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم محسن ہیں، خلیفہ راشد سیدنا علی کے والد مکرم ہیں، حسنین مکرمین کے محترم دادا ہیں، سید الشہداء اسد اللہ حمزہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما جیسے شہرہ آفاق حضرات کے قابل احترام بھائی ہیں، قرن اول میں آپ کے خاندان کے افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جبکہ آپ کے صاحبزادے اور پھر پوتے مسند خلافت پر فائز ہوتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں آپ کی نسل سے محدثین، مفسرین، مورخین، فقہا اور صوفیا پیدا ہوتے ہیں، ایسی شخصیت کا اسلام پیارے بھتیجے (جو کہ نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) پر بھی مخفی رہا، اپنے فرزند ارجمند اور پوتوں و نواسوں پر بھی مخفی رہا اور پوری امت کو اس کا علم نہ ہو سکا، بجز ابن اسحاق کے اور اسی قبیل کے دو تین اور خود

متنازع فیہا شخصیات کے، شرق وغرب میں تقریباً ہر جامع مسجد کے منبر پر ہزاروں افراد کے سامنے خطبہ میں ابوعمارہ سیدنا حمزہ، سیدنا ابوالفضل، سیدنا عباسؓ کا نام سننے میں آتا ہے، لیکن ابوطالب عبدمناف کا نام سننے میں نہیں آتا، بالفرض امت کے ایک حلقہ کے ایک کوان سے کدتھا تو دوسرا حلقہ توان کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے تھا۔ صاف بات ہے یا تو روافض کی طرح قرن اول کے تمام مسلمانوں کو شقی، منافق، دشمن نبوت وخاندان نبوت قرار دینا ہوگا، یہاں چند کی استثناء کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے کہ خود سیدنا علی، سیدنا عمار، سیدنا سلمان، سیدنا مقداد، سیدنا الحسن، سیدنا الحسین رضی اللہ عنہم بھی ابوطالب کے ایمان واسلام کے بارے میں خاموش ہیں، یا پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابوطالب صاحب اپنے تمام تر فضائل ومناقب کے باوجود نعمت ایمان سے محروم رہے تھے۔''

دوسرا مقالہ مسٹر غلام احمد پرویز کے عقائد ونظریات کے نام سے ہے، جس میں پرویزی عقائد ونظریات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، اس میں ابتداء چند تمہیدی نکات بیان کرنے کے بعد غلام احمد پرویز کے دس ایسے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے، جو صریح اور قطعی کفر ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ مقالہ دراصل غلام احمد پرویز کے وجوہ تکفیر پر مشتمل ہے۔

تیسرا مقالہ ''عصمت انبیاء: مولانا مودودی صاحب کے افکار کا جائزہ'' کے نام سے ہے، اس مقالہ کو اگر اس مجموعے کی جان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، یہ مقالہ تیس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں عصمت انبیاء پر بڑی نفیس گفتگو کی گئی ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ عصمت سے متعلق بحث کی تنقیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرات انبیا علیہم السلام کی عصمت سے متعلق تین امور ہیں:

اول اینکہ اس کا حصول قبل از نبوت ہوتا ہے یا بعد از نبوت؟

دوم: عصمت انہیں کن امور سے حاصل ہے؟

سوم: عصمت انہیں حاصل ہوجانے کے بعد ان سے منفک ہوسکتی ہے یا نہیں؟''

File Adress:

ان تین امور کے بارے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اسکے ضمن میں ان قرآنی نصوص پر بھی مفصل بحث کی ہے جو موہم عدم عصمت ہے، الغرض یہ مقالہ عصمت کے مسئلے پر علمی مباحث کا گنجینہ ہے۔

چوتھا مقالہ ماہنامہ تجلی دیوبند کے ایک مضمون پر تنقیدی نظر کے نام سے ہے، اس مقالہ میں مولانا مودودی کے ایک عقیدت مند مولانا معین الدین کے ایک مضمون پر تنقید ہے، جس میں مضمون نگار نے حضرت مدنی کی جماعت اسلامی کے بعض امور پر تنقید پر تبصرہ کیا تھا، مضمون نگار نے خاص طور پر علما کی تنقیدات کو ذاتی رنجش اور مولانا مودودی کی عبارات کو صحیح نہ سمجھنے پر محمول کیا تھا، حضرت نے اسی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۔ سیاسی مقالات

تین مقالات کا تعلق ملکی و بین الاقوامی سیاسی امور سے ہے، ان میں پہلا مقالہ خلیجی جنگ اور عالم اسلام کے منفی رویے کے نام سے ہے، یہ مقالہ عراق کویت جنگ اور امریکہ کا کویت کی حمایت میں عراق پر حملہ کے تناظر میں ہے، اس مقالہ میں حضرت نے عراق کے موقف کی تائید کی ہے اور امریکی حملے کی مذمت کی ہے، جو حلقے خاص طور پر سعودی عرب کی حمایت کی وجہ سے امریکی حملے کو بعض فقہی حوالوں سے سند جواز بخش رہے تھے، حضرت نے فقہی حوالے سے بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔

ایک مختصر سا مضمون پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے عنوان سے ہے، جس میں پاکستان کے قیام کے مقصد اصلی نفاذ شریعت کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرا مقالہ نائن الیون کے نام سے ہے، جس میں نائن الیون کے پس پردہ مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور امریکہ کے اس جنگ میں پاکستان کے کودنے اور شامل ہونے کے نقصانات پر بحث کی گئی ہے۔

File Adress:

۸۔سوانحی مقالات

تین مقالات سوانح کے قبیل سے ہیں،جن میں سے پہلا مقالہ حضرت نے اپنے محبوب استاد اور قابل قدر ہستی تلمیذ کشمیری حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کی یاد میں استاذنا المکرم کے نام سے لکھا ہے،مقالہ کیا ہے،ایک محب شاگرد کی طرف سے اپنے محبوب استاد کا نثری مرثیہ ہے،محبت وعقیدت میں گندھا ہوا ادبی شہ پارہ ہے،اس مقالے سے نسبتاً ایک طویل لیکن عمدہ اقتباس پیش خدمت ہے جس کا صحیح لطف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو علوم اسلامیہ کے جہابذہ فن اور ان کے امتیازی اوصاف سے واقف ہوں:

"ہم نے سیّدی حضرت بنوریؒ کی صورت میں بدرؒ وشہابؒ کو دیکھا کہ صحیح بخاری شریف کی مشکلات کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں،خطابیؒ وطیبیؒ اور ابن رجبؒ کو دیکھا کہ حدیث شریف کے لطائف وطرائف بیان فرما رہے ہیں،مزیؒ اور ذہبیؒ کو پایا کہ رواۃ حدیث کے نام ونسب،طبقہ ورتبہ اور حالات وواقعات کا تذکرہ فرما رہے ہیں،ابن صلاحؒ وعراقیؒ کو پایا کہ مصطلح الحدیث کے نوع بنوع مسائل پر تذکرہ فرما رہے ہیں،غزالیؒ وشاہ ولی اللہؒ نظر آئے جو دین کے اسرار ورموز سمجھا رہے ہیں،رازیؒ وآلوسیؒ نظر آئے کہ قرآنی حقائق ودقائق کا اظہار فرما رہے ہیں، جرجانیؒ وزمخشریؒ دکھائی دیئے جو قرآن حکیم کے وجوہ بلاغت واعجاز سے پردے اٹھا رہے ہیں، راغب وابن اثیرؒ دکھائی دیئے کہ غریب القرآن اور غریب الحدیث کی شرح فرما رہے ہیں۔ ابن رشدؒ وابن قدامہؒ کو مختلف فقہی مذاہب کا مقارنہ کرتے ہوئے پایا،نوویؒ وابن نجیمؒ کو متفرق فقہی جزئیات وروایات کا استقصا کرتے ہوئے دیکھا اور ملک العلما کاسانیؒ کی طولانی مباحث کی تہذیب وتنقیح کرتے ہوئے نظر آئے،یہاں ہم نے ابن منظورؒ اور زبیدیؒ کو بھی دیکھا کہ عربی لغت کے اوابد وشوارد کا شکار کر رہے ہیں اور ابوالعتاہیہؒ اور بوصیریؒ بھی ملے جو اپنا ناصحانہ کلام اور عاشقانہ مدیح سنا رہے تھے،ہم نے یہاں ابن ندیمؒ اور حاجی خلیفہؒ کے کتابیات

پر محیر العقول عبور، ابنِ تیمیہؒ کی وسعتِ نظر، ابن قیم کی سلامت فکر، رومیؒ کی عقل ودانش، ابن عبد البرؒ کے رنگ اعتدال، ابن ہمامؒ کی قوتِ استدلال، سیوطیؒ کے تبحر وتوسع، اور کوثریؒ کے تصلب و تعقب کا مشاہدہ کیا، یہاں ہم نے جاحظؒ کی البیان والتبیین کی شستہ زبان سنی، اور اس میں ابوزہرہؒ واحمد امینؒ کی سلاست کی حلاوت کو پایا، یہاں ہمیں قاسمیؒ حکمت، رشیدیؒ تفقہ، محمودیؒ عزم وہمت، انوریؒ علم وتبحر، حسینی جذبۂ ایثار وحریت، اشرفی ورع ولطافت، کفایتؒ الٰہی استحضار، اور عطاء الٰہی رعب وجلال کا حسین گلدستہ نظر آیا اور بلا شبہ ایک عالم کی صورت میں ایک عالم دیکھا۔"

دوسرا مقالہ صوبہ خیبر پختون خواہ کے معروف محدث جنہیں قبائل کا شاہ ولی اللہ کہا جاتا ہے، حضرت مولانا نصیر الدین غور غوشتوی رحمہ اللہ کے سوانحی خاکے پر مشتمل ہے، حضرت غور غوشتوی رحمہ اللہ نے منطق، فلسفہ اور یونانی فنون میں مستغرق پختونوں اور افغانوں کو علوم شرعیہ خصوصا حدیث کی طرف راغب کرنے کے حوالے سے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں، چالیس سال تک حدیث، تفسیر اور فقہ اسلامی کی تدریس سے منسلک رہے، بدعات و توہمات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا، حضرت اورکزئی شہید رحمہ اللہ نے مختصر لیکن جامع انداز میں اس عظیم محدث کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

تیسرا مضمون جنرل ضیاء الحق مرحوم پر چند معروف اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے، یہ مقالہ دراصل روزنامہ جنگ کے ایک اداریے کے رد میں لکھا گیا تھا، جس میں مرحوم صدر پر ایک درجن کے قریب اعتراضات کئے گئے تھے، حضرت نے جوابات کے ساتھ مقالہ کے آخر میں مرحوم صدر کے دور صدات کے دس امتیازی اقدامات بیان کئے ہیں، جو خاص طور پر پاکستان میں اسلام اور اسلامی شعائر کے فروغ کا باعث بنے۔ جنرل ضیا الحق مرحوم کے بعض پالیسیوں سے اختلاف کے باوجود یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ ان کے بعض اقدامات نے پاکستان میں اسلام کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

۹۔ مقدماتِ کتب

اس مجموعے میں تین کتابوں پر حضرت کے مقدمات بھی شامل ہیں، جن میں سے ایک مقدمہ حزب الاعظم کا ہے، جس میں حضرت نے دعا کی حقیقت اور اس کی اہمیت بیان کی ہے۔ دوسرا مقالہ دلائل الخیرات کے مقدمے پر مشتمل ہے، جس میں حضرت نے درود شریف کے فضائل کے ساتھ دلائل الخیرات کی بعض محل نظر عبارات کی توجیہ وتاویل کی ہے۔ تیسرا مقالہ اپنی غیر مطبوع کتاب 'مکاتیب ہدایت' کے مقدمہ پر مشتمل ہے۔ جو مودودی فکر علماء کے ساتھ خط وکتابت کا مجموعہ ہے۔ یہ خط وکتابت عصمت انبیاء کے مسئلہ پر ہوئی ہے اور اس سے ایک مقالہ عصمت انبیاء: مولانا مودودی کے افکار کا جائزہ' مولانا طفیل صاحب نے مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

۱۰۔ متفرق مقالات

ایک ضخیم مقالہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے ملفوظات وافادات پر مشتمل ہے، یہ مقالہ خوان بنوری کی خوشہ چینی کے نام سے ہے، پینتیس صفحات کے اس مقالے میں حضرت بنوری کے گرانقدر ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے، ایک مختصر سا شذرہ پانچ دریا اور ان کے پار کرنے کا طریقہ کے نام سے تصوف کی بعض اصطلاحات کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ نیز شہادت اور شہید کے مقام پر بھی ایک تحقیقی مقالہ شامل ہے۔

مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں، جنہوں نے اس قیمتی خزانے کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لئے اسے مختلف جرائد وکاپیوں سے جمع کیا اور اسے زیور طباعت سے آراستہ کیا، ضروری نہیں کہ اس مجموعے میں بیان کردہ جملہ علمی، فکری، فقہی اور سیاسی آراء سے اتفاق کیا جائے، لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ یہ مقالات اس شخصیت کے ہیں، جن کا اوڑھنا بچھونا علم وتحقیق اور مطالعہ وتدریس تھا، خالص علمی وتحقیقی مزاج ومذاق کے حامل شخص کے نگارشات کی علمی اہمیت قدرے اختلاف کے باوجود سدا بہار رہتی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعے کو نافع بنائے، محترم مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب کو اس اہم علمی ورثے کی جمع وترتیب پر اجر جزیل سے نوازے اور اسے حضرت شہید کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

File Adress

از

(مولانا) سمیع اللہ سعدی (مدظلہ)

تفسیر

ارشاد الحلیم

فی ضوء ما جری بین الخضر و الکلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً و مصلیاً و مسلماً

اپنے شیخ محقق العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے اثنائے درس شیخ الشیوخ حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا تھا کہ حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ سے ساٹھ تک آداب علم اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ تمنا تھی کہ اس اجمال کی تفصیل ملے۔ حق تعالیٰ کی توفیق سے جب سورۂ کہف پڑھانے کا موقع ملا تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے جو کہ علم، عالم اور متعلم کے آداب کا حسین مرقع ہے جو فوائد ہمارے اکابر علمائے تفسیر و حدیث نے مستنبط کئے یا اس سیاہ کار کے خاطر فاتر پر فائض ہوئے اسے ضبط تحریر میں لایا جائے۔ چنانچہ قلم اٹھایا گیا اور حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ مجموعہ وجود میں آیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۱).....کمالات مکسوبہ میں علم سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں۔ سیدنا موسیٰ اولوالعزم انبیاء کرام میں سے ہیں۔ حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی اسے حاصل ہے۔ تورات جیسی عظیم کتاب

ساتھ ہے۔ بنی اسرائیل جیسی قوم کی سیادت وقیادت ہاتھ میں ہے جو اس وقت روئے زمین پر علمی لحاظ سے سب سے ممتاز قوم تھی۔ ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود اس واقعہ میں علم کے طالب دکھائی دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تاجدار ختم نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا گیا: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْماً۔

(۲).....صرف علم ہی نہیں بلکہ علم میں اضافہ بھی کاملین کو مطلوب رہا ہے، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کردار سے ظاہر ہے اور "زدنی" کی تعبیر سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور "منهومان لا یشبعان" کی حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہے۔

(۳).....صرف وہی علم حاصل کرنا چاہیے جو انسان کے رشد وہدایت کا ذریعہ بنے یعنی علوم دین وآخرت۔ فرمایا: عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

علوم ضارہ کی تحصیل وطلب محمود نہیں۔ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ۔

(۴).....علم کی دو قسمیں ہیں: کسبی جو بوسائل حاصل ہو۔ وہبی جو بلاواسطہ حق تعالیٰ کی طرف سے فائض ہو اس کی علم لدنی بھی کہا جاتا ہے۔ فرمایا: عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ اور فرمایا: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔

(۵).....علم الشرائع مدار نجات ہونے کی وجہ سے اگرچہ بلاشبہ اجل العلوم ہے، تاہم علم الحقائق والاسرار کی عظمت وجلالت بھی ناقابل انکار ہے۔ مقام امتنان میں "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" بصیغۂ متکلم مع الغیر "مِنْ لَّدُنَّا" کے اضافہ وتعبیر کے ساتھ اور مفعول ثانی "عِلْمًا" کی تنکیر کے ساتھ ارشاد فرمانا اس کا شاہد صدق ہے۔

(۶).....علوم کسبیہ کی تحصیل کے لئے مدن وامصار اور اجتماع زیادہ موزوں ہیں جبکہ علم الحقائق کی تحصیل وحصول کے لئے براری وسواحل کی فضا زیادہ مناسب ہے اور تفرید وتخلیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت خضر علیہ السلام کی اقامت گاہوں سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔ انبیاء علیہم السلام عموماً شہری معاشرے میں مبعوث ہوئے ہیں اور

صحرائیوں کے بارے میں فرمایا: وَأَجْدَرُ أَنْ لَا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔

(۷).....جس علم وفن سے انسان کو مناسبت ہو اسی کی طلب میں رہے، ورنہ طلب زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوگی: کما یظهر ذالک من ارتحال سیدنا موسی و ارتکابه المشاق ثم ارتجاعه بادنی تأمل۔

(۸).....سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ علم مطلوب بنے تو حاصل ہوتا ہے، علم طالب بن کر نہیں آتا: حیث امر سیدنا موسی علیه السلام بالرحلة الی الخضر علیه السلام مع اشتغاله بامر بنی اسرائیل ولم یؤمر الخضر ان یذهب الی موسیٰ علیهما السلام ویشیر الیه قوله سبحانه: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الآیة: وقال علیه السلام: 'طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔' فجعله مطلوبا وعن السلف: یؤتی ولا یأتي۔

(۹).....طلب علم کے لیے سفر کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، خصوصاً سنت موسویہ ہے: وهو ظاهر ورحلات علماء هذه الامة کثیرة شهیرة غنیة عن البیان وقد بوبوا علیه فی کتب الحدیث والآداب۔

(۱۰).....طلب علم کے سفر میں مصائب ومصاعب کا پیش آنا عین متوقع امر ہے: و القصة عن آخرها تشهد علیه۔ وقال ابو یوسف: العلم عز لا ذل فیه ویحصل بذل لا عز فیه۔

(۱۱).....علمی سفر اپنے سے اعلم کے مشورے اور ارشاد کے مطابق کیا جائے: قد سأل موسیٰ ربه فیکف السبیل؟ فارشده الیه۔

(۱۲).....سفر کے آغاز میں پہلے منزل مقصود کو متعین کیا جائے۔ حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا۔

(۱۳).....معہود مقام پر اگر مطلوب نہ ملے تو گوہر مقصود کے لئے دوسرے مقامات کا رخ کرنا چاہیے: ''أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا'' علی احد التفاسیر۔

(۱۴).....طالب علم کو عالی ہمت اور قوی العزم بننا چاہئے گویا کہ علم کے لئے وہ 'یا تن رسد بجانان یا جان زتن برآید' کا مصداق ہو۔ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا اس پر دال ہے۔

(۱۵).....صغرسنی میں تحصیل زیادہ مفید ہوتی ہے لیکن کبرسنی بھی منافی تعلیم نہیں: فقد خرج سیدنا موسی علیه السلام بعدما جاوز اربعین سنة و اکثر اصحاب النبی ﷺ کانوا کذالک۔

(۱۶).....فاضل کے لئے طالب بننے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ والرحلة العملیة لسیدنا موسی شاهدة لذلک۔

(۱۷).....حصول علم کے لئے مساعی اور لمحات زندگی صرف کرنا اگرچہ بہت زیادہ ہوں، بڑی کامیابی ہے: قال الفخر الرازی رحمہ اللہ: ان المتعلم لو سافر من المشرق الی المغرب لطلب مسئلة واحدة لحق له ذلک، وقد سافر جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ لطلب حدیث واحد شهرا و سار سیره غیر واحد من التابعین فمن بعدهم و القدوة فیه سیدنا موسی علیه السلام و قوله: أو أمضي حقباً۔

(۱۸).....غیر ضروری علوم کی تحصیل سے ضروری کی تدریس و تعلیم زیادہ بہتر ہے۔ و قدنبه علی ذلک سیدنا الخضر علیه السلام حیث قال لسیدنا موسی علیه السلام: کفی بالتورة علما و بنی اسرائیل مشغلاً۔

(۱۹).....تعلم کو تعلیم پر ترجیح دینی چاہئے اگر جمع نہ ہوسکیں۔ کما رجح سیدنا موسی علیه السلام تَعَلُّمَه عن الخضر علی تَعْلِیمه لبنی اسرائیل۔

(۲۰).....بہتر یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تعلم کا سلسلہ بھی ممکنہ حد تک جاری رہے۔ کما فعله سیدنا موسی علیه السلام مع یوشع و هکذا کان امر السلف لاسیما اصحاب النبی ﷺ۔

(۲۱).....علم جو بھی ہو اس کی تحصیل بتدریج ہونی چاہئے: أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ،

File Adress:

فان التدریج من خواص التفعیل۔

(۲۲).....علم دین بلا مزد ومعاوضہ سکھایا جائے۔ "مِمَّا عُلِّمْتَ "ای احسن کما احسن اللہ تعالی الیک۔

(۲۳).....تعلیم وتعلم کا مقصد چلنے پھرنے بھی حاصل ہوسکتا ہے، "فَانْطَلَقَا" الایۃ ایک جگہ ٹھہرنا ضروری نہیں۔

(۲۴).....متعلم کو چاہئے کہ طلب میں صادق ہو، فان موسی علیہ السلام امرّ علی الاتباع مع انکار الشیخ وتخویفه له عن المکاره۔

(۲۵).....اور اسے چاہئے کہ متواضع ہو، استاذ کے سامنے سراپا احتیاج بنے۔ فقد قال سیدنا موسی سائلا کانه استجهل نفسه واظهرها فی حاجة شدیدة الی الرشد: هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

(۲۶).....اور چاہئے کہ ادب شناس ہو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی درخواست استفہام کے پیرایہ میں پیش کی پھر درخواست میں اپنے تابع بننے کا ذکر سب سے پہلے فرمایا اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کو عالم ومعلم ظاہر فرمایا۔ پھر "مِمَّا عُلِّمْتَ" کے ضمن میں ان کے سرمایہ علم میں سے کچھ عطا فرمانے کی اپیل کی جیسا کہ فقیر کسی تونگر سے اس کے کچھ مال کا سوال کرتا ہے۔

(۲۷).....اور وہ اپنے شیخ کا وفا شعار وجان نثار ہو، کما هو ظاهر من صنیع سیدنا یوشع ثم سیدنا موسی علیهما الصلوٰة والسلام۔

(۲۸).....اپنے آپ کو معلم کا غلام سمجھے۔ کان نفسه مبیعة والعلم ثمنها قال: عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ" وکلمة "علی" تدخل علی الاثمان والاعواض۔ و استخدم یوشع والاستخدام من غیر الاجرة من سمات الرق، وروی عن السلف: من علمنی حرفا فأنا عبده۔

File Adress:

(۲۹).....اپنے استاد سے علمی استفادہ کے علاوہ اور کسی فائدے کی خواہش نہ رکھے۔ کماھو مدلول: هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ۔ الآیة

(۳۰).....اپنے شیخ کے جسمانی آرام وراحت کا لحاظ وخیال رہے۔ فان سیدنا یوشع علیه السلام لم یوقظ سیدنا موسی علیه السلام حینما رأی الحوت اتخذ سبیله فی البحر سربا۔

(۳۱).....ضرورت پڑے تو بحری سفری بھی برائے حصول علم اختیار کرے۔ فقد رکب موسی مع الخضر علیه السلام فی السفینة وقبل ذالک دخل البحر اثر الحوت حتی وصل الی الخضر فی جزیرة علی احد الاقوال۔

(۳۲).....استاد کی سختی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا رہے۔ نسب الی موسی علیه السلام قلة الصبر وعدم العلم مع جلالته فاجابه علیه السلام: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا۔

(۳۳).....استاذ کی نشان دہی کے بعد اپنی کمزوری کو رفع کرنے کی کوشش اور عزم کرے۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ الآیة

(۳۴).....خود اعتمادی کے بجائے خدا اعتمادی کا اظہار کرے۔ کما یشیر الیه تعلیق سیدنا موسی علیه السلام لما عزم علیه بمشیته عزوجل۔

(۳۵).....معلم ومربی کے متدین ہونے کا یقین ہو تو غیر مشروط طور پر اسے اپنی اطاعت اور خدمت کی پیشکش کرے۔ ویدل علیه قوله: "هَلْ اَتَّبِعُکَ" ضمناً وقوله: "وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا" صریحاً۔

(۳۶).....اپنے شیخ کی کامل اتباع ہو حتی کہ افکار، اقوال، اعمال میں اس کا عکس جمیل ومظہر اتم بنے کی کوشش کرے۔ کما یفهم من حذف المتعلقات فی قوله: هَلْ اَتَّبِعُکَ

(۳۷).....شیخ جب تعلیم میں مصروف ہو تو سوال وغیرہ کرکے دخل اندازی نہ

کرے۔ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْئَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ۔ الآیۃ۔ والاخلال بهذا الأدب قد يفضي الى الانقباض بل ربما أعقب الفراق۔

(۳۸)..... کچھ شبہ وخلجان ہوتو شیخ کی طرف سے جواب وازالہ کے انتظار میں رہے ۔ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود قیل وقال

(۳۹)..... بظاہر خلاف شرع کام شیخ سے دیکھنے میں آئے تو حتی الامکان تاویل سے کام لے اور جائز محامل پر حمل کرے، سوءظن سے بچے۔

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

وراجع لشرح كلام العارف الشيرازي هذا الى "التكشف" وغيره من كتب المحققين ولا تغترن بظاهره۔

(۴۰)..... اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو منکر کو منکر ہی سمجھا جائے، شیخ پر نقد وجرح سے احتراز کرے۔ فان سيدنا موسى عليه السلام مع الانكار على الفعل واظب على اتباع الخضر ولم يفارقه بالمرة۔

(۴۱)..... اپنی فروگذاشت اور تقصیر کا اعتراف کیا کرے۔ قال يوشع: فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ، وقال موسى عليه السلام: قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي عُذْرًا۔

(۴۲)..... شیخ کے اطمینان کے لئے اپنی کوتاہی کا سبب اور عذر بھی بیان کرنا چاہئے۔ وَمَآ أَنْسٰنِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ الآیہ

(۴۳)..... اور شیخ سے تسامح فرمانے کی درخواست کرے۔ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا۔

(۴۴)..... شیخ پر تنقید علم یا اس کی برکت سے حرمان کا سبب سکتا ہے۔ قال سيدنا

File Adress

الخضر علیہ السلام بعدماناقشہ موسی مرارا:ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ، وقد احب رسول اللہ ﷺ لو صبر موسی علیہ السلام وسکت' کمافی الصحیح۔

(۴۵).....مزاجی مناسبت نہ ہو یا اور کوئی حاجب ہو تو شیخ سے مفارقت کی درخواست کی جائے۔ اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَھَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ۔

(۴۶).....بہتر یہ ہے کہ شیخ پر ''مصاحب'' اور تلمیذ پر ''صاحب'' کا اطلاق کیا جائے، فَلَا تُصٰحِبْنِیْ۔۔۔اَیْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ

(۴۷).....طالب اور مسترشد کی ناکامی کے دو بڑے سبب ہیں: اول عدم استقلال، دوم نافرمانی، اس لیے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتے وقت ان دونوں موانع سے الگ رہنے کا پختہ عزم کرے۔ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا۔

(۴۸).....سعی پیہم کے ساتھ صحیح سمت کی طرف رخ ہونا اور حزم واحتیاط بھی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِھِمَا قَصَصًا۔

(۴۹).....شیخ کی طرف کوتاہی کی نسبت نہ کرے اگر چہ وہ کوتاہی میں شریک رہا ہو۔ فقد کان النسیان عن سیدنا موسی علیہ السلام وسیدنا یوشع جمیعا، یقول تعالیٰ: فَنَسِیَا حُوْتَھُمَا ولکن یوشع علیہ السلام قال: فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ۔

(۵۰).....ایسے لب ولہجہ سے احتراز کیا جائے جس سے تکبر وتعلی تو درکنا استاذ کے ساتھ تساوی کی بو آتی ہو۔ قال سیدنا موسی علیہ السلام: ''عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔'' اَتی، بِمَنِ التبعیض تحاشیا عن شبھۃ حب التساوی مع شیخہ۔

(۵۱).....شیخ کامل کے تتبع وتلاش میں سعی بلیغ سے کام لینا چاہئے۔ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا۔ والمنساق بعد الطلب اعزو انفس۔

(۵۲).....شیخ کو چاہئے کہ طالب کی طلب کا امتحان لے۔ کما فعل سیدنا الخضر علیہ السلام لسیدنا موسی علیہ السلام۔

File Adress:

(۵۳).....یہ امتحان حلقہ تلمذ میں قبول کرنے سے انکار کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے۔ کمامر۔

(۵۴).....انکار خشک نہیں ہونا چاہئے بلکہ معقول عذر اور دلیل کے ساتھ ہو۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ وَ کَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَالَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا، وهو المعمول عند کثیر من المشائخ المحققین فی التصوف والسلوک۔

(۵۵).....اپنی فراست یا اور کسی ذریعہ سے طالب میں مانع استفادہ کوئی بات معلوم ہوتو اسے صاف صاف بتلایا جائے۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ وَ کَیْفَ تَصْبِرُ۔ الآیة

(۵۶).....داخلہ کے خواہشمند کو جو مشکلات بعد میں پیش آسکتی ہوں، پہلے سے انہیں ان سے آگاہ کیا جائے۔ وقد مر مأخذه غیر مرة۔

(۵۷).....حلقہ تلمذ میں شمولیت کے بعد شیخ محقق کی تقلید ضروری ہے، ورنہ محرومی ہوگی۔ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ۔ الآیة۔

(۶۸).....معلم کو چاہئے کہ متعلم کی استعداد وظرف کے مطابق تعلیم دے اور کلم الناس علی قدر عقولهم کے اصل پر کاربند رہے، ورنہ تعلیم مفید ثابت نہ ہوگی، بلکہ مفارقت پر منتج ہوگی۔ کما کانت العاقبة فی هذه القصة الهامة۔

(۵۹).....معلم کو حق ہے کہ طلباء کو ضابطہ تعلیم اور لائحہ عمل کا پابند بنادے اور داخلہ کو مشروط رکھے۔ ویؤخذ ذالک من قوله: فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ۔ الآیه

(۶۰).....استاذ طلبہ کو بعض جائز اور مباح امور سے روک سکتا ہے، اگر مخل بالاستفادہ یا مانع ہوں۔ (ایضا)

(۶۱).....شیخ کو چاہئے کہ اپنے کسی مشتبہ قول وعمل کی مناسب موقع پر وضاحت اور توجیہ کرے۔ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا۔ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا۔

(۶۲).....منکر بلا تاویل کی برداشت مشکل ہوتی ہے اور بعد از تاویل سہل۔ وبدل

علیہ الفرق فی التعبیر بین "تستطع" و "تسطع"۔

(۶۳).....ذریعہ تعلیم صرف قیل وقال نہیں بلکہ عمل وحال بھی بن سکتے ہیں۔ وقد سلک سیدنا الخضر علیہ السلام ھذا المسلک وعلم نبینا وحبیبنا محمد ﷺ امتہ بالقول والفعل والحال واجمعوا ان الکل منہ سنۃ متبوعۃ حجۃ ملزمۃ۔

(۶۴).....استاذ مفید سمجھے تو طلبہ پر مناسب سختی کرسکتا ہے۔ وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا۔ رماہ بقلۃ الصبر وفقد العلم کما مر۔

(۶۵).....طلبہ اور اساتذہ ممکنہ اسباب اور وسائل معاش استعمال میں لا سکتے ہیں۔ فان موسی ویوشع علیہما السلام حملا معھما الغداء ونا ما فی ظل صخرۃ ورکب مع الخضر علیہ السلام فی السفینہ وخرق الخضر السفینۃ بالفاس وغیر ذالک۔

(۶۶).....کچھ بھی پاس نہ ہو تو دوسروں سے حاجات ضروریہ کا مطالبہ جائز ہے۔ فَاسْتَطْعَمَا اَھْلَھَا۔

(۶۷).....معلم کے لئے شاگرد سے خدمت لینا جائز ہے۔ قال موسیٰ علیہ السلام لیوشع: اٰتِنَا غَدَآءَنَا، وفی الحدیث انہ قال لہ: لا اکلف الا ان تخبرنی بحیث یفارقک الحوت، وعبر الکتاب العزیز عن یوشع تلمیذ موسی بلفظ الفتی وھو الخادم عرفا۔

(۶۸).....نابالغ شاگرد سے خدمت نہ لی جائے، اسی طرح مریض وضعیف سے بھی۔ وہ خود کرے یا اس کا ولی کہہ دے تو جائز ہے۔ یا مقصد استخدام نہ ہو، بلکہ تادیب وتعلیم و اعتیاد ہو تو جائز ہوگا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، والفتی یطلق علی الشاب، ویتبادر منہ الصحیح عرفا، فخرج الصغیر والکبیر والسقیم والضعیف۔

(۶۹).....تلامذۃ اور خدام کا تذکرہ بھی احترام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ فقد ذکر القرآن الحکیم تلمیذ سیدنا موسی وخادمہ بلفظ "الفتی"

(۷۰).....رفیق سفر مخلص وجان نثار شاگرد ہونا چاہئے۔ فان یوشع علیہ السلام

File Adress:

كان مختصا بسيدنا موسى عليه السلام ومحبا له بالغاية وقد اهتدى بهديه نبينا ﷺ في سفر الهجرة حيث اتخذ اخص اصحابه به اعني الصديق رضي الله عنه رفيقا۔

(۷۱).....طویل سفر میں کسی کو رفیق سفر بنانا چاہئے۔ كما فعل سيدنا موسى عليه السلام وايدته السنة النبويه القوليه والفعلية۔

(۷۲).....یہ استصحاب استخلاف کا قرینہ ہوتا ہے اور اس کا پیش خیمہ۔ فقد كان يوشع عليه السلام خليفة من بعد موسى كما استخلف الصديق الاكبر رضي الله عنه بعده ﷺ۔

(۷۳).....ایسے سفر کے آغاز میں رفیق کو سفر اور مشکلات سفر سے اجمالا آگاہ کیا جائے تا کہ وہ ساتھ دینے کا فیصلہ علی وجہ البصیرۃ کر سکے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ۔ الآية

(۷۴).....اہل کمال کو چاہیے کہ اسباب ترفع کے باوجود انکسار اختیار کریں۔ حق تعالیٰ کے ہاں وضع اور رفع کا ضابطہ یہ ہے: من تواضع رفعه الله ومن تكبر قصمه الله، وكان ابتلاء سيدنا موسى لكلمة تنافي التواضع على الظاهر وتنبئ عن الاعجاب۔

(۷۵).....اجمالا یہ عقیدہ رکھیں کہ ''وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' وفي الحديث فأوحى الله تعالى الى موسى ان لي عبدا هو اعلم منك۔

(۷۶).....اہل علم کو عجب تو کیا صورت عجب ودعوی سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ لان ما قاله سيدنا موسى كان صديقا وحقا وساحة النبوة بريئة من خبث الكبر ودرن العجب الا انه كان في صورته فأدب كما قصه الله تعالى ورسوله۔

(۷۷).....زادِ سفر لے جانا سنت ہے۔ لحمل سيدنا موسى ويوشع عليهما السلام معهما غداءهما وقد رغب التنزيل فيه: تَزَوَّدُوْا۔

(۷۸).....بقدر کفایت تزود منافی توکل نہیں۔ والا لما تزود سيدنا موسى

File Adress:

ویوشع علیہما السلام مع انہما من سادات المتوکلین۔

(۷۹).....بعض علوم کا اظہار غیر ضروری بلکہ نامناسب ہوتا ہے۔ کما یظھر من تفاصیل ھذہ القصہ الطریفۃ خصوصا من قول الخضر لموسی علیہما السلام:یا موسی انی علی علم لاینبغی ان تعلمہ انت۔ الحدیث

(۸۰).....فاضل مفضول من وجہ سے استفادہ کرسکتا ہے اور اس کی متابعت بھی۔ لان موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان افضل من الخضر علیہ السلام وغیرھا قطعا الا ان الخضر علیہ السلام کان لہ فضل جزئی لعلمہ ببعض الامور الکونیہ فأحب سیدنا موسی ان یجمع الی علمہ من علمہ وعزم علی اتباعہ والتزم متابعتہ وائتم رسولنا ﷺ بعض اصحابہ ووافقھم فی بعض الأمور الدنیویۃ وقال:انتم اعلم بامور دنیاکم۔

(۸۱).....امر خداوندی کے ماتحت سعی میں تعب وتھکان محسوس نہیں ہوتا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح فی سیاق ھذہ الواقعۃ۔

(۸۲).....یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر طاعت تھکان کے بغیر ہو۔ لان سفرہ علیہ السلام بعد مجمع البحرین ایضا کان من الطاعۃ۔

(۸۳).....علم سے تعلق رکھنے والے نسیان سے پریشان نہ ہوں کہ یہ لازمہ بشریت ہے حتی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں "فَنَسِیَا حُوْتَھُمَا" "لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ۔

(۸۴).....مقربان رابیش بود حیرانی، اہل علم خاصان حق ہیں انہیں سب سے زیادہ محتاط اور خوفزدہ رہنا چاہئے۔ کما مر ان ابتلاء سیدنا موسیٰ کان لکلمۃ قالھا وکانت حقا لکن صورتھا کانت صورۃ الاعجاب وقال تعالیٰ :اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

(۸۵).....معلم و متعلم کے درمیان طعام وغیرہ میں امتیاز نہیں ہونا چاہئے، بحیثیت خادم بھی ان کے ساتھ "وَاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَطْعَمُوْنَ" پر عمل رہے۔ "اٰتِنَا غَدَاءَنَا" "فَنَسِيَا حُوْتَهُمَا" کی اضافتیں اس حقیقت کا پتہ دے رہی ہیں۔ وقال شعبة: من روی عنی حدیثا فهو مولای۔

(۸۶).....اہل علم اور اہل خیر کی خدمت دنیا میں بھی باعث خیر و برکت ثابت ہوتی ہے۔ فقد استخلف سیدنا یوشع علیه السلام بعد سیدنا موسی علیه السلام و کانت بیده الفتوح العظام۔ وانتفع اصحاب السفینة بسفینتهم وسلمت لهم من الغصب لانهم حملوا السیدین موسی والخضر فیهما من غیر نول، ونظائره لاتحصی۔

(۸۷).....عموماً ناگوار امور مبشرات ثابت ہوتے ہیں۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا وکان ذالک بعد التعب والنصب۔

(۸۸).....خدام کی کوتاہی پر معذرت کو قبول کرنا چاہئے۔ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ۔ ولم یوبخه۔

(۸۹).....کوتاہی پر تنبیہ ہونی چاہئے، قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ۔ الآية، وَ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ۔ الآية

(۹۰) عذر کے لئے تین مرتبہ ہونا کافی ہے، قال سیدنا موسی فی المرة الثالثة اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ م بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا۔ ولعله السر فی التغلیظ بالطلقة الثالثة وکراهته الثلاث معا۔

(۹۱).....طلبہ کی ایک یا دو مرتبہ غلطی سے درگذر کیا جائے، کما هو الظاهر من صنیع سیدنا موسی علیه السلام و صنیع سیدنا الخضر علیهما السلام

(۹۲).....عالم حقانی کے لئے منکر صوری بھی سکوت جائز نہیں، لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۔

File Adress:

(۹۳).....غیرت ایمانی اور حق پرستی کی علامت منکر پر نکیر کرنا ہے، وسیرۃ سیدنا موسی علیہ السلام اکبر شاھد لہ۔

(۹۴).....جواب میں شدت وقول سوال کے مناسب ہونی چاہئے، فان موسی علیہ السلام لما شدد فی السوال الثانی شدد الخضر علیہ السلام فی جوابہ واکدہ باکثر من الاول۔

(۹۵).....حق پرستی کا تقاضہ ہے کہ لوگوں کے طعن وملامت کی پروا کئے بغیر حق تعالیٰ کا امر بجالایا جائے۔ فان سیدنا الخضر علیہ السلام بادر الی الامتثال من غیر مبالاۃ بلوم العوام من الاجانب والاقارب ولایخافون لومۃ لائم وارد فی مثل ھؤلآء الربانیین، والذین یبلغون رسالات اللہ ولایخشون احدا الا یکشف عن حالھم۔

(۹۶).....رخصت کرتے وقت طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک سے کام لیا جائے، ھٰذا فراق بینی وبینک سانبئک۔ الآیۃ

(۹۷).....سائل کے اضطراب کو رفع کرنا انبیاء علیہم السلام کے مکارم اخلاق میں سے ہے۔ (ایضاً)

(۹۸).....امر مبطون کا یقینی علم ہو تو اس کی شہادت دی جاسکتی ہے، [redacted] اَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ۔ والایمان مبطون۔

(۹۹).....ازراہ اخلاص اگر کوئی عالم یا متعلم کی خدمت کرنا چاہے تو اسے قبول کرنا چاہئے۔ فان موسی والخضر علیھما السلام رکبا فی السفینۃ وحملھا اھلھا مجانا کما ورد فی الآثار والاخبار۔

(۱۰۰).....بہت سے حقائق کونیہ ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں حتی کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل کشف عرفا کو بھی تمام کونیات کا علم حاصل نہیں ہوا کرتا۔ ویدل علیہ احوال سیدنا موسی وسیدنا الخضر علیھما السلام، اما امر

File Adress

موسی علیہ السلام فظاھر من نص الکتاب واما الخضر علیہ السلام فقد ورد فی الحدیث انہ لم یعرف موسی علیہ السلام اول مرۃ حتی استخبر عنہ۔

(۱۰۱).....مخلوق کوئی بھی ہو اپنی ذات وصفات میں حق تعالیٰ کی محتاج ہوتی ہے ،اٰتَیۡنَاہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا۔الآیۃ

(۱۰۲).....تمام مخلوق کے علم کو حق تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو کہ ایک قطرے کو بحر بے کنار سے ہوتی ہے ،متناہی سے کوئی نہ کوئی نسبت ہوسکتی ہے،لیکن غیر متناہی سے نہیں۔ کمانطق بہ العصفور بین یدی السیدین موسی والخضر ووافقاہ علی ذالک علی مافی الصحیح۔

(۱۰۳).....علمی موضوعات پر آپس میں بحث وتمحیص ہونی چاہئے ،کماجاء فروی الصحاح من مکالمۃ سیدنا ابن عباس والحر بن قیس فی صاحب موسی من ھو

(۱۰۴).....غیر محقق عالم کی بات کی تحقیق محقق سے کی جائے۔ کماعرض سعید بن جبیر قول نوف البکالی علی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ الحبر البحر۔

(۱۰۵).....جس عالم سے عوام کی گمراہی کا خطرہ ہو تو عوام کو بچانے کے لئے ان کے سامنے ایسے عالم کی مذمت ،غیبت مذمومہ نہیں، اس لئے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے نوف کے بارے میں فرمایا۔ کذب عدو اللہ۔

(۱۰۶).....زجر اتغلیظ فی القول والحکم جائز ہے۔والقدوۃ فیہ حبر الأمۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ویدل علیہ نصوص الکتاب والسنۃ۔

(۱۰۷).....مستند ماخذ کے بجائے غیر مستند ماخذ سے علم لینا طریقہ نامرضیہ ہے اور موجب عتاب بلکہ عذاب بن سکتا ہے،فان نوفا قال ماقال مقتبسا من اخبار الاحبار والکتب المحرفۃ مع وجود القرآن الحکیم والسنۃ السنیۃ واکابر الصحابۃ فاستحق الملام۔

File Adress:

(۱۰۸).....تنازع کی صورت میں اعلم کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کمارجع ابن عباس رضی اللہ عنہ والحر رحمہ اللہ الی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(۱۰۹).....علم دانشمند کے لئے قابل غبطہ دولت ہے، لان موسی علیہ السلام لما علم ان الخضر علیہ السلام متفرد بعلم لیس ھو عندہ اراد ان یتعلم منہ العلم المذکور احرازا للفضیلتین۔

(۱۱۰).....علم بے مثل خزانہ ہے، اور علمی مسائل بمنزلہ جواہر ہیں، فقد فسر قولہ تعالیٰ وَ کَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا بالعلم فی بعض الآثار۔

(۱۱۱).....اہل حق تحاسد دور رہتے ہیں، فان سیدنا موسی لما اخبر بمن ھو اعلم منہ لم یأخذہ الحسد بل بادر الی القرب منہ والتواضع لہ۔

(۱۱۲).....خبر واحد حجت ہے جب راوی ثقہ ہو۔ فان ابن عباس رضی اللہ عنہ قد احتج بخبر ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ علی الحر بن قیس رحمہ اللہ

(۱۱۳).....قرآن حکیم کے مجمل کی تفسیر اخبار احاد سے جائز ہے، اور دوسری تفسیروں سے زیادہ مستند ہوتی ہے، کما یدل علیہ صنیع سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ والحر بن قیس رحمہ اللہ

(۱۱۴).....تاریخ کی صحیح معلومات حاصل کرنا امر محمود ہے، اور غلط تاریخی روایات کو قبول کرنا قابل مذمت ہے اور متفق ومتفرق اور مشتبہ من اسماء الرجال کا علم خصوصی اہمیت کا حامل ہے، وقد وقع نوف فیما وقع لعدم الخبرۃ لہ بھذا العلم الشریف۔

(۱۱۵).....اعداد للبلاء قبل النزول کاملین کی شان ہے، ائمہ حنفیہ کا اس لئے یہی شعار رہا اور یہی نص کا مقتضی اور عین حکمت ہے، فَوَجَدَا فِیْھَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ۔

(۱۱۶).....جہاں شرک کا شائبہ وتوہم ہو وہاں تعبیر میں توحید کے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، اور شرک کی بلیغ نفی کی جائے، فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا امور خارقہ کا مظہر

ہونے کی وجہ سے خضر علیہ السلام کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی، تو اولا اسے 'عبد' ٹھہرایا گیا۔ بندہ کہہ کر معبودیت اور خواجگی کا تصور مٹایا، پھر وہ بھی 'منکر' کہ ذو جہتین ہے پھر من عبادنا' بہت ساروں میں سے ایک کہ اس در اقدس پر حضرت خضر تنہا نہیں اس جیسے بے شما سجدہ ریز ہیں۔

(۱۱۷).....توحید کے تحفظ واظہار کے ساتھ اہل اللہ کا احترام ملحوظ خاطر رہے، 'عَبداً مِنْ عِبادِنَا' والتنکیر للتعظیم والاضافۃ للتشریف

(۱۱۸).....القاب میں مبالغہ آرائی کے بجائے واقعیت کا خیال رکھا جائے، لِفَتَاہُ۔ فَوَجَدَا عَبداً۔ وَ کَانَ اَبُوْ ھُمَا صَالِحًا

(۱۱۹).....عبدیت حق انسان کا سب سے بڑا کمال اور بڑا اعزاز ہے، فقد عبر سبحانہ وتعالیٰ عن اعلم عبادہ فی عصرہ بانہ عبد من عبادہ کما کنی بھذا اللقب الشریف عن حبیبہ اشرف عبادہ وافضل خلقہ فی کتابہ فی مواقع التبجیل غیر مرۃ فقال: سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ وقال: فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی، وقال: تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ، وغیر ذالک۔

(۱۲۰).....کبریائی فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے، وکل من سواہ عبادہ وعبیدہ جل جلالہ وما للعبد والکبر

(۱۲۱).....لَا یُسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْأَلُوْنَ۔۔ اطلق سیدنا موسی لفظ 'اعلم' فعوتب علیہ۔ واطلقہ سبحانہ علی الخضر علیہ السلام مع ان موسی اعلم منہ من وجہ باعتراف منہ۔ ولیس لاحد ان ینازعہ او یناقشہ تعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا۔

(۱۲۲)..... پرندے بھی علم وشعور رکھتے ہیں۔ ففی الحدیث: جاء طیر فالقی منقارہ فی البحر فقال الخضر لموسی: تدری مایقول ھذا الطائر الحدیث رواہ الحاکم وصححہ۔

File Adress:

(۱۲۳).....سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم نہ تھا۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کو یہ علم دیا گیا تھا۔ کما یظهر من الحدیث المذکور وفی روایة ابن عساکر: قال موسی: لاادری قال الخضر هذا یقول الحدیث

(۱۲۴).....زائر کو سلام میں پہل کرنی چاہئے۔ فسلم علیه موسی ولکن من آداب المتعلم بالأولی ان یسلم علی شیخه اول مالقیه

(۱۲۵).....قائم غیر پر سلام کرے۔ کما بسط فی المبسوطات وکان الخضر علیه السلام جالسا او مستلقیا

(۱۲۶).....سلام سنن قدیمہ متوارثہ من الانبیاء علیہم السلام میں سے ہے۔ کما مر

(۱۲۷).....مشغول شخص پر سلام کا جواب غیر ضروری ہے۔

ففی روایة البخاری: ان موسی لما سلم علیه قال: وانی بارضک السلام، وقد ورد فی روایة مسلم وغیره التصریح بالاجابة والله سبحانه اعلم ولعل الخضر علیه السلام راعی الامرین۔

(۱۲۸).....جب یقین ہو کہ دعا منافی قضا وقدر ہے تو اس سے پھر احتراز کیا جائے، هذا متفرع علی روایة عدم الاجابة علی احد الوجوه

(۱۲۹).....نفع وضرر کے مالک فقط حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْدُلَهُمَا وغیرها من الآیات حیث نسب التصرف لجلب الخیر ودفع الضر الیه وسبحانه

(۱۳۰).....حق تعالیٰ کا ہر کام وفیصلہ حکم ومصالح پر مشتمل ہوتا ہے۔ بمقتضی حکمته وان لم یکن الاصلح واجبا علیه وتدل علیه القصة بجملتها

(۱۳۱).....انسانی عقل اس کے اسرار وحکم کا احاطہ نہیں کر سکتی، ومن یکون اعقل من سیدنا موسی علیه السلام؟

(۱۳۲).....اپنی عقل کو نص ونقل کا تابع وغلام رکھیں، احکام الٰہیہ بلا چون وچرا تسلیم

File Adress:

کیجئے، کمایرشد الیہ نہایۃ القصہ

(۱۳۳).....غلام کی اضافت مخلوق کی طرف کرنی ہو تو عبد کے بجائے فتی کا لفظ استعمال کیا جائے، وقد ذهب بعض المفسرين الى ان المراد من الفتى هو العبد، وندب الحديث الشريف الى هذا الادب فى التحاور۔

(۱۳۴).....زاد میں شرکت جائز ہے۔ ويدل عليه لفظ "حوتهما" ولفظ "غدائنا"

(۱۳۵).....شرکاء سفر کے لئے تو مندوب ہے کہ زاد مشترک ہو۔ وكان ذالك معمولا للصحابة فى اسفارهم رضوان الله تعالى عليهم اجمعين

(۱۳۶۔۱۳۷).....خوارق بصورت معجزات وکرامات حق ہیں۔ كحياة الحوت المشوى وامساك الماء عن الجرى وغير ذالك وكاقامة الجدار باشارة اليد اومسها على القول الاصح۔

(۱۳۸).....نسیان کی صورت میں عصیان متحقق نہیں ہوتا۔ قال: وَلَآ اُعْصِیْ لَکَ اَمْرًا وقال: لَاتُؤَاخِذْنِیْ بِمَانَسِیْتُ

(۱۳۹).....انبیاء علیہ السلام کو بھی فی الجملہ طبعی حوائج وعوارض پیش آتے ہیں جیسے بھوک اور تھکان وغیرہ، لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا وغیرہا سے یہ مضمون بآسانی معلوم ہوتا ہے۔

(۱۴۰).....ان کو کلی علم حاصل نہیں ہوتا نہ وہ ہر جگہ ہر وقت حاضر وناظر ہوتے ہیں۔ فقد جاوز سيدنا موسى عليه السلام كليم الله ونجيه عن مكان الخضر عليه السلام ولم يعلم به حتى اخبره يوشع بالامارة والحاضر فى كل مكان لايتصور منه السير والسفر۔

(۱۴۱).....بطور حکایت تکلیف اور درد کا اظہار جائز ہے۔ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا

هٰذَا نَصَبًا فرمانا اس پر دلیل ہے۔

(۱۴۲).....ایسا کرنا بے صبری اور منافی کمال نہیں۔(ایضا)

(۱۴۳).....اثناء سفر روزہ اگر مخل ہو تو نہیں رکھنا چاہئے، "اتنا غداءنا"

(۱۴۴).....ناشتہ کرنا، صبح کا کھانا، کاملین سے ثابت ہے، (ایضا) اور ساتھ رات کا کھانا بھی کمافی الروایۃ الآتیۃ۔

(۱۴۵).....تلی ہوئی مچھلی کا کھانا نہ صرف جائز ہے بلکہ محبوبان حق کی غذا ہے۔ ففی روایۃ ابن المنذر وغیرہ، ان موسی شق الحوت وملحہ وتغدی منہ وتعشی

(۱۴۶).....تلذذ بالمباح بھی منافی کمال نہیں، نمک لگانے میں دیگر فوائد کے ساتھ ایک اہم فائدہ لذت میں اضافہ بھی ہے۔

(۱۴۷).....اسباب استراحت میسر ہوں تو ان سے استفادہ کرنا چاہئے، اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ، وفی الحدیث انهما نامافی ظلها

(۱۴۸).....سفر میں رفیق سفر کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ قیل: ان موسی لم یجع وانما طلب الغداء لجوع صاحبه۔

(۱۴۹).....استراحت کبھی ذہول کو جنم دیتی ہے۔ فان نسیان الحوت عند الصخرة کان بعد المنام

(۱۵۰).....شرور کی نسبت نسبتا شیطان کی طرف کرنی چاہئے۔ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ الآیہ۔

(۱۵۱).....امور اختیاریہ کی طرح اضطراریہ میں بھی شیطان کا دخل ہوسکتا ہے (ایضا)

(۱۵۲).....دینی امور میں اتباع وحی کی طرح دنیوی معاملات میں عقل وفکر سے کام لینا چاہئے، فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔

(۱۵۳).....انبیاء علیہم السلام کے چلتے وقت اقدام مبارکہ کے آثار ہوتے ہیں۔

(ایضا)

(۱۵۴).....طلبہ کے لئے فرشتوں کا پر بچھانا ایک معنوی امر ہے۔(ایضا)

(۱۵۵).....حق وصواب معلوم ہوجائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کرے۔(ایضا)

(۱۵۶).....اہل دل کی صحبت حیات آفرین ہوتی ہے۔لان حیاۃ الحوت المیت کانت بجوار الخضر علیہ السلام فی مجمع البحرین۔

(۱۵۷).....مکین کے شرف یا ذلت کا اثر مکان پر پڑتا ہے۔حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهۡلَ قَرۡيَةٍ نِ اسۡتَطۡعَمَآ اَهۡلَهَا ۔ وقال:وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ وَ كَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا۔ فلوم الاھل اوجب الھوان للقریۃ حتی نکرت وعبر منھا باسم القریۃ،وصلاح الاب اورث شرفا للجدار والمدینۃ حتی عرفا،وعبر باسم "المدینہ" المشعر بالعظمۃ

(۱۵۸).....سعی وطلب مفتاح النجاح ہیں۔فَوَجَدَا عَبۡدًا۔۔مِّنۡ جَدَّ وَجَدَ۔۔ وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا۔۔۔وَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا

(۱۵۹).....اعادہ نظر کبھی موصل الی المطلوب ہوتا ہے،اہل علم کو اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔فان موسی لم یجد بغیۃ اول مرۃ وانما وجدھا بعد ما اعادہ۔

(۱۶۱).....یہ ضروری نہیں کہ کسی کامل کو دوسرے تمام اہل کمال کا علم ہو۔فان الخضر علیہ السلام سأل موسی ،من انت؟قال:موسی،قال موسی بنی اسرائیل۔ الحدیث۔ولم یکن لسیدنا موسی علم بالخضر ومقامہ علیھا الصلوۃ والسلام

(۱۶۲۔۱۶۳).....نبوت اور ولایت خاصہ رحمت کبری ہیں۔اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا اور دونوں رحمت حق کا ثمرہ ہیں اور دفعی ہوتی ہیں۔

(۱۶۴).....رحمت خاصہ اور علم لدنی کے حصول کا قوی ذریعہ تخلی للعبادۃ ہے۔سماہ اولا "عبدا" ثم وصف بما وصف۔

File Adress:

(۱۶۵).....محبوبان حق کی نمایاں صفتیں رحم اور علم ہیں۔ کسیدنا الخضر علیه السلام و حبیبنا ﷺ کان اعلم الناس کافة و رحمة للعالمین۔

(۱۶۶).....ذکر و مراقبہ کے وقت تنہائی میں سبز چادر اوڑھنا سنت خضرویہ ہے، اور ابلغ فی الخلی ہے، "اذا رجل ملتف فی کسائه ،مسبحی بثوبه الحدیث، وفی بعض الروایات ان لونه کان خضرا

(۱۶۷).....زائر کو چاہئے کہ مزور نہ پوچھے از خود اپنا تعارف کرائے۔ ففی بعض روایات الصحیح ان سیدنا موسی قال بعد ما سلم انا موسی۔

(۱۶۸).....اور بعد از تعارف اپنا مقصد ظاہر کرے، جِئْتُکَ لِتُعَلِّمَنِ۔

(۱۶۹).....درخواست ایسی جامع ہو کہ سائل کا احتیاج، مسئول عنہ کا ادب، درخواست کا غایۃ و مقصد اور قابل قبول ہونے کی وجہ اس سے ظاہر ہو اور اس جامعیت کے ساتھ پھر مختصر بھی ہو۔ هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

(۱۷۰).....شیخ کامل کی صحبت و ملازمت کبریت احمر ہے، مگر حقوق و آداب کا پورا خیال رکھنا متعسر ہے اور مزاجی ہم آہنگی نہ ہو تو متعذر ہے۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ وَ کَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔

(۱۷۱).....اسباب عادیہ کا استعمال عند الاستطاعت ضروری ہے جب مسبب کا ترتب متعین یا غالب ہو۔ کر کو کب السفینة للعبور و خرقها للحفظ و غیر ذالک

(۱۷۲).....ممکن ہو تو عمدہ سے عمدہ ذریعہ تعبیر کو اختیار کیا جائے۔ ففی روایة انهما اختار اللر کوب احسن السفن و اتقنها۔

(۱۷۳).....اصلاح کی نیت سے دوسرے کے ملک میں تصرف بلکہ کچھ حصہ کا اتلاف جائز ہے۔ "خَرَقَهَا"

(۱۷۴).....اخف الضررین کو اختیار کرنا اہم اصل ہے، کما هو مدلول القصة

File Adress:

بجملتها۔

(۱۷۵).....ظالم قوت کا مقابلہ ممکن نہ ہوتو تحفظ ودفاع کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں۔ کما فعلہ سیدنا الخضر علیہ السلام۔

(۱۷۶).....احسان فراموش، مال غیر کا اتلاف اور بے گناہ جانوں کے ضیاع کا سبب بننا شریعت مطہرہ کی نظر میں منکرات عظیمہ ہیں۔

(۱۷۷).....بظاہر اساءۃ کبھی بہ باطن احسان ہوا کرتا ہے، اور اصلاح کبھی اتلاف کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کخرق السفینۃ وقتل الغلام۔

(۱۷۸).....کاملین کو ہمیشہ دوسروں کے نفع ونقصان کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اَخرَقتَهَا لِتُغرِقَ اَهلَهَا، اپنے غرق ہونے کا ذکر صراحۃ نہ فرمایا۔

(۱۷۹۔۱۸۰).....منکر کا سبب بھی منکر ہوتا ہے اور متسبب کی طرف مسبب کی نسبت جائز ہے۔ اَخرَقتَهَا لِتُغرِقَ اَهلَهَا۔

(۱۸۱).....نسیان پر مواخذہ ومعاقبہ نہیں نہ دنیا میں نہ عقبیٰ میں۔ لَاتُؤَاخِذنِی بِمَا نَسِیتُ۔۔۔ رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذنَا اِن نَّسِینَا۔ الآیۃ

(۱۸۲).....نسیانا فعل ہو تب بھی اس پر طبعی اثر مرتب ہوتا ہے۔ کتغیر الخضر علیہ السلام والتفارق فی الجملۃ۔

(۱۸۳).....بھول چوک پر گرفت کرنا سخت گیری اور تشدد کے دائرے میں آتا ہے۔ وَلَاتُرهِقنِی مِن اَمرِی عُسرًا۔

(۱۸۵۔۱۸۴).....یقین سے یقین کا ازالہ ہوتا ہے۔ "فَقَتَلَه" افساد کا یقین ہو تو کافر شیوخ وصبیان کا قتل بھی جائز ہے۔ (ایضا)

(۱۸۷۔۱۸۶).....اباحت کا یقین ہو تو استکشاف ضروری نہیں۔ (ایضا) تسبب ردۃ ردۃ کے حکم میں ہے تو بہ کا احتمال نہ ہو تو قتل ضرور ہوگا۔ (ایضا)

(۱۸۸۔۱۸۹).....ازروئے شریعت نابالغ گناہوں سے پاک ہیں،اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً۔ نابالغ کا قتل ناجائز ہے۔(ایضا)

(۱۹۰).....اپنے ایسے اعتقاد کے مطابق خبر دینا جو واقعہ کے خلاف ہو کذب نہیں۔ و لَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا۔ یحتمل الخبر وان کان الظاھر الانشاء والاخبار عن کون النفس زکیۃ من ھذا القبیل۔

(۱۹۱).....مباشرت تسبب سے اقوی واشد ہے۔ کان خرق السفینۃ تسببا للھلاک والقتل مباشرۃ فخفف فی النکیر فی الاول وشدد فی الثانی۔

(۱۹۲).....اتلاف نفس اتلاف مال سے بڑھ کر جرم ہے۔ لامکان التلافی فی الثانی دون الاول فلذا اعبر عنہ بالنکر وعن الاول بالامر۔

(۱۹۳۔۱۹۴).....نکیر بمقدار منکر ہو،کما مر،قتل ناحق قاتل کو مباح الدم بناتا ہے۔ یدل "بِغَيْرِ نَفْسٍ" بفحواہ علیہ۔

(۱۹۵).....دوسری مرتبہ غلطی پر تنبیہ پہلی کی بہ نسبت زیادہ ہونی چاہئے۔ اَلَمْ اَقُلْ لَکَ اِنَّکَ الآیۃ ولم یقل فی اول "ک"۔

(۱۹۶).....شہر پر قریہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةٍ۔۔۔ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِی الْمَدِيْنَةِ۔

(۱۹۷).....اکرام ضیف حکم شرعی ہے اور اخلاق فریضہ بھی۔ "فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا" یدل علیہ بفحواہ والروایات فی تفسیرہ مصرحۃ۔

(۱۹۸).....شہر میں آمد محض برائے تفریح نہ ہو بلکہ دوسرے مقاصد ومصالح کو سامنے رکھا جائے۔ "اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةٍ" بزیادۃ لفظ الاھل مع ان الایجاز فی ترکہ۔

(۱۹۹).....حق ضیافت کا مطالبہ مذموم سوال کے دائرے میں نہیں آتا۔ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا۔

File Adress

(۲۰۰).....ایسے نالائق لائق تعزیر ہوتے ہیں۔لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا۔

(۲۰۱).....ضیافت سے انکار نالائقی وناہت ہوتی ہے۔فی الحدیث:أتيا قرية لئام" وقال قتادة:شر القرى التي لاتضيف الضيف۔

(۲۰۲).....برائی کا جواب اسی طرح کی برائی کے ساتھ فی الجملہ شرعا جائز ہے۔ (ایضا)

(۲۰۳).....انفرادی غیبت کی طرح اجتماعی غیبت سے بھی گریز کیا جائے،یعنی کسی شخص کی غیبت کی طرح کسی متعین گروہ کی غیبت بھی مذموم ہے۔لانه سبحانه ذكر هؤلاء اللئام بقوله "اهل قرية" فانهم ذكرهم بالتنكير ولم يسمهم۔

(۲۰۴).....مسافروں پر ترحم کا جذبہ مستورات میں زیادہ ہوتا ہے،ففي رواية ضيفتهما امرأة۔

(۲۰۵).....بے شعور کی طرف باشعور مجازا منسوب ہوسکتا ہے۔يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فنسب الارادة الى الجدار۔

(۲۰۶).....حسب ضرورت مکان کی تعمیر مستحسن ہے۔وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ۔۔۔۔وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا۔

(۲۰۷).....مائل بسقوط عمارت فوراً درست کی جائے بلا اہمال کے۔فاقامه والفاء للوصل۔

(۲۰۸۔۲۰۹).....اصلاح کے لئے استیذان ضروری ہے(ایضا)دنیوی کام کاج بھی سلیقہ کے ساتھ ہو۔ایضامع الروایات التفسیریة۔

(۲۱۰).....اصطناع المعروف الى غير اهله غير مستحسن امر ہے۔لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا۔

(۲۱۱۔۲۱۲).....محنت ومزدوری کرنا سنت انبیاء ہے۔(ایضا)اور اپنی محنت کی

File Adress:

اجرت لینا کمال کے منافی نہیں۔(ایضا)

(۲۱۳).....عند الحاجۃ اجرت نہ لینا موجب ملامت ہے۔ کما یفھم من خطاب سیدنا موسی علیہ السلام وما ورد فی شرحہ من الروایات۔

(۲۱۴).....اختیار اسباب مع ترک الاعتماد علیہا کلیۃ ترک اسباب سے بہتر ہے۔ کما یشیر الیہ کلام سیدنا موسی علیہ السلام وکان افضل الرجلین۔

(۲۱۵).....سبب کے غیر مفید ہونے کا یقین ہو تو ترک ہی متعین ہوگا۔ وصنیع سیدنا الخضر علیہ السلام یشیر الیہ۔

(۲۱۶).....سلسلہ اسباب میں فعل کا انتساب سبب قریب کی طرف ہوگا۔ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ۔ علی قول

(۲۱۷).....ایفاء شروط ضروری ہے۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَکَ۔ الآیۃ۔ ونبہ علی ترک الوفاء۔

(۲۱۸).....بعض ائمہ کے نزدیک فقیر مسکین سے 'اسوء حالاً' ہوتا ہے۔ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ "ان کانت الاضافۃ للملک۔

(۲۱۹).....اجارہ پر لی گئی چیز اجیر کی طرف منسوب ہوسکتی ہے۔ فکانت لمساکین یعملون فی البحر ھذا علی القول الآخر

(۲۲۰).....ملاحی وغیرہ پر خطر اعمال ومزدوریاں عند الضرورت جائز ہیں۔(ایضا)

(۲۲۱۔۲۲۲).....وصف مسکنت موجب ترحم ہے۔(ایضا) وسائل حمل ونقل میں شرکت جائز ہے۔ ''لمساکین'' علی احد القولین۔

(۲۲۳).....شرکت فی العمل جائز ہے۔ الا ان یکون اصطیادا او احتطابا وغیر ذالک من المباحات والتفصیل فی کتب الفقہ (ایضا علی القول الآخر)

(۲۲۴).....اغاثۃ الملہوف میں تاخیر نہ کی جائے۔ فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِیْبَھَا الآیۃ، وادرسی

حق تعالیٰ کا کام ہے انسان ہمت وارادہ کا مکلف ہے۔

(۲۲۵).....معاشرے کے محروم طبقات یتامیٰ ومساکین وغیرہم احق بالاحسان ہیں، ان کی خبر گیری محبوبان حق کا خاصہ ہے۔ کمافی الواقعات الثلاث۔

(۲۲۶).....ان کی معاشی حالت کی بہتری کی طرح ان کے دین وایمان کے تحفظ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ کمافی الواقعة الثانية۔

(۲۲۷).....رعایا کے اموال کو ضبط کرنا اور بلا رضامندی استعمال میں لانا ظلم اور غصب ہے۔ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا۔

(۲۲۸).....شر اور ارادہ شر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرنا سوءادب ہے۔ وان كان كل ذالک بخلقه وقدره۔ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا۔

(۲۲۹).....کل وغیرہ میں استغراق کا حقیقی ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ "کل سفينة" ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے سفینوں کو شامل نہیں۔

(۲۳۰).....صورۃ مطلق کبھی معنی مقید ہوتا ہے۔ كل سفينة اى صالحة سليمة بقرينة قوله: أَنْ أَعِيبَهَا، أَهْلَ قَرْيَةٍ یعنی انطاکیہ علی اشہر الاقوال۔

(۲۳۱).....مامور کا فعل آمر فعل تصور کیا جائے گا۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ۔

(۲۳۲).....مجاز عقلی ولغوی قرآن حکیم میں بکثرت وارد ہے۔ وشواهده فى هذه القصة كثيرة۔

(۲۳۳۔۲۳۴).....تغلیب منافی صدق نہیں، "فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ" اور نابالغ اولاد کا خیر الابوین کے تابع ہونے کا حکم مبنی برظاہر ہے۔ (ایضا)

(۲۳۵).....احکام شرع مبنی برظاہر ہوتے ہیں۔ والله سبحانه يتولى السرائر وسيرة سيدنا موسى شاهدة لذلک وهو مصرح فى الحديث الشريف۔

(۲۳۶).....طغیان کی راہ اختیار کر کے اپنے ایمان سے مؤمن محروم ہوسکتا ہے۔

File Adress:

فَخَشِينَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا۔

(۲۳۷۔۲۳۸).....سوء خاتمہ کا اندیشہ رہنا چاہئے۔(ایضا) اولاد اپنے والدین کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔(ایضا)

(۲۳۹۔۲۴۰).....ابتداء میں اولاد کی گمراہی سے تغافل خطرناک امر ہے۔(ایضا) ایمان صادق کی برکت سے غیب سے تحفظ کا سامان ہوجاتا ہے۔(ایضا)

(۲۴۱۔۲۴۲).....املاک کا جزوی نقصان بسا اوقات بڑی آفت سے بچنے کا سبب بن جاتا ہے، کما کان فی قصة السفینة، اسی طرح جانی نقصان حتی کی نوخیز فرزند کے دردناک قتل کی صورت میں بھی اگر ہو مؤمن کی بھلائی کی امید رکھنی چاہئے، کما کان فی قصة الغلام، حق تعالیٰ کا ہر معاملہ اہل ایمان کے ساتھ اپنے پہلو میں لطف واحسان کے لئے ہوتا ہے ،وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ،اس لئے مؤمن کو ہر حال میں صابر وشاکر رہنا چاہئے۔ولیس له الجزع انما شانه الرضا بقضاء ربه عزوجل۔

(۲۴۳).....ہر نعمت عطیہ حق ہے۔خصوصا اولاد عطا فرمانا اسی کا خاصہ ہے۔اس کی نسبت غیر کی طرف ناجائز ہے۔فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا۔

(۲۴۴).....انسان کی بہتری وفضیلت کا مدار عقیدہ اور کردار کی پاکیزگی پر ہے۔ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

(۲۴۵).....آپ پر جس کی شفقت واحسان زیادہ ہو اس کو اپنا زیادہ قریب سمجھیں۔ اَقْرَبَ رُحْمًا۔

(۲۴۶).....بدعمل فرزند سے نیکوکار دختر بہتر ہے۔ففی روایة انه سبحانه ابدلهما بنتا۔

(۲۴۷).....نافرمانی سے اولاد کی عمر میں برکت نہیں رہتی، جبکہ صلہ رحمی اور نیکوکاری باعث برکت ہیں۔ کما هو الظاهر من قصة الغلام وتفاصیلها ووردبه الحدیث

الصحیح۔

(۲۴۸).....عقار میں شرکت صحیح ہے۔ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ۔

(۲۴۹).....متاع ومکان مملوک ہوسکتے ہیں اولاد نہیں۔ لِمَسَاكِيْنَ، لِيَتِيْمَيْنِ، وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ، الآیۃ

(۲۵۰).....اپنی زمین میں اپنا مال بغرض حفاظت دفن کرنا جائز ہے۔ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا۔

(۲۵۱۔۲۵۲).....مسلم کا دفینہ اس کی ملکیت ہے، پھر اس کے وارث کی "کنز لھما" اور اولاد کا وارث بننا قدیم دینی روایت ہے۔ وکان ابوھما۔ الآیۃ

(۲۵۳).....زائد از حاجت حلال مال کمانا اور اپنے پاس نیک مقاصد کے لئے رکھنا خصوصا اولاد کی کفالت کی نیت سے منافی صلاح نہیں۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔

(۲۵۴۔۲۵۵).....حلال مال کا حصول رحمت حق اور شان ربوبیت کا مظہر ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ اور کنز علی الاطلاق مذموم نہیں۔ وھو ظاھر

(۲۵۶).....رشد وبلوغ سے پہلے کسی کو مال نہیں دینا چاہئے۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا۔

(۲۵۷).....عادت اللہ یہ رہی ہے کہ اپنی معاش کے لئے انسان کو خود بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا۔۔۔ والسین للطلب

(۲۵۸۔۲۵۹).....والدین کی صلاح کی برکت اولاد کے حق میں (رزق وعمر) ظاہر ہوتی ہے۔ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا۔ وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا، خصوصا جب اولاد کے پاس خود ایمان کی پونجی ہو۔

(۲۶۰).....حسن نسب، حسن حسب کے لئے صرف مرجح بن سکتا ہے، اس کا بدل نہیں ہوسکتا ہے۔ 'فَكَانَ اَبُوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ'۔۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا

File Adress

(۲۶۱).....ملکوتی صفات کے حامل اہل اللہ کی شان فرشتوں کی طرح "وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" کی ہوتی ہے۔ وَمَافَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔

(۲۶۲).....بلکہ ان کا ارادہ تک حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہوتا ہے بلکہ اس میں فنا ہوا کرتا ہے۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ۔

(۲۶۳).....اہل اللہ کی تعبیرات لطیف اشارات کی حامل ہوتی ہیں، بہتر یہ ہے کہ ان کی تعبیرات بلفظہ نقل کی جائے، روایت بالمعنی نہ ہو، پہلا کلام بظاہر شر تھا، اور کشتی کو ظالم کے ہاتھ سے محفوظ رکھنا ماتحت الاسباب امور میں سے تھا، اس لئے فرمایا: "فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِيْبَهَا الآیۃ" دوسرے واقعہ میں قتل غلام تو شر اور ماتحت الاسباب معاملہ تھا لیکن اس کے بدلے میں نیک اولاد کا عنایت فرمانا خیر اور مافوق الاسباب امر تھا، تو فرمایا: فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا الایۃ۔ تیسرا معاملہ خیر محض تھا، تو فرمایا: 'فَاَرَادَ رَبُّكَ'، 'رَبُّهُمَا' اور 'رَبُّكَ' کی تعبیر میں پھر کتنی لطافت ہے، سبحان اللہ۔ "قتل ولد" کا معاملہ بظاہر کتنا ہی مکروہ تھا مگر والدین کی روحانی تربیت کی یہ ایک لطیف تدبیر تھی، جس طرح کہ یہ سارے آپ کے لئے ناگوار طبع امور آپ کی تربیت وتعلیم کی صورتیں ہیں، نیز اہل قریہ سے ترک ضیافت پر اتنا ناراض نہیں ہونا چاہئے، کہ ان کے ساتھ احسان سے دست کشی اختیار کرلیں، کھلانے پلانے والی ذات تو کوئی اور ہے۔

(۲۶۴).....مرشد کو چاہیے کہ مسترشد کو اس کی کمزوری کی طرف بار بار توجہ دلاتا رہے۔ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا'۔۔ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ۔الآیۃ

(۲۶۵).....مخلوق کوئی بھی ہو اسے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا حق نہیں۔ والقصة بطولها تدل عليه۔

(۲۶۶).....ارباب کمال کے قول وفعل پر گرفت کرنے میں عجلت نہیں کرنی چاہئے۔ ؎ خطائے بزرگان گرفتن خطاست۔ (ایضا)

(۲۶۷).....ایک ہی کام ایک شخص کیلئے فرض اور دوسرے کے لئے حرام ہوسکتا ہے:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ مانند در نوشتن شیر و شیر

(۲۶۸).....الامور بمقاصدھا وانما الاعمال بالنیات۔ (ایضا)

(۲۶۹).....جرح وتعدیل میں دامن احتیاط ہاتھ سے نہ چھوٹے، اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مطلق صبر کی نفی نہیں فرمائی بلکہ "معی" کے قید کے ساتھ مقید کر کے فرمائی۔

(۲۷۰).....شیطان کے اثر سے وسوسہ ونسیان منافی عصمت نہیں۔ فَنَسِیَا حُوْتَھُمَا والتحقیق یقتضی التفصیل ولیس ھذا محلہ۔

(۲۷۱).....قطب التکوین، رجال الخدمت وغیرہ اصطلاحات بالکل بے اصل نہیں ہیں۔ "عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا" کی تعبیر اصحاب ذوق کو اس باب کا پتہ دیتی ہے، سیما اذا لوحظ معہ تفاصیل القصۃ۔

(۲۷۲).....حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا زیادہ اظہر ہے: لوجوہ اشتمل علیھا نظم التنزیل ولفظ الحدیث وھو مصرح فی بعض الآثار۔

(۲۷۳).....ان کی حیات نص قطعی سے ثابت ہے، پھر وفات پر دلیل قاطع معلوم نہیں ہوئی۔ ثبوتا ودلالۃ

(۲۷۴).....سیدنا موسیٰ علیہ السلام جلالی ہونے کے باوصف انتہائی ذہین، ادب شناس اور متواضع شخصیت تھے۔ کما لایخفی علی المتامل۔

(۲۷۵).....واجب الایفاء وہی شروط وعہود ہیں جو خلاف شرع نہ ہوں۔ 'اَخَرَقْتَھَا'۔ اَقَتَلْتَ نَفْسًا۔

(۲۷۶).....لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (ایضا)

(۲۷۷).....آلات محترفین حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، موجب غنا نہیں۔ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ۔ الآیۃ، علی قول۔

File Adress:

(۲۷۸).....سفر سامان کے لئے مناسب ظرف ساتھ ہونا چاہئے۔ فَاَخَذُحُوْتًا فَجَعَلَه فِیْ مَکْتَلٍ۔ (الحدیث)

(۲۷۹).....نہی عن الشئ امر بالضد ہوتی ہے۔ وَلَا اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا وَکَانَ الْخَضِرَ علیہ السلام قد قال له: لَاتَسْأَلْنِیْ۔

(۲۸۰).....امر برائے وجوب ہوتا ہے جب قرینہ صارفہ نہ ہو۔ (ایضا) اذ ترک المندوب لیس بمعصیة۔

(۲۸۱).....حق تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت امر الگ الگ ہیں، تکوین کا اپنا ارادہ ہے اور تشریع کا اپنا۔

(۲۸۲)...الاستطاعة مع الفعل انک لن تستطیع لان "لن" لنفی المستقبل۔

(۲۸۳).....طالب علمی کا مخدومیت کے ساتھ لگاؤ نہیں۔ رکبا فی السفینة، فترک سیدنا موسی خادمه یوشع علیه السلام علی احدی الروایات، حین ما وصل الی الشیخ وصاحبه متعلما۔

(۲۸۴).....قوم اور قبیلہ کی طرف نسبت برائے تعارف جائز ہے۔ قال الخضر علیه السلام سائلا: موسی بنی اسرائیل؟

(۲۸۵).....موجودہ تورات وغیرہ کتب سماویہ تاریخی نقطہ نظر سے بھی نامکمل ہیں۔ فانها خالیة عن ذکر هذه القصة الفریدة۔

(۲۸۶).....قرآن حکیم منزل من اللہ اور سچی کتاب ہے۔ لحکایة احوال الامم والاشخاص الماضیة کما هی فی غایة الصحة۔

(۲۸۷).....صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں۔ لاتیانه بمثل هذا الکتاب ولم یقرأ ولم یکتب۔

File Adress:

(۲۸۸).....قرآنی قصص صرف عبر ونصائح کے آئینہ ہی نہیں بلکہ بہت سارے حقائق واحکام شرعیہ کے خزینے بھی ہیں۔

(۲۸۹).....قرآن حکیم کے عجائب وغرائب اور لطائف ومعارف کا احاطہ مقدور بشر نہیں، وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا، تامل وتدبر سے مزید فوائد ونتائج کا استخراج ہوسکتا ہے ،حضرت شیخ الہندؒ کے ارشادگرامی کی وضاحت کے لئے ان شاء اللہ یہ سطور کافی ہوں گے، نیز اصول فقہ میں اجتہاد کے مباحث میں ایک عبارت کہ مجتہد کے لئے آیات الاحکام کا علم ضروری ہے، قصص وامثال کا نہیں غلط فہمی کا موجب ہے، اس تحریر سے امید ہے کہ اس کا پورا ازالہ ہوجائے گا۔

وقس علیه الاحادیث النبویة الف الف تحیة ،ربنا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم، ربنا آتنا من لدنک رحمة وهیئ لنا من امرنا رشدا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصل وسلم وبارک اللهم ربنا علی حبیبک سیدنا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین۔

File Adress

(۲)

منتخب تفسیری نکات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔سورۃ روم میں حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت کاملہ پر کئی دلائل ذکر فرماتے ہیں: اولاً دو دلیل دلائل انفسی میں سے ہیں پھر دو دلائل آفاقی میں سے، پھر دلائل انفسی کے عوارض لازمہ سے اور پھر عوارض مفارقہ سے، اس کے بعد دلائل انفسی کے عوارض مفارقہ اور پھر عوارض لازمہ سے استدلال فرمایا۔

۲۔اواخر سورۃ میں "فَاِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی" (روم:۵۲) سے ان دلائل کے نفع سے محرومین کے انواع بیان فرمائے جو کہ تین ہیں:

(۱)..... ہدایت سے قطعی محروم جن کا ارشاد محال ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ درایت سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں، نہ روایت سے۔

(۲)..... جن کی ہدایت محال تو نہیں لیکن اصعب ضرور ہے، یہ اس بہرے کے مانند ہیں جس کا پشت بلانے والے کی طرف ہو، ان کا رخ اگر بلانے والے کی طرف پھیرا جائے تو کما حقہ نہ سہی کچھ فائدہ تو ضرور ہوگا، عقل پرست متفلسفین جن کا مبلغ علم صرف مادیات کی دنیا ہے جو رخ بمادہ پشت بخدا ہیں، اسی قبیل میں سے ہیں: "یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ"۔ (روم:۶)

(۳)..... وہ طبقہ جن کی ہدایت فی نفسہٖ مشکل ہونے کے باوجود پہلے دو طبقوں کی طرح نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو عقل وبصیرت سے محروم ہیں اُن کی آنکھوں پر آباء واجداد کی تقلید کی پٹی ہے، جس نے ہاتھ پکڑ لیا اس کے پیچھے چل پڑے، یہ آپ کی ذمہ داری نہیں کہ آپ ایک ایک فرد کو ہاتھ سے پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچائیں، آپ نے حق تک پہنچنے کا راستہ

File Adress:

کھول کر بتلایا۔ رہنمائی کا کام کر چکے، اب چلنا تو راہرو ہی کا کام ہے: "وَمَآ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ" (نمل:۸۱) عقل وبصیرت سے کام لینا ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے، آپ تو بنیادی طور پر نقل کے ذریعہ راہنمائی کرنے والے ہیں، آپ کی رہنمائی سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو آپ کی باتوں پر یقین رکھتے ہوں اور عقل کی آنکھ سے آیات کونیہ پڑھ کر یقین کے مقام تک پہنچ سکتے ہوں۔

۳۔ "اَللّٰهُ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ" (روم:۴۸) میں دلیل آفاقی کا اعادہ تھا اور آگے "اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ" (روم:۵۴) میں دلیل انفسی کا اعادہ ہے۔ وہاں اختتام آیۃ میں باری تعالیٰ کے قدرت کا ذکر تھا یہاں علم وقدرت دونوں کا، طبعی بات ہے کہ عالم کبیر پر جب انسان کی نگاہ پڑتی ہے تو سب سے اول انسانی ذہن میں جو تصور آتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان محل کے بنانے کیلئے بڑی قوت اور طاقت کی ضرورت ہے، اس لئے وہاں تاکید اور تفصیل کے ساتھ قدرت کا بیان ہوا، ادھر عالم صغیر کو جب دیکھا جاتا ہے اور انسان ایک چھوٹی سی چیز میں جب پوری کائنات کا منظر دیکھتا ہے تو معاً ذہن میں آتا ہے کہ یہ مصنوع جس صانع کی صفت کا شاہکار ہے وہ بے انتہا علم وحکمت کا مالک ہے اور نرا عالم ہی نہیں بلکہ اپنی علم وحکمت کو عمل جامہ پہنانے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے اس لئے یہاں فرمایا: "وهو العليم القدير"

سورۃ سجدہ

۱۔ "لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ" نزول قرآن کے غایۃ الغایۃ کے طور پر فرمایا۔ آگے "اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ" (سجدہ:۴) سے ہدایت کے اس سامان کی فراہمی کی طرف اشارہ فرمایا یعنی وہ تمہارے ہدایت کے لئے ہدایت نامہ کیوں نہ بھیجتا، جبکہ اس نے زمین وآسمان وما بینہما کو تمہارے مفاد کے لئے بنایا، اس نظام کائنات میں تمہارے جسمانی تربیت کے لئے پورا پورا انتظام کیا گیا ہے، تو وہ تمہارے روحانی تربیت کا انتظام کئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے، اگر

چہ عالم کبیر کی دو ورقی کتاب میں بھی اہل فکر کی رہنمائی کافی ہے، مگر اس سے پند وعبرت وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن میں تدبر وتفکر کا مادہ ہو۔ سطحی ذہن رکھنے والے لوگ، فکر ونظر کی نعمت سے محروم طبقے کائنات کا اولاً تو مطالعہ نہیں کر سکتے، اگر کرتے ہیں تو صحیح نتائج تک ان کی رسائی نہیں ہوتی اور تمہارا خدا صرف ایک خاص طبقے کا خدا نہیں بلکہ سب کا رب ہے اس لئے بذریعہ بعثت انبیاء علیہم السلام وانزال کتب انسانیت کے لئے جادۂ حق واضح کر دیا۔

پھر جب وہ تمام کائنات کے خالق ہیں چاہے علویات ہوں یا سفلیات یا جویات۔ اور ان کو ان سب پر اقتدار اعلیٰ، مکمل غلبہ حاصل ہے، تکوینی طور پر جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا وہ اس کے تکوینی قانون کا پوری پوری پابندی کرتا ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا کارخانہ انسان کے نفع رسانی کے لئے چل رہا ہے، اب طبعی طور پر سوچنا پڑتا ہے کہ انسان کے تخلیق کا بھی لازماً کوئی مقصد ہوگا وہ مقصد اپنے اختیار وشعور کے ساتھ اپنے خالق کی بندگی ہے، بندگی کے طور وطریق بتلانے کے لئے کتابیں نازل فرمائیں، بے اختیار مخلوق کے لئے تو صرف ایک قسم کا قانون نافذ کیا ہے جو کہ قانون تکوینی ہے اور اس تکوینی قانون کی تعلیم براہ راست ہر ہر فرد کو دی، اور با اختیار مخلوق [illegible] جو بعض جہات سے بے اختیار بھی ہے] کے لئے دو قسم کے قوانین وضع کیے: تکوینی وتشریعی۔

بہر حال ایک حکیم وعلیم خالق اور با اقتدار مالک کی حیثیت سے ضروری تھا کہ وہ مخلوق کو آزاد نہ چھوڑتا بلکہ اپنے فرامین اور قوانین کا پابند بنالیتا۔

۲۔ "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ" (سجدہ: ۴) ایام سے چھ احوال مراد ہیں: چھ قسم کی مخلوق پیدا کرنے کے:

(۱) سموات (۲) اور ان کے عوارض (۳) زمین اور (۴) اور اسکے عوارض (۵) مابینہما (۶) وعوارضہ۔

۳۔ "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" (سجدہ: ۴) ثم صرف تراخی فی الزمان کے لئے نہیں

بلکہ تراخی فی الذکر، تراخی فی المرتبۃ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ محاورات میں کسی کے مذموم یا محمود اوصاف جب گنے جاتے ہیں تو آخر میں کہا جاتا ہے پھر یہ ایسا بھی ہے، یا پھر اس نے یہ بھی کہا، فافھم۔

استواء، اعتدال کے معنی میں آتا ہے اور جب صلہ ''الیٰ'' ہو تو توجہ، قصد کا معنی دیتا ہے اور ''علی'' جب صلہ میں آجائے، تو اگر مسند الیہ اور ''علی'' کا مدخول قابل تمکین ہو تو استقرار اور تمکن کے معنی میں ہوتا ہے ورنہ استیلاء یا استحکام پر دال ہوتا ہے۔

'ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش'' (سجدہ: ۴) کی تفسیر میں تین مسلک ہیں:

ایک اہل زیغ کا، دو اہل حق کے۔ اہل زیغ نے الفاظ کو ظاہر پر حمل کر کے اللہ جل شانہ کے لئے استقرار علی العرش بمعنی تمکنہ علیہ ثابت کیا۔ اہل حق کے ایک فریق نے سکوت کا راستہ اختیار کیا اور آیۃ کو متشابہات میں سے قرار دیا ''وہذا ہوالاسلم'' اور دوسرے نے استوی کو بمعنی استولیٰ لیا اور بتلایا کہ عرش جو انسانی فہم وادراک کے لحاظ سے سب سے بڑی اور اونچی مخلوق ہے وہ بھی حق تعالیٰ کے قدرت میں ہے، یا استواء علی العرش کنایہ ہے اس کے اقتدار اعلیٰ سے، تمام کائنات پر اس کے احکام کے نفاذ سے۔ گویا بتلایا کہ وہ صرف ان چیزوں کے معمار ہی نہیں بلکہ صاحب اقتدار حاکم بھی ہیں۔ یہ تفسیر عربی محاورات کے خلاف نہیں۔ اخطل نے کہا:

قد استوی بشر علی العراق

من غیر سیف ودم مھراق

استوی کو ''علی'' کے ساتھ ذکر کر کے استیلاء اور غلبہ کے معنی میں استعمال کیا ہے ''وھذا ھو الاحکم''۔

۴۔ ''یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔'' (سجدہ: ۵)

اس آیت کریمہ سے متعلق تین اہم مباحث ہیں:

(۱)الأمر سے کیا مراد ہے؟

(۲)اس کے عروج ونزول کا کیا مطلب ہے؟

(۳)یوم کا مصداق کیا ہے اور مقدار کیا؟

اس کے بارہ میں قابل ذکر اقوال تین ہیں:

۱.....اس سے مراد وحی الٰہی ہے یعنی امور تشریعیہ ملک کے ذریعہ آسمان سے زمین کی طرف نازل فرماتے ہیں اور جب قیامت کا قیام قریب ہوگا تو وہ یعنی علم رفع ہوجائے گا۔

۲.....أمر سے قضاء وقدر کے احکام مراد ہیں جنہیں فرشتے لے کر زمین پر لے آتے ہیں اور ان احکام کے مطابق جو کچھ عمل ہوتا ہے روزانہ اس کی تفصیلی رپورٹ حق تعالیٰ کے جناب میں پیش کرتے ہیں۔

۳.....أمر سے مراد وہ صفت ہے جو خلق کے ساتھ ذکر ہوا کرتی ہے، یہ وہ صفت ہے کہ تخلیق کے بعد کسی چیز کے ساتھ اس کے تعلق سے وہ چیز مطلوبہ نتائج دینے لگتی ہے یعنی آسمان وزمین کی پیدائش کے بعد ان کے عواقب اور مطلوبہ نتائج کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں کام پر لگا دیا جیسا کہ کسی کارخانہ کو تکمیل کے بعد برقی رو کے ذریعہ سے چالو کیا جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ اس کارخانۂ کائنات کا انصرام چاہیں گے تو اس کے ساتھ اپنے صفت امر کا کنکشن ختم کردیں گے۔ مندرجہ بالا مجمل اشارات سے عروج ونزول کا مفہوم بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

رہا "یوم" تو اس کا مصداق یوم من ایام الدنیا بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اس کی مقدار الف سنۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس دن میں اپنے فرشتوں کے ذریعہ امر کے نزول من السماء وعروجہ الیہ کا وہ کام کرلیتے ہیں جس کے کرنے کے لئے انسان کو کم از کم ایک ہزار سال کی طویل مدت درکار ہے اس لئے کہ بفحوائے حدیث بین الارض والسماء پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور یوم سے آخرت کا دن بھی مراد ہوسکتا ہے اور دوسری جگہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال بتلانے سے تعارض لازم نہیں آتا، اس لئے کہ بیان عدد صرف تطویل مدت

File Adress:

کے اظہار کے لئے ہے تحدید مقصود نہیں، یا سائرین کے سیر کے اختلاف کے بناء پر مختلف مقدار بتلائی گئی، یا اس دن لوگوں کے احوال کے اختلاف کے مناسبت سے مختلف مقدار بیان کیے گئے ہیں۔

سورۃ اُحزاب

۱۔ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (احزاب: ۲۱) اس سے قبل معرکہ اُحزاب میں منافقین اور بعض ضعیف الایمان لوگوں کی کمزوریوں کا ذکر ہوا، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بیک وقت رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اُمیر مملکت اور قاضی القضاۃ اور فوجی سپہ سالار بھی تھے اور فوج میں کمزوری پائے جانے کے عقلاً دو سبب ہوتے ہیں:

(۱) فوجیوں کی اپنی نا اہلی اور ذاتی کردار کی پستی

(۲) قیادت کی نا اہلی کی وجہ سے ناقص تربیت۔

اسلامی افواج کے ایک حصہ میں جو کمزوری پائی گئی تھی اس آیت میں اس کا سبب متعین ہوگیا یعنی قیادت کا قصور نہیں تھا قیادت تو مثالی تھی یہ ان لوگوں کی اپنی ذاتی کمزوری تھی، اپنی نا اہلی کی وجہ سے وہ اپنے قائد کے اعلیٰ ترین تعلیم وتربیت سے منتفع نہ ہوسکے جن میں قابلیت استعداد تھی ان کی حالت قائد کی قابلیت اور کمال پر شاہد عدل ہے: "وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ" (احزاب: ۲۲) اسی حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔

۲۔ "بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ" (احزاب: ۳۰)..... اس سے مراد بے حیائی ہرگز نہیں، بلکہ سوء معاشرت مراد ہے، سیاق وسباق دونوں اسی پر دال ہیں اس سے پہلے آیتوں میں جس معاملہ کا ذکر ہوا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے اور اس کے بعد والی آیت میں جو حالت بطور تقابل کے مذکور ہے اس میں سرفہرست قنوت کا ذکر آیا ہے جو کہ اطاعت فرمانبرداری کے معنی میں ہے، پھر

'فاحشۃ' کو 'مبینۃ' کے ساتھ موصوف کرنا بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ اس کا مصداق سوء معاشرت ہے ورنہ بے حیائی کے معاملات تو چوری چھپے ہوتے ہیں، ان کے مبینہ ہونے کا کیا معنی؟ نیز مضاعفت عذاب کو بھی قرینہ بنایا جاسکتا ہے اس لئے کہ بے حیائی کے لئے دنیا میں جو عذاب (رجم بصورت احصان) تجویز ہوا ہے اس میں تضاعف متصور ہی نہیں۔

۳۔ "وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا"۔ (احزاب: ۳۲) مہذب انسان بات کرنا چاہے تو اسے دو چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے:

(۱) لہجہ کیسے اختیار کرے؟

(۲) مضمون کیا ہو؟

تو ازواج مطہرات کو یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ آپ بات کرتے وقت لہجہ تو سخت غیر لچک دار اختیار کریں اور مضمون عرف وشرع کے حدود کے اندر ہو، مضمون کا شرعاً وعرفاً منکر نہ ہونا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، رہا لہجہ تو وہ نرم ہونا چاہیے بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو۔ ازواج مطہرات کا مقام بہت اعلیٰ وارفع تھا ان کے بارہ میں غلط خیال کے دل میں آنے سے خرمن ایمان جل کر راکھ کا ڈھیر بن سکتا ہے، اس لئے انہیں بتلایا گیا کہ آپ لہجہ نرم نہ رکھیں، مبادا لہجہ کی نرمی کسی کے افتتان کا سبب ہو اور اسی طرح آپ کے پاکیزہ دامن پر مباشرۃً نہ سہی تسبباً عصیان کا دھبہ پڑے گا۔ [هذا هو الراجح عندی]

۴۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ" (احزاب: ۳۳) اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، یہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عطاء، عکرمہ، ضحاکؒ کا قول ہے سیاق وسباق اسی پر دال ہیں، جمع مذکر کی ضمیر سے خطاب اہل کے لفظ کے مناسبت سے ہے یا اظہار تعظیم وتکریم کے لئے ہے، یا ایک روایت کے مطابق بعض ازواج مطہرات نے قرآن حکیم میں عورتوں کے مخاطب نہ ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا جس کا تفصیلی جواب کلی اور ازالہ تو "اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ" الآیۃ سے ہوگیا۔ یہاں اسی مضمون کی طرف اجمالی اشارہ ہے

File Adress

کہ جس طرح یہاں آپ ضمیر مذکر کے مصداق ہیں اسی طرح قرآن کے خطابات میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مخاطب ہیں، چاہے مذکر صیغے ہی کیوں استعمال نہ ہوں، یا یہ کہ اعتقادی اور عملی کمزوریوں سے تحفظ حاصل ہونے بعد گویا ان کی فطری نسوانیت قابل ذکر نہ رہی اور وہ اس مقام کمال پر فائز ہوئیں جو مرد کو فطرۃً ملا ہے، اس لئے اس موقع پر ضمیر مذکر کے ساتھ مخاطب ہوئیں۔ اس کے نظائر شرعی محاورات میں اور بھی ملتی ہے:

وقولہ تعالی: سَاٰتِیکُمْ (طہ: ۱۰)

وقولہ تعالی: لَعَلِّیْ اٰتِیکُمْ (طہ: ۱۰)

وقولہ تعالی: اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِاللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (ھود: ۷۳)

وقولہ تعالی: اِذْقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْا۔ (طہ: ۱۰)

صحیح بخاری ی حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو ناموس اکبر کے مشاہدہ کے بعد فرمایا تھا: زملونی زملونی وغیر ذلک۔ وقد قال قائلھم

فان شئت حرمت النساء سواکم

وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

پھر بیت سے بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہے اور بیت کا حقیقی مصداق مسکن ہے، نسب اس کا مجازی معنی ہے۔ مسکن نبوی میں سکونت بغیر انتقال کے ازواج مطہرات کو حاصل تھی۔ اگر نسب مراد لیا جائے تو نسبی متعلقین صرف چار حضرات نہیں، نہ صرف من حرم علیھم الصدقۃ ہیں، چار کی تخصیص جن روایات سے ہوتی ہے اکثر ان میں سے ساقط ہیں پھر متناً مضطرب ہیں اور دوسری روایات سے متصادم بھی۔

۵۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الایۃ..... اس آیۃ کریمہ میں صفات مرغوبہ انتہائی لطیف ترتیب کے ساتھ ذکر ہیں، گویا اسلام زبانی عہد و پیمان کا نام ہے "قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ

قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" (حجرات:۱۴) میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس زبانی اقرار کا اثر دل پر ہونے لگتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت اور الفت دل میں جانگزین ہوجاتی ہے، یہ ایمان کا درجہ ہے قلبی محبت اور عشق انسان کو اطاعت پر مجبور کرتی ہے، ان المحب لمن یحب مطیع"، "عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن"۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

عالمگیر اصول ہے۔ یہ قنوت ہے۔ دوستی کے اقرار اور قلبی محبت اور جسمانی اطاعت کے بعد عاشق واقعی 'صادق' کہلانے کا مستحق ہے۔ زبان، قلب، جسم سب دوست کے حوالہ کرنے کے بعد صداقت میں کیا شبہ رہا، پھر دستور یہ ہے کہ عاشق صادق کو سخت قسم کے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کہ عشق آسان نمود اول و لے افتاد مشکلہا کے مطابق پیش آمدہ مشکلات راہ کا عاشق صادق خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے، خار مغیلان کی سرزنش کو دشت عشق کے سفر کا لازمہ سمجھتا ہے۔ والصابرین والصابرات میں اسی مقام کا بیان ہے، سفر عشق کے منازل طے کرنے کے بعد عاشق کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کی ہر حرکت وسکون فروتنی، انکسار کا مظہر ہوتی ہے، کہا گیا ہے:

یداوی هواه ثم یکتم سره
ویخضع فی کل الامور ویخشع

عاشق کے اسی دستور العمل کے مطابق فرمایا: "وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ" آتش عشق سے یہ تمام آلائشیں دور ہوجاتی ہیں۔ "وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ" (احزاب:۳۵) ان تمام علائق کو توڑ کر اس کا تعلق اپنے محبوب ہی کی ذات سے ہوجاتا ہے نہ جان کی فکر نہ جہان کا ذکر، فکر ہی تو اُسی کی ذکر ہے تو اسی کا "وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ" یہ تو عشق ثمرات

عاجلہ ہیں اور آخرت میں "اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً" ناپختہ کاری کے عہد میں کچھ غلطیاں اگر ہو گئیں، نامناسب حرکات صادر ہوئیں، ان سے درگزر کیا جائے گا اور دشوار گزار راستہ میں جو مصائب انہوں نے برداشت کیے ان کا بہت بھاری صلہ ان کو ملے گا، جس کے سامنے ان کے اعمال اور محنت ومجاہدہ کی کوئی حقیقت نہیں رہے گی، جمال یار کی صورت میں 'اجر عظیم' کے مشاہدہ کے بعد سب کچھ ہیچ نظر آئے گا۔

ھذا ما خطر بالبال واللہ تعالی اعلم بحقیقۃ الحال، نسألہ الرشد والسعادۃ والتوفیق لمحابہ من الاعمال والھدایۃ لمحاسن الاخلاق انہ ولی الھدایۃ والتوفیق۔

قال عز اسمہ: "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ [redacted] الایۃ۔ (احزاب: ۷۲)

اس آیت کریمہ سے متعلق چند ضروری مباحث ہیں:

(۱) آیت کریمہ میں عرض سے کیا مراد ہے لفظی یا حالی دونوں صورتوں میں کیا یہ عرض فرضی ہے یا تمثیل کے طور پر یا واقعی ہے جیسا کہ اَخذ میثاق کا واقعہ، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ عرض لفظی تھا اور واقعی، بقدر ضرورت فہم خطاب کے لئے اللہ تعالی نے ان چیزوں میں ادراک پیدا فرمایا تھا، قاضی بیضاویؒ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ عرض فرضی ہے حق تعالی کو تمام اشیاء کے حقائق رجحانات کا صحیح صحیح علم ہے تمثیلاً فرمایا کہ اگر ہم اپنی امانت مذکورہ اشیاء پر عرض کر دیتے تو ان کا جواب یہ ہوتا، اور بعض اہل تحقیق کے نزدیک عرض حالی اور واقعی ہے وبہ اقول۔

(۲) "الأمانۃ" سے کیا مراد ہے اس کے بارہ میں ایک درجن سے زیادہ اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر "طاعت" سے کی ہے، واختارہ الضحاک۔

۲۔ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک اس سے احکام شرعیہ عملیہ مراد ہیں نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ اور انہی سے مروی ہے کہ اس امانت کو ایک چٹان کی صورت میں ممثل کر دیا گیا تھا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے نزدیک اس کا مصداق جوارح ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں

وغیرہ۔

۴۔حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر فرائض اور اصول دین سے کی ہے وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابن جبیر رحمہ اللہ و قتادۃ رحمہ اللہ وغیرھم ایضاً۔

۵۔اور ابوالصالیہؒ نے اوامر ونواہی سے۔

۶۔اور زید بن اسلمؒ نے صوم وغسل عن الجنابۃ سے۔

۷۔اور امام رازیؒ نے تکلیف شرعی یعنی خلاف طبع امور کا مکلف بنانے سے۔

۸۔اور علامہ نیشاپوریؒ نے اس استعداد سے جس پر ہر نوع مجبول ہوا کرتا ہے۔(گویا صورۃ نوعیہ اور اس کے مقتضایات)

۹۔اور قاضی بیضاویؒ نے عقل سے۔

۱۰۔اور امام راغبؒ نے کہیں اس کی تفسیر عقل سے کی ہے اور کہیں کلمۂ توحید سے، بعض دوسرے حضرات سے بھی سلف میں سے اس کی تفسیر کلمۂ توحید کے ساتھ رازیؒ نے نقل کی ہے اور پھر اسے مسترد بھی کیا ہے۔

۱۱۔امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس کی تفسیر تجلیات ذاتیہ کی استعداد سے کرتے ہیں۔

۱۲۔اور حضرت مولانا عثمانیؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا مصداق ایمان و ہدایت کی استعداد سمجھتے ہیں۔

۱۳۔اور صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ امانت سے مراد نور عقل ہے جو معرفت حق کی طرف استدلال کے راستہ سے رہنمائی کرتی ہے اور نار عشق ہے جو جو جب کو جلا کر حق کی معرفت کا راستہ ہموار کرتی ہے۔

۱۴۔اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ امانت سے احکام شرعیہ وتکوینیہ دونوں مراد ہوں۔

۱۵۔بعض نے ودائع مراد لئے ہیں۔ذکرہ ابن الجوزی رحمہ اللہ۔

(۳).....سموات، جبال، أرض: کیا ان سے ان کے اعیان مراد ہیں یا اہل

File Adress:

وسکان یا دونوں تینوں احتمال ہو سکتے ہیں؟ جمہور نے اعیان مراد لئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک دونوں کو مراد لینا اولیٰ ہوگا۔

(۴).....اباء یا تو انکار کے معنی میں ہے اور یہ انکار استکباراً نہیں بلکہ استصغاراً تھا اور یا یہ کنایہ ہے اباء طبیعی سے یعنی فطری عدم اہلیت مراد ہے۔

(۵).....حمل سے یا تو اس کا متعارف معنی مراد ہے یا قبول کے معنی میں ہے یا اس سے ترک ادا اور خیانت مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے ذکر کردہ معنیٰ امانت (تمثیل فی صورۃ الصخرۃ) کے مطابق حمل متعارف معنی میں استعمال ہوا ہے اور جمہور علماء نے قبول کا معنی مراد لیا ہے۔ حسن بصریؒ سے خیانت کا معنی مروی ہے، وقد اختارہ الزجاج والزمخشری والنیسابوری وکفی بھم قدوۃ وحجۃ۔

(۶).....الانسان میں الف ولام یا تو جنسی ہے۔ قالہ ثعلب اور یا عہدی، معہود حضرت آدم علیہ السلام ہیں وعلیہ الجمہور، یا مشرک ومنافق، قالہ الحسن ﷺ یا قابیل قالہ السدی۔ یہ چار اقوال ہیں۔

(۷).....''اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا'' کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بھی کئی مطالب بیان کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ اس امانت الٰہیہ میں خیانت کرنے والا انسان بے شک بڑا ظالم ہے، ویسے بھی امانت میں خیانت ظلم ہے، پھر جب امانت پروردگار عالم کی ہو تو اس میں خیانت یقیناً بڑا ہی ظلم ہوگا اور صاحب امانت کے باز پرس اور گرفت سے غافل ہے، یہ اس کی جہالت ہے۔ جبکہ مسلمہ اصول ہے کہ امانت کے قصداً ضائع کرنے پر ضمان لازم آتا ہے۔

۲۔ یا انسان نے تکالیف شرعیہ کے اس عظیم بار کو اپنے ذمہ لے کر بڑا ظلم کیا جسے افلاک وجبال جیسے بڑے اجسام واجرام بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس ذمہ داری کے قبول کرنے کے جو عواقب ونتائج ہو سکتے ہیں اس کا خیال نہ رکھ کر علم وعرفان کے ادعاء کے

باوجود بڑی جہالت کا ثبوت دیا۔

۳۔ یا انسان نے جب یہ ذمہ داری قبول کی اب اس کی پاسداری نہیں کر رہا ہے تو یہ ظلم ہے اور اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کا جو برا انجام ہوگا اس کا احساس نہیں، یہ جہالت ہے۔

۴۔ یا انسان ظلوم ہے یعنی اس میں آگے بڑھنے اور ترقی کا جذبہ ہے اور جہول ہے یعنی تکالیف اور مشکلات کی قوت برداشت رکھتا ہے، انسان میں حق تعالیٰ نے دو قسم کی قوتیں رکھی ہیں: ایک قویٰ سبعیہ، دوسری قویٰ بہیمیہ۔ سبع کی خاصیت اقدام ہے اور بہائم بار برادری کے کام آتے ہیں، تو ظلوم میں انسان کے قوی سبعیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعہ وہ ترقی کرتا رہتا ہے اور جہول میں اس کے قوائے بہیمیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے وجہ سے وہ تحمل مشاق و اثقال کا قابل بن گیا ہے۔

۵۔ یا انسان ظلوم ہے اور جہول ہے اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو قوتوں سے نوازا ہے: ملکی اور حیوانی۔ ملکیت کا ارتقاء طاعات و عبادات اور ترک لذات سے ہوتا ہے اور حیوانیت کی ترقی لذات عاجلہ کے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے سے، اور ایک کو ترقی دینا دوسرے کے کمزور بلکہ ختم کر دینے کے مترادف ہے، تو اگر انسان مؤمن ہے تو وہ قوۃ ملکیہ کو ترقی دے کر قوۃ حیوانیہ پر ظلم کر رہا ہے کہ اسے لذات اور مقتضایات سے محروم کر کے ختم کرنے پر تلا ہوا ہے اور جہول ہے یعنی لذات اور شہوات سے بے خبر ہے اور اگر کافر ہے تو قوۃ ملکیہ پر ظلم کر رہا ہے کہ اس کے روحانی کمالات کو وجود میں آنے سے روکتا ہے اور طاعات و عبادات کی لذت سے ناآشنا ہے۔

۶۔ یا انسان ظلوم ہے یعنی اس میں طبعاً ظلم و عدوان پایا جاتا ہے اور جہول ہے یعنی طبعاً کورا اور بے علم ہوتا ہے، عدل و علم کے صفات اس کے اندر امانت الٰہیہ کے سرچشمہ سے آتے ہیں، اسے عادل بننے اور عالم بننے کے لئے علوم شرعیہ کی ضرورت ہے، ان علوم کی تحصیل سے وہ

File Adress:

عالم بنے گا اور ان پر عمل پیرا ہونے سے عادل بن سکے گا۔

۷۔ یا ظلوم کا معنی ہے مستعد للعدل اور جہول سے مراد مستعد للعلم ہے، ظلم اور عدل اور علم و جہل کے درمیان تقابل عدم اور ملکہ کا ہے، اس قسم کے تقابل میں اصول یہ ہے کہ عدمی کے ساتھ وہی محل موصوف ہوسکتا ہے جو وجودی کے ساتھ اتصاف کا قابل ہو جیسے اُعمی کا اطلاق اسی پر ہوسکتا ہے جو بصیر ہوسکتا ہو، تو انسان کو ظلوم ٹھہرا کر گویا اس کو یہ سند عطا کی گئی کہ تمام کائنات میں وہی اس قابل ہے کہ خدا کا خلیفہ بن کر عادلانہ نظام قائم کرے اور جہول ٹھہرا کر یہ واضح کر دیا کہ علوم وحی کا اکتساب وہی کر سکتا ہے نہ کہ غیر۔

۸۔ یا یہ کہ انسان ظلوم و جہول ہے، ظلم کا تعلق مادی جسم کے ساتھ ہے اور علم کا روح کے ساتھ مادہ خود ظلمانی ہے، روح نورانی ہونے کے باوجود اس مادی پنجرہ میں جب مقید ہو جاتا ہے تو اگر کسی طرح سے اس کا تعلق عالم قدس سے قائم نہ ہو تو وہ جہول ہی رہے گا۔ ظاہر ہے کہ نورانی پر جب ظلمانی پردہ پڑے تو اس کی نورانیت مستور ہو کر کالعدم ہو جاتی ہے۔ بہر حال وہ ان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، وہ اپنی روح کے لطافت کے وجہ سے انوار الٰہیہ کو جذب کر لیتا ہے اور اپنی مادیت کے وجہ سے ان انوار کو اپنے اندر روک بھی لیتا ہے، نفوذ کر باہر جانے نہیں دیتا جس طرح دوسری شفاف چیزوں میں ہوتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں شیشہ کے پیچھے اگر گتہ وغیرہ کثیف چیز نہ ہو تو وہ سورج کی روشنی کو نہیں روکتا اور نہ اس میں کسی چیز کا عکس آسکتا ہے۔ روح کو بمنزلہ شیشہ سمجھیں اور جسم بمنزلہ کثیف گتہ وغیرہ۔ انسان کے علاوہ دوسری چیزیں یا تو کثیف محض ہیں جیسے سماوات، جبال وغیرہ ان میں نور حق کا نفوذ نہیں ہوتا اور ذات حق کے تجلیات کا انعکاس ان میں ہوسکتا ہے اور ملک اور جن لطیف محض ہیں، ان کے ساتھ انوار اور تجلیات کا قیام نہیں ہوسکتا جیسے کہ ہوا وغیرہ شفاف اجسام میں ہمارا مشاہدہ ہے۔

آیۃ کریمہ کے ان متنوع تفسیرات میں تین تفسیریں لائق توجہ ہیں:

۱۔ امانت سے طاعت کا معنی مراد لیا جائے اور حمل بمعنی قبول کے ہو اور انسان سے

File Adress:

حضرت آدم علیہ السلام یا جنس انسان اور "اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا" کو مدحت وتعریف پر حمل کیا جائے، نہ کہ مذمت پر، یا "انہ" کے ضمیر میں صنعت استخدام سے کام لیا جائے۔

۲۔ امانت کی تفسیر تجلیٔ ذاتی کے استعداد کے ساتھ کی جائے، والباقی کما مضی۔

۳۔ امانت سے ہر نوع کی فطری استعداد مراد ہو اور حمل سے اضاعۃ، اور انسان سے کافر ومنافق مراد ہوں اور ظلوم وجہول اپنے ظاہری معنی میں ہوں۔

۴۔ فقیر کے نزدیک امانت سے مطلق احکام خداوندی مراد ہوں اور حمل سے تغیر اور خیانت اور انسان سے نافرمان افراد نوع انسانی کے اور ظلوم وجہول ظاہری معنی پر حمل ہو یا صنعت استخدام سے کام لے کر منقبت پر محمول ہوں تو بہتر ہوگا، مطلب یہ ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے احکام آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں اور ان کے سکان پر پیش کیے، ہر چیز کے سامنے اس کے مناسب حال احکام رکھے گئے تو سب نے قبول کر کے ان میں کسی قسم کی خیانت، کوتاہی سے بزبان حال انکار کیا۔ "وَقَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ" (حم سجدہ: ۱۱)، صرف انسان نے احکام میں کوتاہی کی نافرمانی کی، دوسری چیزوں کو صرف تکوینی احکام دیئے گئے اور وہ برابر آج تک ان کو بجالاتی رہتی ہیں، انسان کو بوجہ عاقل ہونے کے تشریعی احکام بھی دیئے گئے کہ جتنا عہدہ بڑا ہوا (لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم) اتنا ہی فریضہ بھی بڑا ہوتا ہے، لیکن عدل وانصاف کے علمبردار اور علم وعرفان کے مدعی انسان نے اپنے فرض کو پورا نہیں کیا ؎

آبرو مہ و باد و فلک کاررند
شرط انصاف بنا شد کر تو فرمان نبری

حدیث

(۳)

انچاس کروڑ کا ثواب

ہمارے اکثر تبلیغی دوست تبلیغ کے لیے نکلنے کے فضائل بیان کرتے ہوئے عموماً کہا کرتے ہیں کہ ایک نماز پر انچاس ۴۹/ کروڑ نمازوں کا اجر ملتا ہے، اسی طرح دوسری عبادات بدنیہ کا اجر بھی ہیں اور مالی عبادت کا اجر سات لاکھ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات دو حدیثوں کا حوالہ دیتے ہیں:

(۱) ایک حدیث سنن ابن ماجۃ کی ہے، ابن ماجۃ نے کتاب الجهاد (ص: ۲۰۳) پر باسناده عن علی و ابی الدرداء و ابی امامة و ابی هریرة و عبد الله بن عمرو و جابر بن عبد الله و عمران بن حصین رضی الله تعالی عنهم اجمعین یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی ہے:

"من ارسل بنفقة فی سبیل الله و أقام فی بیته فله بکل درهم سبعة مائة درهم و من غزا بنفسه فی سبیل الله و انفق فی وجه ذلک فله بکل درهم سبعة مائة الف درهم ثم تلی هذه الآیة و الله یضاعف لمن یشآء اھ"

ابن ابی حاتم نے بھی اس مضمون کی حدیث عمران بن حصینؓ سے نقل کی ہے: کما فی الدر المنثور (۱/ ۳۳۶)

(۲) اور دوسری حدیث امام ابوداؤدؒ نے کتاب الجهاد "باب تضعیف الذکر فی سبیل الله" (۱/ ۳۳۸) پر حضرت معاذ بن انسؓ سے نقل کی:

"ان الصلوة و الصیام و الذکر یضاعف علی النفقة فی سبیل الله عز وجل بسبعمائة ضعف۔ اھ و اخرجه الحاکم کما فی الدر المنثور (۱/ ۳۳۷)۔

پہلی حدیث میں غازی فی سبیل اللہ کے نفقہ کا اجر سات لاکھ بتلایا گیا ہے۔ اور دوسری

حدیث میں نماز وغیرہ عباداتِ بدنیہ کا اجر نفقہ فی سبیل اللہ کے اجر سے سات سو گنا زیادہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ نماز کا اجر انچاس/ ۴۹ کروڑ گنا ہے اس لیے کہ سات لاکھ کو سات سو میں ضرب دینے سے (جو یضاعف کا تقاضا ہے) یہی حاصلِ ضرب بن جاتا ہے۔

مگر فقیر کے نزدیک قطع نظر اس سے کہ دوسری حدیث کی سند میں بقولِ منذریؒ دو/ ۲ راوی ضعیف ہیں، اور پہلی حدیث کو منکر کہا گیا ہے۔ یہ اشکال ہے کہ ابوداؤدؒ کی حدیث میں "یضاعف علی النفقة فی سبیل اللہ" میں نفقہ سے غازی کا نفقہ مراد لینے پر کوئی قرینہ موجود نہیں، عموماً روایات میں نفقہ فی سبیل اللہ سے مراد گھر میں بیٹھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ابن ماجہ ہی کی حدیث میں ہے: "من ارسل بنفقة فی سبیل اللہ و أقام فی بیته" اور اس کے نظائر احادیث میں بکثرت ہیں، تو جب تک تصریح نہ ہو یا واضح قرینہ نہ ہو کہ "یضاعف علی النفقة" سے "نفقة الغازی" مراد ہے اس وقت تک انچاس/ ۴۹ کروڑ کی نسبت حدیث کی طرف کرنا چاہے ایک ہو یا دو حدیثوں کے مجموعہ کی صورت میں ہو صحیح نہیں ہو سکتی۔

پھر اس ضرب کے عمل سے جو انچاس/ ۴۹ کروڑ اضعاف بنتے ہیں وہ دراہم ہیں نمازیں نہیں ہیں، جیسا کہ حدیث کے مفہوم پر تھوڑے سے تأمل سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث جو درمنثور: ۱/ ۳۳۶ اور جمع الفوائد: ۲/ ۸ اور مجمع الزوائد: ۵/ ۲۸۲ اور کنز العمال: ۴/ ۲۹۹ میں بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:

"طوبیٰ لمن اکثر فی الجهاد فی سبیل اللہ من ذکر اللہ تعالی فان له بکل کلمة سبعین ألف حسنة کل حسنة منها عشرة أضعاف مع الذی له عند اللہ من المزید قیل: یا رسول اللہ! النفقة؟ قال: النفقة علی قدر ذلک۔ قال عبد الرحمن: فقلت لمعاذ: انما

النفقة بسبعمائة ضعف۔ فقال معاذ: قلّ فهمک۔ انما ذاک اذا انفقوها وهم مقیمون بین اهلیهم غیر غزاة فاذا غزوا وانفقوا خیلاً لله لهم من خزانة رحمة ما ینقطع عنه العباد وصفتهم فأولئک حزب الله وحزب الله هم الغالبون"۔

حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ سے ذکر اور نفقہ میں مماثلت فی الاَجر ثابت ہوتی ہے، اور ذوق کا تقاضا بھی یہ ہے کہ حدیثِ ابی داؤد میں مجاہد کی عبادات بدنیہ کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، عبادتِ مالیہ کا ذکر نہیں اور ابنِ ماجہ کی حدیث میں مجاہد کی عبادتِ مالی کی فضیلت ذکر ہوئی، اس طرح سے مجاہد کے ہمہ نوع عبادات کے اجور کا علم امت کو بہم پہنچایا گیا۔ ھذا واللہ تعالی اعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

★★★

(۴)

حدیث لا اشبع اللہ بطنہ کے جوابات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت "لا اشبع اللہ بطنہ" کے متعلق چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اس روایت کا کوئی راوی نہیں۔

۲۔ ابوحمزہ عمران بن ابی عطاء حضرت ابن عباس سے اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

۳۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں کئی طرق سے اس حدیث کو ذکر کیا مگر کسی بھی طریق میں "لا اشبع اللہ بطنہ" کو ذکر نہیں کیا۔

۴۔ اکثر طرق میں یہ بات نہیں ملتی کہ ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کو خود پیغام رسالت پہنچایا اور نہ خود حضرت معاویہؓ کو کھاتے ہوئے دیکھنے کا ذکر فرمایا ہے۔

۵۔ ایک طریق میں اس کا ذکر آیا ہے مگر دوسرے طریق میں آیا ہے کہ کسی نے ابن عباسؓ کو بتلایا کہ حضرت معاویہؓ کھانا کھا رہے ہیں۔

۶۔ اس حدیث کے تمام طرق یہ بیان کرنے سے خاموش ہیں کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے یا مدینہ طیبہ کا۔

۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ دشنام طرازی سے پاک ہے بلکہ بددعا موقع پر دعائیں دینا آپ کی سیرت کا ایک مثالی اور روشن باب ہے۔

۸۔ کسی عام صحابی کی سیرت سے بھی یہ بات بعید ہے کہ دربار نبوت سے بلاوا آنے پر وہ کھانے جیسے شغل کے وجہ سے اجابت دعوت میں تاخیر کرے۔

۹۔ جس کام کے لئے بلانے کا ذکر اس روایت میں ہے اس کی وضاحت صراحت کے ساتھ کسی بھی روایت میں نہیں پائی جاتی۔

File Adress:

۱۰۔اس دعا کی اجابت کا ذکر اسی روایت کے بعض طرق اور بعض ساقط روایات کے علاوہ کسی روایت میں نہیں۔

۱۱۔علامہ مسعودی کے ذکر کردہ حضرت معاویہؓ معمولات میں صرف ناشتہ اور دوپہر کے کھانا کھانے کا ذکر آیا ہے اور اس میں کثرت اکل کے طرف اشارہ تک نہیں ہے۔

۱۲۔کسی بھی ضعیف یا صحیح روایت میں حضرت معاویہؓ کے اعتذار کا ذکر نہیں ملتا۔

۱۳۔ایک چھوٹے بچے کی خبر پر ناراضگی یا سخت ردعمل کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ صفت وقار اور احتیاط کے مطابق نہیں بلکہ خلاف معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

File Adress

میت کے گھر صدقہ کی شرعی حیثیت

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمدوعلى آله وصحبه اجمعين۔

چندروز پہلے مضافاتِ کوہاٹ کے بعض احباب نے ''میت کے گھر میں ثبوت صدقہ سات روز تک'' کے عنوان سے ایک تحریر پہنچائی۔ صاحب تحریر کا نام و پتہ درج نہیں، اس مجہول النسب تحریر میں تلبیس وخیانت کا بے دریغ استعمال ہوا ہے، اس لئے عامۃ المسلمین کے دین وایمان کو بچانے کی خاطر یہ چند سطور لکھنے پڑے۔

میت کے خاندان والے رواج کے مطابق جس طعام کا اہتمام کرتے ہیں، اہل سنت کے مذاہبِ اربعہ کی کتابوں میں اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے، عدمِ جواز پر چند دلائل پیش خدمت ہیں:

(۱).....حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

كنا نعد الاجتماع الى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة۔

(رواه الامام احمد في مسنده، ج:۲، ص:۲۰۴، وابن ماجه ص:۱۱۷ وصحح اسناده غير واحد)

''یعنی ہم میت کے گھر میں (بلاضرورت) اجتماع کو اور (اہل میت کی طرف سے) کھانا تیار کرنے کو نیاحت سمجھتے تھے (جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اور باعثِ لعن قرار دیا ہے)''۔

(۲).....جلیل القدر تابعی سعید بن جبیرؒ جو کہ فقیہ محدث، مفسر اور عظیم صوفی ہیں فرماتے ہیں:

ثلاث من امر الجاهلية :النياحة، والطعام على الميت، وبيتوتة المرأة عند

File Adress:

اهل الميت ليست منهم۔

(المصنف لعبدالرزاق، ج:۳۔ص:۵۵۰ولابن ابی شیبہ نحوہ، ج:۳،ص:۲۹۰)

''تین چیزیں جاہلیت کی یادگار ہیں: نیاحت، میت پر طعام، میت کے خاندان کے ہاں ایسی عورت کا رات گزارنا جو اس خاندان میں سے نہ ہو''۔

(۳).....ایک دوسرے تابعی ابوالبختریؒ فرماتے ہیں:

الطعام على الميت من أمر الجاهلية الحديث۔

(المصنف لعبدالرزاق ج۳/ص۵۶۰ولابن ابی شیبۃ ج۳/ص۲۹۰)

''میت پر طعام دورِ جاہلیت کا رسم ہے''۔

(۴).....مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۱ میں ہے:

قدم جرير على عمر فقال هل يناح قبلكم على الميت؟ قال: لا، قال: فهل تجتمع النساء عندكم على الميت ويطعم الطعام؟ قال: نعم، فقال: تلك النياحة۔

''حضرت جریرؓ سیدنا حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا تمہارے ہاں میت پر نوحہ ہوتا ہے حضرت جریرؓ نے فرمایا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا عورتیں میت پر جمع ہوتی ہیں اور کھانا کھلایا جاتا ہے؟ حضرت جریرؓ نے فرمایا: ہاں: تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: یہی تو نوحہ ہے''۔

(۵).....شریعت مطہرہ نے اَقارب وجیران کو تلقین کی ہے کہ اہل میت کے لئے طعام بنا کر بھیجیں:

كما وردفي حديث عبد الله بن جعفر رواه الشافعي:۱/۳۰۸ وأحمد:۱/۲۰۵،وابو داؤد:۲/۹۱، والترمذی:۱/۱۹۵،و ابن ماجه، ص:۱۱۶،والبغوی فی شرح السنة:۵/۴۶۰ وغیرهم، اور اہل میت کے ہاں جا کر کھانا کھانے میں عکس موضوع لازم آتا ہے اور شریعت کا کھلا ہوا مقابلہ ہے عیاذاباللہ۔

File Adress:

(۶).....سابقہ آثار سے واضح ہوا کہ طعامِ میت جاہلیت کے باقیات میں سے ہے۔ مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا حیدر علی ٹونکیؒ نے (جنہوں نے تفسیر عزیزی کا تکملہ لکھا اور تحفہ پر اعتراضات کے جواب میں محققانہ کتاب لکھی اور جنہیں مسئلہ زیر بحث پر اتنا عبور حاصل تھا کہ صرف اسی مسئلہ میں دو کتابیں تالیف فرمالیں۔ ایک دو جزء میں اور دوسری دس بارہ اجزاء میں) اس کو تمام ہنود ہند کی رسم بتلایا اور اس کی مزید تائید تحفۃ الہند کے ہندو مذہب چھوڑنے والے نومسلم عالم کے بیان سے بھی ہوتی ہے اور مشہور سیاح علامہ البیرونیؒ نے بھی اس کی شہادت دی ہے، تو اس طعام میں اہل جاہلیت کی پیروی اور ہنود وغیرہ مشرک اقوام کے ساتھ ان کے مذہبی شعار میں تشبہ لازم آتا ہے جس کی حرمت محتاج بیان نہیں۔

(۷).....اس ناجائز رسم میں عموماً یتامیٰ کا مال صرف ہوتا ہے اور یتیم کے مال کا کھانا اور کھلانا بالنصوص و بالاجماع حرام ہے۔ اور "الا بالتی ھی احسن" کے تحت اس کو لے آنا جہالت اور تحریف فی القرآن کی شرمناک جسارت ہے۔

(۸).....اس طعام میں عموماً دوسرے ورثہ کا حق ہوتا ہے، ان کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال ناجائز ہے اور "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" کی خلاف ورزی ہے، تصرف بالضمان، حق غیر میں عند الضرورۃ جائز ہے اور یہاں ضرورت کا شائبہ تک نہیں، محض ہوا پرستی ہے۔

(۹).....اس طعام میں ایصالِ ثواب کم اور نام ونمود زیادہ مقصود ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کے طعنہ کی وجہ سے کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا ریاکاری ہے۔ اس کی حرمت بھی منصوص اور متفق علیہ ہے۔ بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ اہل میت کو انتہائی دل سوزی کے ساتھ میت کو ایصالِ ثواب کے لئے وہ صورت بتلائی گئی جو سید الکائنات محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ارشاد فرمائی تھی، لیکن اہل میت آمادہ نہ

File Adress

ہوئے۔صاحب معراج نے بالکل برمحل فرمایا:

هذه الافعال كلهاللسمعة والرياء فيحترزعنهالأنهم لايريدون بها وجه الله۔(ردمحتار للشامی ۲/۲۴۱)

''ریاکار کے طعام کے کھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا''۔

(۱۰).....چونکہ اس طعام کو اس قدر لازم سمجھا گیا ہے کہ استطاعت نہ ہوتو سود پر رقم اس کے لئے حاصل کی جاتی ہے اور نہ کرنے والے کو سخت لعن وطعن کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور التزام مالا یلزم خود باعثِ حرمت ہے، پھر جب دوسرے منکرات کو مستلزم ہوتو حرام ہونے میں کیا شک؟

(۱۱).....دعوتِ طعام کی اجازت شریعت نے مواقع سرور پر دی نہ کہ مواقع شرور پر کمافی الخلاصۃوغیرھا۔

(۱۲).....اس رسم میں انتہائی بے دردی کے ساتھ طعام کو ضائع کیا جاتا ہے، محتاج انسانوں کا کھانا گائے، بھینس کو کھلایا جاتا ہے، بلکہ گلیوں میں پھینکا جاتا ہے جو کفرانِ نعمت، رزق کی اہانت وغیرہ قبائح کو مستلزم ہے جس کے ناجائز ہونے میں شبہ نہیں۔

(۱۳).....صدقات نافلہ میں بالاجماع اخفا افضل ہے، مگر مروّجہ طعامِ میت کے لئے مساجد کی لاؤڈ سپیکروں سے اعلانات ہوتے ہیں۔ ورع وتقویٰ کے ٹھیکداروں کا فرض تھا جو ہم سے زیادہ وہ اس رسم کو بند کرنے کی کوشش کرتے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ورع واحتیاط بھی نمائشی ہے۔

(۱۴).....کتاب وسنت میں اطعام کی ترغیب کے موقع پر اکثر یتامیٰ، مساکین اور دیگر محروم طبقات کا ذکر آیا ہے اور اس طعام کا اکثر حصہ دوسروں کی نذر ہوجاتا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تصدق برائے نام ہے مقصد رسم برآوری اور رواج کی پابندی ہے۔

(۱۵).....مروّجہ طعام عموماً دوسری بدعات کی طرح رافع سنت ثابت ہوا ہے بلکہ اس

File Adress:

کی وجہ سے صدقہ کا شرعی مفہوم عوام نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور کالعوام مولوی صاحبان اس کو مزید بگاڑ رہے ہیں۔

(۱۶).....مذاہب اربعہ کے نامور فقہاؒ نے اس طعام کے ناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ ان کے مذاہب کی معتمد کتابیں اس کی گواہ ہیں ملاحظہ ہو: رد محتار: ۳/ ۲۴۰۔۲۴۱، قاضی خان: ۳/ ۴۰۵، المغنی لابن قدامہؒ الحنبلی: ۲/ ۴۱۳، شرح المھذب للنوویؒ الشافعیؒ: ۵/ ۳۲۰، المدخل لابن امیر الحاج المالکیؒ: ۳/ ۲۷۶۔ ان کے علاوہ درجنوں کتابوں میں عدم جواز مصرح ہے۔ حوالہ جات بلاضرورت طول کا باعث ہیں۔ فقہا کی تصریحات کے بعد کسی مقلد کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ عمومات یا گری پڑی روایات کا سہارا لے کر اس طعام کے استحباب یا جواز کا فتویٰ دیتا پھرے۔

(۱۷).....اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدینؓ و دیگر صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے گھروں میں موت کے حوادث پیش آئے، مگر ان سے اس طعام کا اہتمام گھروں میں نقل نہیں ہوا۔ اُن کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ اتباع چھوڑ کر ابتداع میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اعاذنا اللہ تعالی۔

واضح ہو کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے تصدق کو تمام اہل سنت جائز مستحسن سمجھتے ہیں، جب کہ لوجہ اللہ ہو اور مشروع طریقہ پر ہو، مروّجہ طعام تصدق علی الوجہ المشروع نہیں ہے، اس لئے ناجائز قرار دیا گیا، طعام پکا کر اگر مساکین وفقرا کے گھروں میں تقسیم کیا جائے تو اکثر حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بزازیہ وغیرہ میں اسی کا ذکر ہے اور بعض محتاط اہل علم اس کو بھی اچھا نہیں سمجھتے، اس لئے کہ مأثور نہیں اور ذریعہ منکر بن سکتا ہے، اس تفصیل کے بعد ہم تحریر مذکور میں اس طعام کے جواز پر مذکور دلائل نما وساوس کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں:

گمنام، بدعت کے منادمولوی صاحب کی وزنی دلیل "بزعم ان کے" (جس کے بارے میں مولوی صاحب نے دعوی کیا ہے کہ احادیث کی گیارہ کتابوں سے علامہ سیوطیؒ نے

نقل کی ہے، اور پھر اسی تحریر میں آگے جا کر دعویٰ کیا ہے کہ تیرہ کتابوں میں نقل ہے۔ اب ہم اس کو مولوی صاحب کی کتاب فہمی اور علمی استعداد کا شاہکار سمجھیں یا صالحانہ جھوٹ کا نمونہ، اس لئے کہ علامہ سیوطیؒ نے اثرِ طاؤس کے لئے صرف چار کتابوں کا حوالہ دیا ہے: کتاب الزہد، حلیۃ الأولیاء، حیٰوۃ الحیوان، المطالب العالیۃ۔ دوسرے حوالے عبید ومجاہد کے اثر کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن میں اطعام کا ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر مذکورہ چار کتابوں میں سے صرف 'المطالب العالیہ' حدیث کی کتاب ہے، جب کہ 'حلیہ' بنیادی طور پر مناقب وتاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور 'کتاب الزہد' زہد وتصوف کے ساتھ اور 'حیٰوۃ الحیوان' کو تو بس کشکول ہی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ان حضرات کے علم وتقویٰ کے حدود اربعہ ہیں اور عملاً مجتہد بنے بیٹھے ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور خدا کی شان کہ ان میں ایک بھی حنفی مؤلف کی کتاب نہیں ہے) حضرت طاؤسؒ کا اثر ہے، مگر تحقیق کے میزان میں اس کا کیا وزن ہے! ذرا ملاحظہ ہو:

اولاً: تو ''کتاب الزہد'' للامام احمدؒ جو اس اثر کا اصل مأخذ بتلایا جاتا ہے، ہمارے پاس ہے، اس میں اس اثر کا نام ونشان نہیں، جسے شوق ہو تشریف لا کر خود مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''کتاب الزہد'' کا نسخہ محفوظ نہیں رہا ہے، جب اس میں کمی کا امکان ہے تو اضافہ کے امکان کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: ''کتاب الزہد'' کو ائمہ علم حدیث نے قابل استناد واستدلال کتب حدیث کا درجہ نہیں دیا۔

ثالثاً: سفیانؒ کی روایت وسماع طاؤسؒ سے کسی بھی روایت میں ثابت نہیں۔ جیسا کہ کتب رجال میں دونوں حضرات کے تراجم سے ظاہر ہوتا ہے۔ طاؤسؒ جیسی ہستی سے سفیانؒ جیسی شخصیت کی ملاقات ہوئی ہو اور اس کا ذکر کتبِ رجال میں نہ ہو! عادۃً یہ ناممکن ہے۔ ایسے مواقع پر عدمِ ذکر کو عدم کی دلیل ہی سمجھیں گے۔

علامہ سیوطیؒ پر سماع کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ امکان رؤیت کے لئے کھینچا تانی ان کی سینہ

File Adress:

زوری ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ طاؤس یمانیؒ مکہ معظمہ میں ۱۰۰ھ میں انتقال فرما چکے۔ عبداللہ بن شوذبؒ ''جو سفیانؒ کے اکابر مشائخ میں سے ہیں اور حضرت طاؤسؒ کی جنازہ میں بذاتِ خود شریک ہوئے'' کا یہی بیان ہے۔ دوسرے تین اقوال ۱۰۱ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۱۰ھ کے وفات پا جانے کے قائلین میں سے کوئی بھی عبداللہ بن شوذبؒ کی طرح عینی شاہد نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب وغیرہ ملاحظہ فرمالیں اور سفیانؒ اس وقت کوفہ میں تین سال کے بچے تھے۔

رابعاً: اگر طاؤسؒ کا یہ اثر موصول بھی ہو جیسا کہ علامہ سیوطیؒ کا اصرار ہے، پھر بھی یہ ثابت نہیں کہ اثر میں مذکور مضمون انہوں نے کسی صحابی سے سنا ہے اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جیسا کہ غیر مدرک بالرأی ہونے کی بنا پر علامہ سیوطیؒ کا دعویٰ ہے۔ کیا عجب کہ انہوں نے اہل کتاب سے یہ بات لے لی ہو، جیسا کہ تابعین بلکہ صحابہ کرامؓ کی سیرت سے واقف حضرات پر مخفی نہیں کہ کتنی غیر مدرک بالرأی اخبار ان حضرات نے اہل کتاب سے روایت کی ہیں، ہر غیر مدرک بالرأی بات کو رفع پر حمل نہیں کیا جاتا، خصوصاً جب کہ صحابہؓ اور تابعینؒ سے اس میں اختلاف منقول ہو، اور یہاں ایک اور مانع بھی موجود ہے کہ ''افتتان فی القبر سبعة أیام'' کا قول وعقیدہ طاؤسؒ نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور استحباب اطعام کی نسبت کی نا معلوم حضرات کی طرف، جو ضروری نہیں کہ صحابہ ہوں، اور یہ بھی یاد رہے ۔۔۔۔ کہ کتب رجال میں طاؤسؒ کی طرف ارسال وتدلیس کی نسبت بھی ہوئی ہے۔

خامساً: خود علامہ سیوطیؒ نے قبر میں میت کے سات دن تک افتتان کو معقول ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک درجن کے قریب وجوہ ذکر فرمائی ہیں، ان کے پیش نظر اس کو مجرد سماع کی بات کیسے تسلیم کرلیں، ہوسکتا ہے کہ طاؤسؒ نے اسی قسم کے وجوہ سے استنباط کر کے یہ بات کہی ہو۔

سادساً: اس اثر سے یہ تاثر بظاہر ملتا ہے اور سیوطیؒ اس کے مدعی بھی ہیں کہ میت پر سات

دن تک طعام صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں عام معمول رہا بلکہ سیوطیؒ تو اپنے عہد تک حرمین شریفین میں اس عمل کے تسلسل کا عندیہ دے چکے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے اہم عامۃ الورود واقعہ کو نقل کرنے والے فقط حضرت طاؤسؒ کیسے بن گئے جبکہ اہل تحقیق ائمہ حدیث کا بالعموم اور ہمارے امام اعظمؒ کا بالخصوص یہ مسلک ہے کہ اس طرح کے عامۃ الوقوع حوادث میں صریح مرفوع موصول خبر واحد بھی شاذ نا قابل اعتبار ہوا کرتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ تو اپنی افتاد طبع سے مجبور ہیں کہ جتنے شواذ وغرائب ہوں ان سے دامن بھر لیں، مگر حنفیت کے مدعی ہمارے اس بڑے میاں کو کیا ہوا کہ ایک شاذ روایت کے سہارے ایک مکروہ بدعت کی ترویج کے درپے ہیں۔

سابعاً: اس روایت میں یہ تصریح کہاں ہے کہ طعام دینے والے اہل میت تھے اور طعام میت کے گھر میں کھلایا جاتا تھا جو کہ آپ کا مدعا ہے اور تحریر شریف کا عنوان ہے۔

ثامناً: حافظ ابن حجرؒ نے ''المطالب العالیہ: ۱/ ۱۹۸'' میں اس اثر کو ''باب الطعام لأهل الميت'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا، گویا کہ ترجمۃ الباب میں ''ان يطعم عنهم'' کی شرح کی۔ اس احتمال کی موجودگی میں آپ کے استدلال میں کیا وزن رہا۔

تاسعاً: یہ اثر حضرت جریرؓ کی حدیث اور خلیفہ راشد فاروق اعظمؓ کے فیصلہ سے متصادم ہے تو اس کا کیا اعتبار ہوگا۔

عاشراً: اس اثر کے سند میں امام احمدؒ کا ذکر ہے بلکہ وہی اس کی روایت میں متفرد ہیں۔ امام احمدؒ کا مذہب اس طعام کے عدم جواز کا ہے: ''كما تشهد عليه كتب مذهبه'' ثقہ راوی کا عمل جب مروی کے خلاف ہو تو مروی کو یا تو منسوخ تصور کیا جائے گا یا غیر ثابت اور یا مؤول۔ سائر بریں مولوی صاحب کا استدلال اس سے أضعف عن العنكبوت ہے۔

بدعات کے وکیل صاحب تحریر مذکور مولوی صاحب کی دوسری دلیل حضرت ابوذرؓ کی وفات کے بعد ان کے گھر میں حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کا کھانا کھانا ہے مگر یہ دلیل بھی بڑی بودی ہے۔

File Adress:

اولاً: اس کا ماٰخذ تاریخ طبری ہے علامہ طبریؒ پر تشیع کا الزام ہے اور اس کی تاریخ تو یقیناً رطب و یابس کا مجموعہ ہے، اگر 'جامع الرموز' جیسی اپنے مذہب کی کتاب پر بقول علامہ ابن عابدینؒ وغیرہ من المحققین کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو تاریخ طبری جیسی کتاب پر جو اباطیل و اکاذیب پر مشتمل ہے کیسے کسی شرعی حکم کے بارے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً: حضرت ابوذرؓ کی وفات اور سیدنا ابن مسعودؓ کی ان کی تدفین وغیرہ میں شرکت کی تفصیلات امام احمدؒ کی مسند، ابن سعدؒ کی طبقات، ابن عبدالبرؒ کی استیعاب، علامہ ذہبیؒ کی سیر الاعلام، ابن جوزیؒ کی صفۃ الصفوۃ وغیرہ کتابوں میں پائی جاتی ہیں، مگر ''ذبح شاۃ'' یا ''اکل طعام'' کا ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی من گھڑت ہے۔

ثالثاً: تعجب ہے کہ ایک شخص اپنے لئے کفن نہیں پا رہا اور ان کی اہل یہ استطاعت رکھتے ہیں کہ وہ بعد از وفات آنے والے مہمانوں کے لئے بکرا ذبح کرتے ہیں۔ کچھ تو انسان عقل و بصیرت سے بھی کام لے۔

رابعاً: طبری کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اہلیہ سے فرمایا کہ یہ کھانا بطور مہمانی کے آنے والوں کو کھلانا، اب مولوی صاحب بتلائیں کہ کیا آپ ضیافت کو بھی میت کے گھر میں جائز سمجھتے ہیں۔ اس روایت میں تو تصدق کا ذکر نہیں تو ''ثبوت صدقہ'' میں یہ آپ کو کیا کام دے گی۔

خامساً: معلوم ہوتا ہے کہ فن رجال کو مولوی صاحب نے مس بھی نہیں کیا، ورنہ ایک ایسی روایت طبریؒ کی جس کی سند میں ظلمات بعضھا فوق بعض پائی جاتی ہیں، اور ''سیف'' جیسے شخص جو متہم بالزندقہ ہے اور ابن معین حنفیؒ جیسے مایہ ناز امام جرح و تعدیل نے اسے ''کذاب خبیث'' قرار دیا اور فرمایا: ''لایساوی فلسا''... اس کے ایک اہم رکن ہیں، سے کیسے استدلال کی جرأت کرتے۔

سادساً: اگر آپ میں دیانت ہوتی تو کم از کم اس جھوٹی روایت کو تو بلا کم کاست نقل

File Adress

کرتے، اس روایت میں تو آیا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنی حیات میں بکرا ذبح کرنے کا حکم دیا اور پکوایا، مروّجہ طعام میت کے جواز پر اس سے استدلال کا کیا معنی ہے؟

ہمارے بدعت پسند مولوی صاحب کی تیسری دلیل حضرت زید بن ثابتؓ کی وفات پر اونٹ کا ذبح ہونا اور کھایا جانا ہے۔ یہ دلیل بھی بوجوہ مخدوش ہے۔

اولاً: تو یہ روایت مستدرک للحاکمؒ کی ہے۔ امام حاکمؒ اور ان کی کتاب دونوں پر اہل علم کا کلام مخفی نہیں۔ خصوصاً ریحانۃ الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی عجالہ نافعہ میں مذکور تحقیق کے پیش نظر اس طبقہ کی کتابوں سے استدلال میں کیا جان ہوتی ہے؟۔

ثانیاً: روایت مذکورہ کی سند میں دو مجہول راوی ہیں، تو اس پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ثالثاً: مولوی صاحب نے یہاں بھی دیانت کو خیر باد کہا، ورنہ اسی روایت میں ہے کہ یہ عمل حضرت زیدؓ کے خاندان والوں کا نہیں تھا بلکہ مروان نے یہ اونٹ ذبح کیا تھا، جب کہ حضرت زیدؓ انصاری ہے اور مروان صاحب اُموی قریشی ہیں۔

رابعاً: روایت مذکورہ میں یہ بھی تصریح نہیں کہ میت کے گھر میں یہ کھانا کھلایا گیا اور نہ تصدق کا ذکر ہے۔ اور نہ سات ایام تک کھلانے کا، تو تمہارے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کیا رہی، یا آپ بھی مرزا غلام احمد کی طرح استدلال کو اثبات مدعی کے لئے کافی سمجھتے ہیں، ہم اس موقع پر مولوی صاحب موصوف کو برادرانہ ومخلصانہ مشورہ دیں گے کہ تقلید پر اکتفا کیجئے، تحقیق ہر شخص کی بس کی بات نہیں:

خلق اللہ للحروب رجالا

ورجالا للقصعۃ والثرید

ہمارے اسلاف کا تو ذکر کیا، الحمدللہ اس ناچیز کے مطالعہ میں بھی صرف یہی نہیں کہ آپ کی ذکر کردہ ساقط قسم کی روایات آئی ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی جن کی ہوا اب تک آپ کو نہیں لگی، ورنہ نہ معلوم کتنی دھوم دھام جھوم جھام کے ساتھ ان کو استدلال میں ذکر کرتے، اہل

File Adress

علم نے ان روایات کو نا قابلِ اعتبار پا کر ہی رد اور نظر انداز کر دیا، کسی ایک صاحب سے اگر زلت ہوئی اور اسے قبول کیا تو اس کی پیروی قرین قیاس و انصاف نہیں ہوتی۔

ہمارے بدعت نواز مولوی صاحب اور ان کے ہم مسلک دوسرے حضرات کی چوتھی دلیل مشکوٰۃ شریف میں حضرت عاصم بن کلیب کی حدیث ہے جس کا محققانہ اور مفصل جواب اہلِ حق کی طرف سے بارہا دیا گیا، خصوصاً ملک کے نامور محقق حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے راہِ سنت میں اتمام حجت کر دی، لیکن یہ حضرات مسلسل مرغی کی ایک ٹانگ کا بول بول رہے ہیں۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے اس حدیث کو سنن أبی داؤد اور دلائل النبوۃ للبیہقی کے حوالہ سے درج فرمایا۔ اب اس حدیث کے کسی لفظ میں اگر تردد ہو تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ أصل منقول عنہ کی طرف مراجعت کی جائے یا کم از کم مشکوٰۃ شریف سے پہلے لکھی گئی کتب حدیث کا مطالعہ کیا جائے لیکن ان حضرات کا گنگا الٹا بہہ رہا ہے کہ متأخرین کے اقوال سے متقدمین کے اقوال کی صحت معلوم کر لیتے ہیں۔

عاصم بن کلیب کی حدیث سنن أبی داؤد کے کتاب البیوع، باب: ۳، ص: ۱۱۷ / ۳ اور دلائل النبوۃ: ۳۱۰ / ۶ طبع الأثریۃ۔ پر پائی جاتی ہے، جس میں ''داعی امرأۃ'' کا لفظ آیا ہے تو سنن أبی داؤد اور دلائل النبوۃ کی عبارت بشرطِ انصاف قاطعِ شغب ہونی چاہئے تھی، پھر جب اس پر مستزاد مشکوٰۃ شریف سے صدیوں پہلے لکھی گئی امام احمدؒ کی مسند: ۲۹۳ / ۵، امام أبو جعفر طحاوی حنفیؒ کی شرح معانی الآثار: ۲ / اور امام دار قطنیؒ کی سنن: ۲۸۶ / ۴ (طبع مصر)، امام بیہقی کی سنن کبریٰ: ۷۹ / ۶، امام حاکم کی مستدرک: ۲۳۴ / ۴، علامہ ابن حزمؒ کی المحلّٰی: ۴۱۵ / ۷، جیسی کتابوں میں بھی یہ لفظ ''امرأۃ'' بغیر اضافت کے آیا ہو تو صحیح اور أصل حقیقت کی پہچان میں کسی قسم کا شبہ آخر کیسے رہ سکتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی اصل اور متقدمین کی کتابوں کی طرف مراجعت کے بعد یہ یقین کئے بغیر چارہ نہیں کہ مشکوٰۃ شریف میں ''امرأتہ'' کا لفظ اضافت الی الضمیر کے ساتھ صحیح نہیں یا تو یہ کاتب کی غلطی ہے یا صاحبِ مشکوٰۃ کا ذہول ہے۔

File Adress:

مشکوٰۃ شریف کے شارحین ہوں یا دوسرے بعد کے اہل علم حضرات ان کا قول متقدمین کے نقول کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ خود علامہ شامیؒ تحریر فرما چکے ہیں کہ بسا اوقات ایک کتاب میں واقع غلطی بعد کے بہت سارے مؤلفین کے غلطی کا شکار ہونے کا باعث بنتی ہے۔ ہمیں علامہ حلبیؒ، علامہ شامیؒ، علامہ ہرویؒ وغیرہ حضرات کے علم میں شبہ نہیں لیکن اس باب میں یہ حضرات خود امام احمدؒ، امام طحاویؒ وغیرہ متقدمین ائمہ حدیث کو اپنے سے اعلم سمجھتے ہیں اور ان کے اقوال ونقول سے استدلال کرتے ہیں۔

امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار: ۲/ ۳۲۱ میں زیر بحث خاتون سے یہ الفاظ منقول ہیں: یارسول اللہ! لم تزل تعجبنی أن تأکل فی بیتی۔ ان الفاظ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دعوتِ طعام کا داعیہ اس خاتون کے دل میں زمانہ سے تھا مگر موقع اس دن ملا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے جنازہ وتدفین سے فارغ ہوکر واپس تشریف لے جارہے تھے، اس تفصیل کے بعد کوئی متعنت اور مکابر ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ عورت میت کی اہلیہ تھی، منصف ومتدین کبھی نہیں، بھلا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رقیق وحساس قلب اطہر رکھنے والی شخصیت اور کسی تازہ غم رسیدہ بیوہ کے گھر میں ان کا کھانا کھانا ناقابل تصور واقعہ ہے، خصوصاً جب کہ راجح قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقات نافلہ سے بھی اجتناب فرمایا کرتے تھے اور میت کے گھر میں ضیافت کھانا تو تقریباً مجمع علیہ ناجائز ہے۔ عاصم بن کلیب کی حدیث سے فقیر کے مطالعہ کی حد تک متأخرین فقہاء وشارحین مشکوٰۃ کے علاوہ کسی بھی فقیہ، محدث نے طعام میت کے باب میں نفیاً یا اثباتاً تعرض نہیں کیا، لہٰذا اب تحقیق سامنے آجانے کے بعد اس حدیث کو دہرانا تلبیس کے علاوہ کچھ نہیں۔

مولوی صاحب موصوف نے "اصنعوا لال جعفر طعاما" کی جو شکم زاد تاویل کی ہے، ائمہ فقہ وحدیث کے بے شمار اقوال بلکہ تراجم ابواب اس کی تکذیب کررہے ہیں، خود حضرت شیخ عبدالحقؒ بھی اسی حدیث کے ذیل میں اہل میت کے ہاں طعام بھیجنے کے استحباب کی

تصریح فرما چکے ہیں، اور حضرت عائشہؓ کی تلبینہ والی حدیث کو اس موقع پر معرضِ استدلال میں لانا تو بدذوقی کی انتہا ہے۔ بلاشبہ سچ کہا گیا ہے:

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم الی واد الضلال

ہم اس تحریر کا خاتمہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان ایمان افروز کلمات پر کرنا چاہتے ہیں جو مکتوبات شریف: ۳۹ / ۲ پر درج ہیں:

''عمل بدعت از یاد آن ظلمت می نماید و تقلیل نور سنت می سازد و عمل سنت باعث تقلیل آن ظلمت است و تکثیر آن نور۔ فمن شاء فلیکثر ظلمة البدعة و من شاء فلیکثر نور السنة و من شاء فلیکثر حزب الشیطان و من شاء فلیکثر حزب اللہ ألا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون ألا ان حزب اللہ ھم المفلحون''۔

(۶)

الدعاء بعد تسليم الجنازة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وعلى آله وصحبه وجميع من اتبع هديه۔

وبعد! فقد كثر الشغب فى هذه الايام فى بلادنا فى مسئلة الدعاء بعد تسليم الجنازة بالجماعة، مع انها مصرحة فى كتب أصحابنا الحنفية رحمهم الله فالقول الفصل فيها ان يرجع كل من يلتزم التقليد ويتدين لله بالمذهب الحنفى الى كتب المذهب من غير أن يختر ص من تلقاء نفسه وينتصب منصب الاجتهاد ويتقول فى الدين ويفترى على الله جل وعلا۔

وقد بعث الينا بعض اخواننا أوراقا رام فيها اثبات هذا الدعاء بوجوه واهية، أضعف من نسج العنكبوت وحاول الرد على ادلة المنع بشبه فاسدة فلم ينجح فى مسعاه ولم ينل مرامه۔ومن قضية الشرع ومقتضى العقل أى يعرض عمن حاد عن طريق الانصاف وسلك مسلك الاعتصاف الا أن بعض الاذكياء من اصحابنا أصروا على الاجابة، فهذه عدة أسطر كتبناها على اقتراحهم والحاحهم تنقيح المسئلة وكشف الشبهات التى تحوم حولها بتوفيق الملك العلام۔

وقبل الغوص فى لجج البحث والخوض فى غماره يجدر بنا ايضاح ما نعتقده فى هذا الباب۔

فاعلم: رحمنى الله واياك، ان الدعاء مخ العبادة لا ينكره الا الضال المتمرد، وينفع الداعى المدعو له، لا يشك فى ذلك مسلم۔ الا أن الدعاء كسائر العبادات انما ينفع اذا كان على جادة الشريعة والا يكون عصيانا وخسرانا، فعندنا يجب

File Adress:

الاخلاص فی الدعاء ،ویسنّ الاجتماع له فی صلوة الجنازة ،ویستحب بعد الفراغ من الدفن ،وینبغی أن یدعو للمیت عند الوضع فی القبر ثم سائر عمره کما هو الثابت الماثور عن النبی ﷺ والسلف الصالح۔

وأما التزامه بعد تسلیم الجنازة والاعتناء به کالواجبات کما هو الشاهد فی دیارنا ،فبدعة وضلالة وکذا الاهتمام به بالجماعة وحبس المیت له عن الدفن مکروه من غیر شک ،اذ لم یثبت ذلک عن النبی ﷺ ولا عن خلفائه الراشدین واصحابه المرشدین ولا عن الائمة المتبوعین۔ ومن ادعی فعلیه البیان ولم یصرح أحد من الفقهاء بندبه واستحسانه بل نصوا علی کراهته وعدم جوازه کما سیأتی تفصیله ان شاء اللہ تعالی۔

واذا تمهد هذا فلنرجع الی الکلام علی الورقات المبعوثة:

قوله: فریق اول ناجائز اور بدعت بولتے ہیں۔

قلت: اذا کان علی وجه الالتزام والاهتمام۔

قوله: فریق ثانی دعاء بعد کسر الصفوف جائز سمجھتا ہے، کسائر الاوقات۔

قلت: بل یزعمون انه من الواجبات ونکیرهم علی ترکه ونبذهم له بالالقاب ،اصدق علی ذلک والعیان ادل من البیان ولیس الخبر کالمعاینة۔

قوله: اور جنازہ میں قبل سلام بعد تکبیر الرابعة ممنوع کتب فقہ میں ہے الخ۔۔۔

قلت: هذه جزافة وغفلة عن کتب الحدیث والفقه فقد ورد فی حدیث صحیح دعاء طویل بعد الرابعة وهو مذهب الشافعیة وغیرهم وقد استحسنه بعض المشائخ الحنفیة ایضاً، وکتب القوم مشحونة بذلک ونحن فی غنی من سرد نقولها۔

قوله: اور سکوت محل ضرورت بیان میں ہے۔

File Adress:

قلت: قد حكى هذا القائل نفسه قبيل ذلك عبارات الفقهاء الناطقة بمنع هذا الدعاء وكراهته فأين السكوت؟ ولو كان السكوت هكذا فلا ندري ماذا يكون النطق والبيان؟۔

قولہ: اس کا نقل تو ہم نے مذکورہ بالا آٹھ/۸ دلائل سے ثابت کیا اس پر غور کرو الخ۔۔۔۔

قلت: سمعًا وطاعةً قد اطعناكم وامتثلنا لأمركم وتأملنا "في أدلتكم" المذكورة وكلما زدنا التأمل فيها زاد الفساد فيها ظهورا أو البطلان وضوحاً، وتبين أن ما سميتموه "دلائل" ليست الا الدسائس والوساوس في ميزان التحقيق ومحك التدقيق وسيتجلى لكم مالها عن قريب عند كلامنا عليها ان شاء الله تعالى۔

وسوف ترى اذا انكشف الغبار

أفرس تحت رجلك أم حمار

وقال غير مرة: مامعناه أن عدم النقل ليس بحجة۔ انما الحجة نقل العدم۔

قلت: وهذا من اقوى شبههم في اثبات البدع والمحدثات ولكنهما اوهى عند من رزق الفهم والبصيرة، فان الاصل في الممكن هو العدم وأيّ دليل عليه اكبر من كونه اصلا، فعدم نقل ضده هو الدليل عليه، وعندنا مسائل لا تحصى ليس الدليل الا عدم النقل عن الشارع والسلف كالأذان لصلاة الجنازة، ولقيام رمضان، والركوع في الجنازة، وكذا السجود، والقعود فيها كل ذلك غير جائز، لانه لم يثبت عن النبي ﷺ ولا عن السلف، وليس عندنا رواية واحدة يكون فيها تصريح بانه ﷺ صلى على الميت ولم يؤذن، ولم يركع، ولم يسجد، ولم يقعد، ولم يفعل كذا وكذا۔

نعم اذا ثبت الشيء بالدليل ثم ادعى احد نفيه فعليه أن يأتي بالدليل النافي، في

مسألتنا لم يثبت الدعاء المبحوث عنه عن النبي ﷺ مرة، فكيف تطلبون دليل العدم، ومن مبادئ علم المناظرة ان الدليل على المثبت لا النافي۔

وفي الاعلام: ۱/۳۰۲: وأما نقلهم لتركه ﷺ فهو نوعان: وكلاهما سنة: أحدهما: تصريحهم بانه ﷺ ترك كذا وكذا ولم يفعله، والثاني عدم نقلهم لما لو فعله لتوفرت همهم ودواعيهم أو أكثرهم أو واحد منهم على نقله فحيث لم ينقله واحد منهم البتة علم أنه لم يكن اهـ مختصراً۔

وأصل امامنا أبي حنيفة رضی اللہ عنہ أن الخبر الواحد لا يقبل اذا كان وارداً في حادثة تعم بها البلوى، فجعل رحمه الله تعالى عدم نقل الجماعة دليلاً على الحكم، وما اعتنى بنقل الواحد في مقابله، فكيف لا يكون عدم نقل الأمة قاطبة حجة ودليلاً فيما لم يرد فيه خبر واحد أيضاً، وهذا ظاهر جلي ولكن التعصب يعمي۔

قال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى: فان قيل: من أين لكم أنه لم يفعله، وعدم النقل لا يستلزم نقل العدم۔ فهذا سوال بعيدا جداً عن معرفة هديه وسنته وما كان عليه ، ولو صح هذا السوال وقبل، لا مستحب لنا مستحب الاذان للتراويح وقال: من أين لكم أنه لم ينقل۔ واستحب لنا مستحب آخر الغسل لكل صلوة، وقال كل من دعا الى بدعة: من أين لكم أن هذا لم ينقل اهـ باختصار۔

وعلى كل حال أن قولهم: عدم الرواية لا يستلزم العدم كلمة حق أريد بها الباطل محله اذا كان الاستقراء غير تام او يكون الشيء ثابت الأصل، فأما بعد تمامه اذا لم يرو شيء ولم ينقل مع كثرة الدواعي للنقل والرواية ومع كثرة ورود ذلك الأمر فلا محيص عن الجزم بعدمه قد صلى ﷺ على مأة من الاموات ولم يحك انه دعا بالجماعة بعد التسليم وكذا الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من السلف، فهذا دليل قاطع على عدمه وكيف يمكن اى يفعل ﷺ امرا على وجه الطاعة ولا يثبت به

احد من اصحابه مع انهم حكوا من عاداته الكريمة امورا كثيرة فضلاً عن عاداته۔

وأجاب صاحب الورقات عن عبارات الفقهاء بانها محمولة على الدعاء حالة القيام قبل كسر الصفوف، لأنه متيقن ولأن لتبديل المجلس أثرا في تبديل الأحكام، ولأن شبهة الزيادة في صلوة الجنازة تكون في حالة القيام لوجوب الاتحاد النوعي بين المزيد والمزيد عليه۔

قلت: لو كان الامر كما قال لصرح غير واحد منهم بهذا القيد اعني القيام قبل كسر الصفوف مع أنه لم يصرح واحد منهم بذلك وكونه متيقنا في حيز المنع بل المتيقن في تحقيق البعدية هو الآن المتصل بالسلام ولو قائماً قبل كسر الصفوف لا ينافي الكراهة في حال القعود وبعد الكسر بل النهي يدوم مالم يدل دليل على التوقيت كما صرح به البهاري في سلمه وغيره في غيره۔ وليس هناك دليل على تناهي النهي والكراهة عندهم سوى الظن والخرص وليس الظن والجزاف من دين الله في شيء۔ نعم ثبت بالسنة الدعاء عند الدفن فقلنا باستمرار النهي حتى الدفن وحديث تبدل الاحكام بتبديل المجلس، وكذا شبهة الزيادة في حال القيام فقط من احاديث النفس لايصغى اليها لفساد مبناها لعدم الكلية في الأول وعدم الخصوص في الثاني۔ فرب حكم يدوم دوام العمر ولجواز تعدد الاسباب محكم واحد۔ وعلة الكراهة عندنا عدم التعهد من السنة فتكون زيادة على ماثبت بالسنة في دعاء الميت من صلوة الجنازة فافهم معنى الزيادة في صلوة الجنازة حتى تخرج من ظلمة الوهم ووادي العمه وتيه الحيرة۔ وكذا لزوم التاخير في التدفين مما يوجب الكراهة كما سنفصله في موضعه۔

وصلوة الجنازة ليست بصلوة حقيقة بل هي دعاء واستغفار للميت كما في المبسوط: ۲/ ۶۴، والبدائع: ۱/ ۳۱۴، والبحر: ۲/ ۱۸۷، وغيرها من معتمدات

File Adress:

المذهب فالاتحاد النوعي موجود في حال العقود أيضاً بالضرورة لو كان واجباً لتحقق الزيادة كما زعمت وقد صرحوا قاطبة ان صلوة الجنازة هي الدعاء فما معنى المباينة بين الدعاء والدعاء انما القيام من عوارضه كالطهارة والاستقبال وكل ذلك على سبيل المجاراة مع الخصم والا فأصل الكراهة انما مخالفة السنة والتزام مالا يلزم، ولزوم التاخير في التدفين وقد أمرنا بالتعجيل فيه۔

وأما قولهم: "لايقوم بالدعاء" فليس المراد منه ضد القعود كما وهم بل معناه التمسک بالشيء وحفظه ومن فهم منه ضد القعود فلغفلته عن محاورات العرب يقال: قام بأمر الخلافة، قام بالافتاء، قام بأمر الدعوة والجهاد۔ فلان يقوم بالامانة۔ قال ابن منظور: ذلک الجهبذ من أئمة اللغة في كتابه "لسان العرب" الذي هو من اكبر موسوعات اللغة العربية، ج: ۱۵/ ۴۰۳ : وكذا فلان قائم بكذا اذا كان حافظا له ومتمسكاً به اهـ ومن ههنا يفسر القيام في هذه العبارات علامة الهند المفتي كفايت الله ﷺ بالاعتناء والاهتمام بأمر الدعاء فللّٰه دره ما أعمق فكره وادق نظره۔

اذا قالت حزام فصدقوها

فان القول ماقالت حزام

ومن سلامة طبع الرجل أن يوسد الامر الى اهله، ومن الدليل على كمال عقله أن لايزدحم في كل معترک۔

خلق الله للحروب رجالا

ورجالا للقصعة والثريد

ما للضفادع والمسابقة مع الخيول، والعجب كيف غفل هؤلآء المفاهمون لمعنى ضد القعود عن قول الله عزّ وجلّ: ليقوم الناس بالقسط وكتاب الله بين ايديهم يتلونه ويتدارسونه صباحا ومساءً، ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور ونعوذ بالله

File Adress:

من الخذلان۔

ثم لو سلم أن معناه القيام فعبارة هؤلاء الفقهاء مقيدة، وقول من قال: ان الدعاء بعد الجنازة مكروه أو قال: ولا يدعو بعد التسليم مطلق والمطلق يجرى على اطلاقه والمقيد على التقييد ولو فى حادثة واحدة اذا كانا منفيين كما صرح به الفاضل البهارى فى "مسلم الثبوت" وبهذا ظهر ايضاً فساد ما قاله صاحب الورقات فى ص: ۱۳: ان قول على ن القارى كالمقيد وقول سائر الفقهاء كالمطلق فيحمل المطلق على المقيد، على أن العلة المذكورة فى عبارة المحدث القارى خاصة حسب زعمهم فلاتنافى العلل العامة للكراهة هناك وذالک غير خاف على من له أدنى نصيب من الفهم بشرط الانصاف والتجنب عن الجدل والاعتساف۔

وقال صاحب الورقات ايضاً ص: ٦ مجيب عن لزوم التاخير فى التدفين:

نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنے سے زیادہ تاخیر نہیں آتا [کذا: آتی] اس لئے تھوڑا [کذا: تھوڑی] تاخیر ممنوع نہیں، اگر تاخیر ہے بھی تو یہ میت کے نفع کے لئے ہے جیسا کہ ایک قرضدار کے جنازے میں رسول اللہ ﷺ دیری کررہا تھا [کذا: فرمارہے تھے]۔

وقال: اگر یہ بھی نہ تسلیم کیا جائے تو حقیقت میں امر بالاسراع صرف حاملین جنازہ کے لئے ہے نہ کہ مطلق تجہیز جیسا کہ ولی حاضر ہوتا ہو یا وضو کرتا ہو تو تاخیر ممنوع نہیں ہے۔

اقول: من فرق بين القليل والكثير؟ وبم ذا فرق؟ وما هو الفارق؟ هذه اسئلة لا اظنک تجيب عنها الا بالجزاف والتخرص حتى تقوم الساعة۔ ثم أى دليل عندكم على جواز التاخير اذا كان لأجل نفع الميت مع أن الفقهاء صرحوا بانهم لو فرغوا عن جهاز الميت قبل صلوة الجمعة كره لهم التاخير فى صلوة الجنازة ليصلى عليه جمع عظيم أليس فى صلوة الجمع العظيم على الميت واستغفارهم له نفعا عظيما له۔ فلم ذا أطبق الفقهاء على كراهة التاخير۔ وفى فتاوى الغرائب: ان كان حفظ الميت لأجل

ختم القرآن أو لرؤية الغائب ونحوه لايجوز بل أقبح بدعة اه (الجوهر النفيس، ص: ۸۳)

ثم ايصال النفع هل يتوقف على حبس جثته؟ على ان الميت مؤمن (ولو كان غير ذلک فقد دعا عليه النبی ﷺ بقوله: فبعداً لأهل النار ولی ينفعه دعائک ودعاء الامة جمعآء له بعد دعائه عليه عليه السلام) وظنوا المؤمنين خيرا فسيكون قبره روضة له من رياض الجنة، فبالله قل أبحبسک اياه عن روضة الجنة تظلمه أم تنفعه، ولهذا المعنى قال النبی الناصح الامين صلوات الله تعالى وسلامه عليه: ان يک خيرا قدمتموه اليه وان يک شرا فبعداً لأهل النار۔ "وان فی هذا الذكرى لمن كان له قلب أو القى السمع وهو شهيد۔

واما ماتفوه به ان النبی ﷺ آخر صلوة الجنازة على مديون فهذا من الكذب على القائل: من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، ﷺ وساحته الكريمة برينة عنه وانما الثابت فی كتب السنة أنه كان يتأخر عنها ويأمر أصحابه: صلوا على صاحبكم ليبين لهم حقوق العباد سيما معاملة الدين،

وأما تخصيصه الأمر بالاسراع بالحاملين فقط وانكاره عن الاسراع فی مطلق التجهيز فليس بالأول من أبكار افكاره الفاسدة وجزافاته الكاسدة، دع عنک البدائع وفتح القدير وغيرهما من الاسفار الكبار فأين الثريا من الثرى ولكن راجع كتاب "الجوهرة النيرة" فانه شرح المختصر القدوری يطالعه الصبيان وهو بمتناول من كل احد ففيه ۱/۱۲۳: ويبادر الى تجهيزه ولايؤخر ۔ لقوله ﷺ: عجلوا بموتاكم فان يک خيرا۔۔۔ الحديث۔

وراجع الى الدر المختار مع رد المحتار ۱/۵۷۲: ويسرع فی جهازه۔ وفی "تجهيز الجنازة"

للبوبكانی رحمه الله ص ۱۵: ويسرع فی جهازه ودفنه۔

File Adress:

وفی شرعة الاسلام وشرحه ص ۵۷۰: ویسرع فی تجهیزه وتکفینه فان النبی ﷺ قال: اذامات المیت غدوة فلایقیلن الافی قبره الحدیث۔

وفی تعلیقات "التجهیز" ص ۴۱ ناقلاعن "کنز العباد" التعجیل فی تجهیز المیت والتوبة من الواجبات وفیه مهیلا علی " نافع المسلمین" ان العجلة من الشیطان والتأنی من الرحمن الافی الخمسة وذکر منهاتجهیز المیت۔

وفیه ص ۸۳ عن جابر رضی اللہ عنہ : أمرنا من الله ورسوله بسرعة تدفین الموتی ،قلت: أماأمر الرسول ﷺ فقد سمعته مراراً وأما أمر الله تعالی فلایبعد أن یکون فیه تلمیح الی لطیف مادلت الفاء علیه فی قوله تعالی: ثم اماته فأقبره فان المراد من الاقبار هو الامر بجعل المیت بحیث یصلح للدفن۔ والله تعالی اعلم۔ وفیه أیضاً حکایة عن البعض: ان تأخیر دفن المیت حرام ونحن مأمورون بتعجیل دفنه۔

وتمسکه ای تمسک صاحب الورقات بها فی حاشیة أبی داؤد والنسائی لایجدی نفعاً لا نه یتعلق بحدیث أبی سعید رضی اللہ عنہ وأبی هریرة رضی اللہ عنہ من بعض الطرق وههنا أحادیث أخری صریحة فی الاسراع فی الجهاز۔

منهاحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ بحوالة شرعة الاسلام أخرجه الطبرانی وحسنه السیوطی رحمہ اللہ کمافی الجامع الصغیر مع فیض القدیر ۲/ ۲۷۷،

ومنها حدیثه فی المشکوة ۱/ ۱۴۹: اذامات أحدکم فلاتحبسوه واسرعوا به الی قبره اه قال الحافظ ابن حجر فی الفتح: أخرجه الطبرانی باسناد حسن،

ومنهامافی سنن أبی داؤد ۲/ ۹۴: أنی لاأری طلحة الاقد حدث فیه الموت فآذنونی به وعجلوا، فانه لاینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی أهله۔ اه

فهذه الاحادیث صریحة فی ان المراد من الاسراع هو الاسراع فی الجهاز وقد وردت فی کتب السنة أحادیث تحتمل الوجهین، وقدرد الفاکهی رحمہ اللہ قول

النووی ﷺ وصوب قول من حمله علی الاسراع فی الجهاز ویظهر من الحافظ ابن حجر ﷺ ارتضائه بقول الفاکهی ﷺ راجع "الفتح" ۱۴۷/۳۔

۱۳۔ وقال صاحب الورقات مجیبا عن فتوی الشیخ المفتی کفایت الله ﷺ والشیخ سرفراز خان صفدر ﷺ: "بریلوی علماء بعد از سلام مطلقاً دعا جائز سمجھتے ہیں خواہ حالتِ قیام میں ہو یا بعد کسر الصفوف ہو تو ان دونوں بزرگوں نے (تشدد سے کام لیتے ہوئے) مقابلہ مطلقاً ممنوع فرمایا، حالانکہ تشدد سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ اعتدال سے عمل کرنا چاہیے، لایجرمنکم شنآن قوم علی ان لاتعدلوا۔

اقول: تجوز الدعاء بعد الجنازة مطلقاً افتراء علی البریلویة فقدصرح کبیرهم المفتی احمدیار خان أن الکراهة محمولة علی الدعاء قبل کسر الصفوف ثم من کان عارفاً بما منح الله تعالی من المکانة الرفیعة فی العلم والتقی للشیخ العلامة کفایة الله۔ ذلک الفقیه اکبر مفتٍ علی بسیط الارض فی وقته الذی سارت بفتاواه الرکبان شرقاً وغرباً وخضعت له رقاب العلماء عرباً وعجماً ومن طالع صحیفة الحیاة للشیخ صفدر المتفرد من بین اقرانه بالاقتصار والاعتدال لایجترئ علی الطعن المذکور ولکن القضیة کماقال المتنبیه

من لم یعرف نفسه قدره

یری منه غیره مالا یری

قل لهذا المسکین: لایستطیع امثالک ان یدرکوا شأو هذه الجبال وقعر هذه البحار فمن أین لک النقد علیهم؟

وکم من عائبٍ قولا صحیحاً

أفته من الفهم السلیم

ثم حکی فتوی مدرسة سماها "قائم مقام دیوبند" وقضی انها خالیة عن

الافراط والتفريط۔

اقول: قد اصدرت هذه المدرسة كتابا يخالف رأيک ثم كتاب "فتاوی دار العلوم ديوبند" مطبوع مشهور وقد صرح فيه بان الدعاء المذكور مكروه وبدعة المدرسة المذكورة من فروع "ديوبند" وعلماءها (المدرسة المذكورة) تلمذوا على مشائخ ديوبند ويفتخرون بهم فلا ندری ان الاصل يكون اولی بالاعتبار ام فرعه وقول المشائخ أقمن بالقبول ام قول تلامذتهم، علا انه لو قدم الی فضيلة مشائخ المدرسة المذكورة تفاصيل ما يفعله الجهلة والمتجاهلون في بلادنا لأفتوا بكونه بدعة من غير تردد ثم لو لا الأدب لكان من الممكن ان يقال ان الفتوی المذكور روعی فيها جانب التشدد للرد علی البنج بيرية۔

۱۴۔ وقال فی صحفة ۸: البتہ جواز کی صورت میں التزام ممنوع ہے لیکن دوام اور التزام میں فرق عظیم ہے۔

قلتُ: لا احسب مسلما ينكر الدعآء وانما يمنع من منع التزامه واهتمامه وای التزام يكون اشد من التزام العوام واشنع نراهم اذا ترک احد من المسلمين بل الورع الثقة التقی من اهل العلم هذا الدعاء رموه بالبنجبيرية والوهابية من الدين، ثم من يجتمع علينا بما فی التعليق العجيب علی شرح التهذيب كان من الواجب عليه ان يذعن لقول البهاری رحمہ اللہ فی السلم: ثم الدوام لا يخلو عن لزوم سببی، وشيد اركانه العلامة محمد ابراهيم فی "ضياء النجوم" وغيره فی غيره۔

۱۵۔ وقال مفتريا علی الفقهاء انهم قالوا يأتی المسبوق بالتكبيرات والدعاء ان لم ترفع الجنازة الی الاكتاف والا يكتفی بالتكبير مع ان الفقيه الشهير الامام قاضی خان والمحقق ابن الهمام وغيرهما صرحوا بان المسبوق يأتی بالتكبير بدون الدعاء وان رفعت الجنازة يقطع التكبير ولم اجد فی كتب الحنفية اتيان المسبوق بالدعاء،

File Adress:

وقال مجيباً: ان الفقهاء قد يفرعون على الممنوع والمحرم من الامور كالقيام الى الخامسة والزنا۔

قلت: هذا انموذج من جرأتهم على الله عز وجل وعلى رسوله ينزلون ما هو عين السنة منزلة القيام الى الخامسة الممنوع اجماعاً ومنزله الزنا المحرم قطعا عياذا بالله كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا وفي مثل هذا القياس يقال: ان اول من قاس ابليس۔

۱۲۔ وقال في ص ۹: پہلے تو آپ نے بتایا تھا کہ دعا بعد صلوۃ الجنازۃ بدعت اور ممنوع ہے اب مباح ہوا عجیب زبان اور عجیب دلیل ہے۔

قلت: ونحن نتعجب من تعجبكم فقد يعلم صبية المكتب انه كم من شيء يكون مباحا بل مندوبا وسنة بحسب الاصل ويصح بعروض العوارض حراماً وبدعة أفيتعجب منه عالم بل عاقل؟ ثم هذا الدليل الذى ذكرته من الذى حدثك به؟ نعوذ بالله من مثل هذه السخافة والخرافة، نعم نقول وقد قاله غير واحد من السلف ان الامر اذا دار بين كونه سنة وكونه بدعة فتركه واجب، فالدعاء المعهود لو ثبت استنانه لكان تركه اليوم واجبا لأجل ما ابتدعوه واختلفوا فيه من الزيادات۔

وأجاب صاحب الورقات عن عبارات الفقهاء بان المراد من البعدية مطلقها ويكفى لصدقها حملها على البعدية القريبة اعنى بعد الجنازة قياماً قبل كسر الصفوف۔

قلت: هذا جزاف بل مرادهم هى البعدية المقيدة بما قبل الدفن اذا كان الدعاء بهيئة الاجتماع نظرا الى السنة النبوية اذهى المأخذ القوى والمنبع الصافى لاقوال الفقهاء رحمهم الله تعالى فالبعدية مأخوذة فى مرتبة بشرط شيء ولا بشرط شيء فانهدم قاعدة الجواب وخرّ سقف الاستدلال، وقد تناقض كلام المجيب كما

هو شان الباطل فتارة يقول بجواز مطلق الدعاء ويقول لايصح تخصيصه وتقييده بالاجتماع والانفرادوالاتصال وتارة يقول لايجوز متصلا ويجوز اذا كان بانفصال،ويقول مرة : الدعاء مطلق يجرى على اطلاقه ويقول اخرى:هوعام ليس بمطلق۔ وقال ان بين المطلق والعام والمقيد والخاص فرقا عظيما وأحال تحقيقه الانيق على التعليق العجيب ونحن نقول : الامر اليک فان شئت فاحكم بان الدعاء مطلق وان شئت فقل انه عام، لكنه ليس بجائز ولا طاعة وعبادة على الاطلاق والعموم كمايشعر به قوله سبحانه: "انه لايحب المعتدين"۔

واقوال المفسرين رحمهم الله تحته مبسوطة فى التفاسير ولا بد لجوازه وكونه عبادة من التخصيص فى الداعى والمدعو له واللفظ واللهجة والزمان والمكان كما لايخفى على من له معرفة بالاحكام وعلى الاقل لا إخالک شاكا فى كراهة الدعاء تحريما بعد التشهد فى القعود الاول من الثلاثية والرباعية حتى الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم وهى افضل الدعوات واقرب القربات وحكموا بوجوب سجود السهو على من ارتكبه۔

ثم مااستدل به صاحب الورقات من ادلته الثمانية لايلتفت اليه لان مدعاه خاص ومااستدل به عام فلايكون التقريب تاما كما لايخفى على من له معرفة بمبادى المناظرة وعلم الجدل، وهذا الجواب الاجمالى يكفى المراد عليه ولكن نبحث على سبيل التنزل عن متمسكاته تفصيلاً لاتمام الحجة والزام المحجة والله تعالى هو الموفق۔

تمسک صاحبنا فى ورقاته اولاً بقول الله عز وجل:" فاذا فرغت فانصب والى ربک فارغب" واستدلاله بهذه الأية الكريمة فاسد وباطل من وجوه۔

اما اولاً: فلكون التقريب غير تام كما اسلفنا۔

File Adress:

وأماثانياً فلانه بعمومه يفيد جواز الدعاء قياماً قبل كسر الصفوف ايضاً بل مفاد الفاء فى قوله" فانصب" هو التعقيب مع الوصل حسب زعم المستدل وهو معترف بعدم الجواز فماهو جوابه فهو جوابنا۔

وأماثالثاً فلاحتمال خصوص الحكم بالنبى ﷺ اذ الخطاب معه ويؤيده احتواء السورة الكريمة على خصائصه ﷺ ومزاياه فيكون الدليل خاصا من هذه الناحية وهو يدعى العموم۔

وأمارابعاً: فلعدم الجزم بان المراد من الفراغ هو الفراغ عن الصلوة وانتماءه الى حبر الامة ﷺ يستدعى الثبوت وصحة النقل فان تفسير سيدنا ابن عباس ﷺ مطبوع موجود بايدينا ليس فيه شيء مما ذكره۔

المستدل فى تفسير هذه الاية، وفى اسناد ابن جرير ﷺ ظلمات لابد من كشفها، وقد حكى الامام ابو بكر الجصاص الرازى الحنفى ﷺ فى احكامه ۴۷۳/۳ عن ابن عباس ﷺ: اذا فرغت من فرض فانصب الى ما رغبك تعالى فيه من العمل۔

وأما خامساً: فلعدم القطع بمراده من الصلاة ما يعم صلوة الجنازة بل الظاهر أن المراد هى الصلوة الكاملة ذات الركوع والسجود اذ المطلق يحمل على المفرد الكامل عند اطلاقه ولأنها هى الصلوة الشرعية حقيقة وصلاة الجنازة ليست بصلاة حقيقة بل اسما فقط۔ قال الامام شمس الائمة السرخسى ﷺ فى المبسوط ۶۴/۲ : ولأن هذه ليست بصلاة حقيقة انما هى دعاء واستغفار، وقال المحقق ابن نجيم ﷺ فى البحر ۱۸۷/۲ : انها ليست بصلاة حقيقة اهـ وقال العلامة الكاسانى ﷺ: انها ليست بصلاة حقيقة وانما هى دعاء واستغفار للميت كما فى البدائع ۳۱۴/۱ فيجب حملها على الحقيقة لعدم الصارف۔ وقد حكى

File Adress:

السيوطي ﷺ في الدر المنثور ٦/ ٣٦٥ برواية ابن مردويه عن ابن عباس ﷺ نفسه في تفسير هذه الاية: قال الله عز وجل لرسوله: اذا فرغت من صلاتك وتشهدت فانصب الى ربك اه وصاحب البيت أدرى بما فيه فقد عين هذا النقل أن المراد من الصلوة مايحتوى على التشهد وهي الصلوة الكاملة، وحكى السيوطي ﷺ أيضاً عن الضحاك ﷺ: كان ابن مسعود ﷺ يقول: أيما رجل أحدث في أخر صلاته فقد تمت صلاته وذلك قوله تعالى: فاذا فرغت فانصب قال: فراغك من الركوع والسجود والى ربك فارغب۔قال : في المسئلة وأنت جالس ، وروى ابن جرير ﷺ في تفسيره ٣٠/ ١٥٢ عن الضحاك ﷺ: فاذا فرغت فانصب يقول: من الصلوة المكتوبة قبل أن تسلم فانصب اه ، وفي تفسير المظهري ١٠/ ٢٩٣ وغيره عن الشعبي ﷺ: اذا فرغت من التشهد فادع لدنياك وأخرتك اه۔ فهذه الشواهد الواضحة والنصوص الناصعة تنادى جهارا أن مرادهم من الصلوة هي الصلوة الكاملة۔

ولا احسب يجحده الا من اعمى الله قلبه واغشى بصره وأصم سمعه فهل يسوغ بذلك الاستدلال على جواز الدعاء بعد الجنازة؟

وأما سادساً: فلما حكى القاضي ﷺ في تفسيره المظري ١٠/ ٢٩٣ عن ابن مسعود ﷺ: فانصب في قيام الليل ، وتقدم عن ابن عباس ﷺ: فانصب الى مارغبك تعالى فيه من العمل اه

وأما سابعاً: فلأن الماثور عنه ﷺ بعد المكتوبات دعوات مختصرة ولم يؤثر عنه بعد الجنازة شيء من الدعاء لاقصر ولا طويل فلو كان المراد من النصب هو الاتعاب بالدعاء لأتعب النبي ﷺ وأطنب لأنه ﷺ أحق الناس بالعمل بأمر ربه جل وعلا سيما اذا كان توجيه، فالأقرب الى الصواب تفسيره بالنصب في قيام الليل

فقد نصب ﷺ وأتعب فی قیام اللیل حتی تورمت قدماه فدیناه بأنفسنا وأعراضنا وأبائنا وامهاتنا۔

هذا وقد بسطنا بعض البسط فی الجواب وبقی بعد خبایا فی الزوایا طوینا الکشح عنها مخافة السامعة وکراهة الاطناب، ولا علینا ان نتحف القاری الکریم بما ذکره أئمتنا الحنفیة فی تفسیر هذه الآیة، لعل الله سبحانه یکشف به الاغطیة عن قلوب غلف والاغشیة عن أعین عمی ویفتح بی أذانا صما وهو ولی الهدایة والرشاد، قال الامام أبو البرکات النسفی رحمه الله: اذا فرغت من دعوة الحق فاجتهد فی عبادة الرب (المدارک علی الخازن ۳۹۰/۴) وقال المحقق أبو السعود الحنفی رحمه الله: فاذا فرغت من التبلیغ وقیل من الغزو فانصب فاجتهد فی العبادة وأتعب وقیل: اذا فرغت من صلاتک فاجتهد فی الدعاء وقیل: اذا فرغت من دنیاک فانصب فی صلاتک (تفسیره علی الکبیر ۴۸۶/۸) وقال العلامة الألوسی رحمه الله: فاذا فرغت ای من عبادة کتبلیغ الوحی فانصب فی عبادة اخری (روح المعانی ۴۰۴/۹ طبع بولاق) وقال جار الله الزمخشری رحمه الله فی الکشاف ۲۶۷/۴) ما محصله أن المراد أن یواصل بین بعض العبادة وبعض فاذا فرغ من عبادة اتبعها بأخری۔

وتمسک ثانیاً ببعض الاحادیث منها حدیث أبی هریرة رضی الله عنه: اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء ولا یخفی مافیه من التعسف فقد أطبق شراح الحدیث قدیما وحدیثا کالنووی والمحدث القاری والشیخ السهارنفوری وغیرهم علی أن المراد به هو الدعاء فی صلاة الجنازة ویؤیده ما ورد فی حدیث أبی أمامة بن سهل رضی الله عنه: ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یخلص الدعاء للمیت ثم یسلم کما فی التلخیص علی شرح المهذب ۱۷۰/۵ ۔ ولیس من مقتضی الفاء وجود الدعاء بعد الفراغ من الصلاة کما فی قوله عز وجل: فاغسلوا وجوهکم، وقوله تعالی: واذا قرأت

File Adress:

القرآن فاستعذ بالله، وقاله جل وعلا: واذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلاة فلتقم طائفة الآية، وكمافي قوله ﷺ: اذا شهدت احداكن العشاء فلاتمس طيبا، اذا عطس أحدكم فليضع كفيه على وجهه، اذا قمتم فاستاكوا بالغداة، وما ابى ذلك من الآيات والآثار، وكذا الدعاء جزء من صلاة الجنازة والتغاير بين الكل والجزء مقطوع أفلا يكفي هذا التغاير الذاتي لصحة الشرط والجزاء علاأن الحديث على زعمهم يدل على جواز الدعاء عقيب السلام من غير فصل وهم يقولون بكراهته وعدم جوازه فلايفيدهم: ومنها حديث ابن عمر رضي الله عنه وعبد الله بن سلام رضي الله عنه وليس فيه تصريح بأن دعاءهم أين كان ومتى كان وكيف كان؟ ودون ذلك خرط القتاد۔

ومنها حديث صلوته ﷺ على عبد الله بن رواحة رضي الله عنه وجعفر الطيار رضي الله عنه ودعاء ه لهما بحوالة فتح القدير لابن الهمام رحمه الله وهو حديث ضعيف ضعفه ابن الهمام رحمه الله نفسه وقد خان الناقل حيث نقل الحديث عن ابن الهمام رحمه الله ولم يذكر كلامه عليه في رده وتضعيفه، وأراد أن يلبس ولكن الله لا يهدى كيد الخائنين، والخيانة أسوء خصلة سيما اذا كانت في الدين والعلم، ولو سلم صحته۔ ولا يمكن ذلك ابداً ما دام الواقدى راويا له ومعروف أنه كذاب ووضاع۔ فالجواب عنه ان قوله: ودعاله عطف تفسير لقوله: صلى۔

واحتج صاحب الورقات بمسئلة التعزية، وهو من عجائب الدهر، وهكذا الغريق يتشبث بالحشيش وقد قالوا بالفارسية: سوال از آسمان جواب از رسيمان، فهل الدعاء بعد صلوة الجنازة تعزية؟ وقد صرحوا عن آخرهم أنه يكره التعزية ثانيا، ثم من قبيح الجهل بالمذهب أنه حكى عن الميزان وقرره أن التعزية سنة قبل الدفن لا بعده عند أبي حنيفة رحمه الله وقد صرح ابن عابدين وغيره بأنها بعد الدفن أفضل منها قبله كما في منحة الخالق على البحر ۲۰۷/۲، ورد المحتار ۲۰۳/۱ وهكذا في

الجوهرة ۱/۱۳۴ والهندية ۱/۱۶۷ وقد كرهها بعض المشائخ قبلا لدفن كما في الجوهر النفيس ص: ۱۴۱ كما هي مكروهة عند القبر حكاه في البحر ۲/۲۰۲ ناقلا عن القنية عن شداد ﷺ، بل قال ابراهيم ﷺ: هي عند القبر بدعة كما في رد المحتار، والشعراني مع علو كعبه وجلالة شأنه لا يوثق به في نقل المذهب الحنفي سيما اذا كان نقله خلاف ما نص عليه الفقهآء الحنفية وهذا ليس بمستعد فقد تسامح شيخ الاسلام المرغيناني ﷺ صاحب الهداية في نقل مذاهب الغير في مواضع من كتابه۔

ومن الطرائف أن صاحب الورقات مع انتحاله الى التفقه والتصرف أغرب فأغرب عن هذة المسئلة بتعبيرات منطقية ونحن نرحب به ونهنوّه على تلك التعبيرات وجدة المسلك ومحصل ما قاله أن قول الفقهآء: لا يدعو بعد التسليم يرجع الى قضية موجبة كليه سالبة المحمول دائمة أو ضرورية أو الى سالبة كلية كذالك ثم تكلف في ابطالها باثبات النقيض ولا يخفى وهن كلامه فان رجع قول الفقهآء الى المسئلة وهي في حكم الجزئية ثم هي موجهة بالاطلاق العام وليست بدائمة فضلا عن الضرورية ،ومن المعلوم ان نقيضها كلية دائمة أعني كل مصل الجنازة يدعو بعد الجنازة بالدوام أو لا شيء من الدعاء بعد الجنازة بمكروه دائماً ولا أحد من اهل العقل في فساده، ولو سلم أن مآل قولهم الى موجبة كلية دائمة سالبة المحمول أعني "كل مصل الجنازة لايدعو بعدها بهيئة اجتماعية قبل الدفن دائماً" فنقيضه "ليس بعض مصلي الجنازة لايدعو بعدها بهيئة اجتماعية قبل الدفن بالفعل ويساويه" "وبعض مصلي الجنازة يدعو بعدها قبل الدفن بهيئة الاجتماع"۔ ومن الذي قال لك ان هذا النقيض أو مايساويه حق وثابت بل هو باطل لمعارضته النصوص الصريحة الواردة خلافه عن فقهائنا فثبت الأصل وقس على هذا لو كان

المرجع السالبة الكلية الدائمة ولقد غفل صاحب الاوراق أو تغافل ولا اقول جهل أو تجاهل حسن ظن به عن شرط وحدة الزمان ووحدة الشرط فزل قدمه وضل قلمه فتعفوه بما تعفوه وفي كلامه مفاسد اخرى يعوقني ضيق الفرصة عن بيانها۔

وأخيراً نقدم امام قرائنا الكرام نقول فقهاء الاحناف العظام في المسئلة المبحوثة عنها ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيي عن بينة ويفعل الله ماشآء، والمأمول من الاخوان والمسئول من السادة العلماء أن يطلعوني شفاها أو كتابا على قول حنفي أو مالكي أو شافعي أو حنبلي يكون جواز الدعاء بعد الجنازة قبل الدفن اجتماعا مصرحا فيهم وانما الدين النصيحة، والعلم بالتعلم،

ورحم الله عبدا أنصف ولم يتعسف هذا واليكم عبارات الفقهآء البارعين من الحنفية من كتبهم المعتبرة:

۱۔ قال الامام أبو بكر بن حامد رحمہ اللہ: ان الدعاء بعد الجنازة مكروه (نفع المفتى والسائل، ص: ۱۴۳ وغيره)

۲۔ وقال الامام شمس الائمة الحلواني رحمہ اللہ: لايقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة (قنية: ۵۶/۱)

(قوله: ولا يقوم بالدعاء)

"معناه لايتوقف ولا يهتم بأمر الدعاء بعد الجنازة فان القيام اذا وقع في صلته الباء يكون بمعنى الاهتمام والمحافظة للأمر واذا ورد في صلته اللام يكون بمعنى القيام ضد القعود كما لايخفى على من تتبع محاورات العرب۔ قال عز اسمه: ليقوم الناس بالقسط وقال: قائما بالقسط، وقال الامام العلامة ابن منظور اللغوي رحمہ اللہ في لسان العرب ۴۰۳/۱۵: وكذا فلان قائم بكذا اذا كان حافظا له ومتمسكا به وقالوا: فقام بأمر الخلافة خير قيام وفلان يقوم بأمر الافتاء والتدريس ويدل ما ذكره

صاحب البزازية وصاحب الفتاوى السعدية وغيرهما فى التعليل ان حكم الكراهة غير مقصور على القيام، ولو سلم أن المراد من القيام فى هذه العبارات هو القيام ضد القعود فنقول أن قول من ذكر القيام مقيد وقال ابن نجيم رحمه الله والقارى رحمه الله وأبى بكر بن حامد رحمه الله مطلق والمقيد يجرى على التقييد والمطلق يجرى على اطلاقه اذا كانا منفيان كما ذكره العلامة محب الله البهارى رحمه الله فى مسلم الثبوت وغيره وأيضاً: اذا كان الدعاء حالة القيام مكروهاً فهو فى حالة القعود أولى بالكراهة للزوم الزيادة فى التاخير فى التدفين فى القعود بالنسبة الى القيام هذا والله تعالى ولى الهداية وبيده أزمة التوفيق وأعنة التحقيق"۔

(ملاحظة) زعم بعضهم ان النهى مقيد بما قبل كسر الصفوف قلت: لم يصرح أحد من فقهائنا هذا التقييد ومن ادعى فعليه البيان ولا عبرة بقول بعض المتفقهين من المعاصرين والله يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

۳۔وهكذا أفتى شيخ الاسلام العلامة السعدى رحمه الله المتوفى سنة ۴۶۱ھ ج (ايضاً)

۴۔وقال الامام محمد بن شهاب الكردرى رحمه الله: لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة لأنه داعا مرة۔ (البزازية على هامش الهندية: ۸۰/۴)

۵۔وقال الامام سراج الدين الأوذى رحمه الله: اذا فرغ من الصلاة لا يقوم بالدعاء (سراجية: ۲۳)

۶۔وقال العلامة طاهر بن احمد البخارى رحمه الله: لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة وقال ايضاً: لا يقوم بالدعاء فى قراءة القرآن لاجل الميت بعد صلاة الجنازة وقبلها۔ (خلاصة الفتاوى: ۲۲۵/۱)

۷۔وقال العلامة القهستانى رحمه الله: ولا يقوم داعيا له۔ (جامع الرموز)

File Adress:

۸۔وقال الحبر البحر ابن نجیم رحمہ اللہ: لایدعو بعد التسلیم ۔ (بحر الرائق ۱۸۳/۲)

۹۔ وقال المحدث القاری رحمہ اللہ: ولا یدعو بعد صلاۃ الجنازۃ ۔ (مرقاۃ: ۲۱۹/۲)

۱۰۔وقال العلامۃ حامد بن کمال الدین البوکانی رحمہ اللہ: ولا یدعا بعد التسلیم۔(تجہیز بجنازۃ:۱۰)

۱۱۔وقال الشیخ عبد الحی اللکنوی رحمہ اللہ فی جواب سوال: أی صلاۃ یکرہ الدعاء بعدھا؟ أقول: ھی صلاۃ الجنازۃ علی روایۃ۔ قال الزاھدی رحمہ اللہ فی القنیۃ عن أبی بکر بن حامد: الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ، ثم قال: وقال محمد بن الفضل الفضلی: لا بأس بہ، ونقل عن ط ای المحیط: لا یقوم للدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ ۔(نفع المفتی والسائل، ص:۱۴۳)

۱۲۔وفی التتارخانیہ: ولا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ ۔(الجوھر النفیس، ص:۷۷)

۱۳۔وأفتی ابن امیر الحاج فی المدخل: ۲۲/۳

۱۴:والعلامۃ البرجندی رحمہ اللہ فی فتاواہ: ۱۸۰/۱

۱۵:والعلامۃ قطب الدین الدھلوی رحمہ اللہ فی مظاھر الحق شرح المشکاۃ ۷۵/۲ بمنعہ وکراھتہ کما فی احسن الفتاوی، ص:۱۱۷۔۱۱۸

۱۶۔وفی "مجموعہ خانی" دعا نخواند وفتوی برین قول است ۔(راہ سنت:۱۹۶)

۱۷۔وفی "فتاوی برھنہ" ص:۳۶:وبعد ایستادہ نماند برائے دعا۔

۱۸۔وفی "مجموع الفقہ" وعلیہ الفتوی (الجوھر النفیس علی ھامش التجھیز، ص:۷۷)

۱۹۔وقال العلامۃ المفتی سعد اللہ المتوفی سنۃ ۱۲۹۲ھج: خالی از کراہت

زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع میکنند۔ (فتاوی سعدیہ ص: ۱۳۰)

۲۰۔وقال المفتی الاعظم بالباکستان صاحب "معارف القرآن" العلامة محمد شفیع ؒ: الدعاء للمیت وقراءة شیء من القرآن بعد صلاة الجنازة لایصال الثواب الی المیت لم یثبت عمن هو أشفق علی امته وآله واصحابه من سائر الآباء والامهات ولا عن احد من خلفائه الراشدین ومن بعدهم من الصحابة والتابعین فلو کان فی ذلک حسن لسبقونا الیه، فعرفنا من ههنا انه بدعة وضلالة ولیس بعمل صالح قد قال فیه تبارک وتعالی، لایضیع عمل العاملین وقد صرح به فی خلاصة الفتاوی۔ (امداد المفتیین: ۱/۱۷۱)

۲۱۔وقال العارف بالله المفتی عزیز الرحمان ؒ المفتی الاعظم بدار العلوم دیوبند: نماز جنازہ کے بعد دعا مشروع نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/۳۰۵)

وقال فی فتوی أخری له: قال الشامی: فقد صرحوا عن أخرهم بأن صلاة الجنازة هی الدعاء للمیت اذهو المقصود، ولم یرو عن السلف بعدها بهیئة اجتماعیة فالأولی الاقتصار علیها وان لم یفسق فاعله، وکیف یجوز أن یقال لتارک البدعة انه فاسق فاجر والفاسق من ینسبه الی الفسق اهو کان فی عبارة السائل: فمنهم من قال انه ای الدعاء بعد الجنازة سنة حسنة تارکه فاسق فاجر۔ (ایضا)

۲۲۔وقال فقیه الهند والمفتی الأعظم بشبه القارة مولانا کفایة الله الدهلوی ؒ: نماز جنازہ سے پہلے یا اس کے بعد پہلے اجتماع واہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا حدیث وفقہ وسلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں لہذا مکروہ وبدعت ہے۔ (کفایت المفتی: ۴/۱۱۱)

۲۳۔ وقال الفقیه الشهیر مولانا المفتی رشید احمد اللدیانوی: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت نہیں اس لئے فقہاء

اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں۔ (احسن الفتاوی)

۲۴۔ وحقق کراهته الشيخ العلامة صفدر في "المنهاج الواضح" فراجعه (من ص: ۱۹۳ الی ۲۰۶)

۲۵۔ وفي فتاوى قاضي خان رحمه الله على هامش الهندية، ج: ۱، ص: ۱۹۲: والمقتدي لايشتغل بقضاء ما سبق قبل فراغ الامام وان لم يكبر مع الامام حتى كبر الامام أربعا كبر هو الافتتاح قبل أن يسلم الامام ثم يكبر ثلاثا قبل أن يرفع الجنازة متتبعا لادعاء فيها فاذا رفعت الجنازة من الارض يقطع التكبير اه ونحوه في خلاصة الفتاوى وفتح القدير وبدائع الصنائع والبحر وردا لمحتار وغيرها من كتب المذهب، ففي هذه العبارة دلالة واضحة على أن المعمول بين المسلمين في عصور هؤلاء الائمة رفع الجنازة بعد سلام الامام على الفور ((وما روى عن الامام محمد بن الفضل رحمه الله من أنه لابأس بالدعاء بعد الجنازة فمحمول على الكراهية التنزيهية وقد صرح الامام النسفي رحمه الله في كشف الاسرار وغيره من المحققين أن لفظ "لابأس به" "الى هذا كان يشير العارف بالله الفقيه المتفرد الشيخ رسول شاه المعروف به [ڈوڈھے استاذ] رحمه الله تعالى بالافغانية: لابأس خهے ترے نه اوباسه" يدل على الكراهية وأن ما يقابله من السنن الزوائد فلاخلاف بينه وبينهم في أصل الكراهة ويمكن أن يحمل قوله على نفس الدعاء من غير التزام على الانفراد بدون

التاخير في التدفين وقولهم على الدعاء اجتماعا مع الالتزام وحبس الميت له للوفاق خير من الشقاق والله سبحانه أعلم)

كما لاخفي على من له معرفة بأساليب الكلام، فهم المطالب۔

هذا ونسأل الله سبحانه الهداية والتوفيق لمايحبه ويرضى من القول والعمل والنية والهدى۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ، واجعلنا من الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه ولاتجعلنا من الذين يجادلون في الله بغير علم ولاهدى ولا كتاب منير واذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه اٰباءنا أٰلو كان الشيطان يدعوهم الى عذاب السعير، اللهم انانعوذبک من علم لاينفع وعمل لايرفع ودعاء لايسمع ومن قلب لايخشع الک على كل شيء قدير وباجابة دعوات العبيد جدير اللهم صل وسلم وبارک على افضل الكائنات خير البرية حبيبک ونبيک الأمي سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰله وصحبه وصالحي أمته أجمعين وصل وسلم وبارک على جميع الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين وجميع عبادک الصالحين وعلينا معهم برحمک يا أرحم الراحمين۔

(۷)

حیلہ کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

وبعد! حیلوں کی مشروعیت پر عموماً ''سورۂ ص'' کی آیت ''وخذ بیدک ضغثا به ولاتحنث'' سے استدلال کیا جاتا ہے مگر یہ استدلال بوجوہ خالی از اختلال نہیں۔

اولاً: نص میں جو حکم وارد ہوا اس کو ''حیلہ'' نہیں کہا جا سکتا:

لأنها الحذق فی تدبیر الامور وتقلیب الفکر حتی یهتدی الی المقصود کما صرح به ابن نجیم ﷺ فی الاشباه [۲۱۹/۴]۔

سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت میں یمین کا کفارہ مشروع نہیں تھا:

کما ذکره ابن العربی ﷺ فی الاحکام ،وما ذکره القرطبی ﷺ فی الرد علیه فهو مردود ،وابن القیم فی الاغاثة والاعلام والحقیﷺ فی الروح وغیرهم فی غیرها وشهد له قوله تعالی: "قد فرض الله لکم تحلة ایمانکم"۔

بتقدیر صحتِ واقعہ یمین حضرت علیہ السلام کے لیے بزمتعین تھا، حق جل مجدہ نے آپ اور آپ کی اہلیہ کے کمالِ عبدیت واخلاص کی وجہ سے حکم میں تخفیف فرمائی اور یہی آپ کے لئے حکم شرعی ٹھہرا، اس میں حیلہ کا معنی کہاں سے آ گیا؟ امت مسلمہ کے لیے وضو واغتسال کا حکم تھا، فقدان القدرۃ کی صورت میں تخفیف نازل ہوئی، تیمم کی اجازت ملی، اس کو "حیلہ" کا نام کیسے دیا جاسکتا ہے؟ بعض محرمات قطعیہ کا استعمال عند الاضطرار جائز قرار دیا گیا اس رخصت وتخفیف کو احتیال وحیلہ کا نام کون دے سکتا ہے؟ لیلۃ الاسراء میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں، بعد میں تفصیلاً فرمایا گیا:

"هی خمس وهی خمسون لایبدل القول لدیَ" [صحیح البخاری ۵۱/۱]

اس کو کون حیلہ کہنے کی جسارت کرے گا؟

الغرض جسے حق تشریع حاصل ہے وہ جیسا چاہے حکم دے، مکلف پر بلا چوں وچرا اس کی تعمیل فرض ہے، چاہے وہ معصوم سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم ہو یا نابالغ غلام کے قتل کرنے کا امر ہو یا مٹی سے بنائے گئے مخلوق کے سامنے نورانی مخلوق کو سربسجود ہو جانے کا حکم ہو یا سو درہ مارنے کے بجائے ایک دستۂ حشیش سے مارنے کا اُثر ہو، "لایسئل عما یفعل وهم یسئلون" شارع کا حکم دین اور شریعت ہے، اس کا حیلہ واحتیال سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

ثانیاً: شرائع من قبلنا ہمارے لئے تب حجت بن سکتے ہیں جب کہ ہماری شریعت میں اس پر نکیر نہ ہو، شریعت اسلامیہ میں حیلوں کی مذمت نصوص صریحہ وصحیحہ میں وارد ہے، اس لئے بھی واقعۂ مذکورہ قابل استدلال نہیں۔

ثالثاً: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء بقول بعض ودیگر اُجلہ اہل علم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس واقعہ کے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ یا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اختصاص کے قائل ہیں تو احتمالِ اختصاص کے ہوتے ہوئے اس استدلال میں کتنا وزن باقی رہ جاتا ہے؟

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز ذلک لأحد بعد أیوب علیه السلام الا الانبیاء علیهم السلام"

۔(درمنثور :۵/۳۱۷)

رابعاً: حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، کہ یہ واقعہ یمین کا تھا یا نذر کا، پھر محلوف علیہ یا منذور کی نوعیت کیا تھی؟ لسانِ نبوت علی صاحبہ الصلاۃ والسلام سے نہ صحیح روایت میں اور نہ ضعیف میں کچھ بھی منقول نہیں، اس سلسلہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے آثار کے مأخذ اسرائیلی روایات ہی ہوسکتی ہیں تو ایسی ضعیف بنیاد پر پوری کتاب الحیل کی عمارت کھڑی کردینے کو قرین انصاف قرار دینا مشکل امر ہے۔

خامساً: اس واقعہ کی تفصیلات سے متعلقہ آثار میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے جو بجائے خود اس کے بے اصل ہونے کی بڑی واضح نشانی ہے: ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافاً کثیرا۔ اور ترجیح یا توفیق بغیر تحکم یا تعسف کے ممکن نہیں کما لا یخفی علی المتتبع۔

سادساً: حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف منسوب واقعہ کی ہوبہو مماثل صورت اب اگر پیش آئے تو کوئی فقیہ اس صورت کا وہی حکم نہیں بتلاتا جو سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے

File Adress:

لیے بیان کیا جاتا ہے پس دیگر مواد مختلفہ کے احکام میں اس کو مستدل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کی نوعیت کچھ اور تھی یا یہ حکم ان کے لیے خاص ہے۔

سابعاً: حضرت ایوب علیہ السلام کی مشہور اور منصوص خصوصیت ان کا بے مثل صبر و تحمل تھا اس واقعہ کی تفصیلات کو صحیح ماننے سے اس کی نفی ہوتی ہے یا کم از کم اس پر یقیناً زد پڑتی ہے۔ غیرتِ حق وغیرہ تعبیرات سے اس کا مداوا نہیں ہوسکتا کما لا یخفی علی المحقق۔

ثامناً: حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے مذکورہ تخفیفی حکم کی علت ان کا کمال صبر اور اہلیہ کی وفا شعاری اور بے گناہی بھی بیان کی گئی ہے، کیا یہ مدار حکم دوسرے مواد میں متحقق ہوسکتا ہے؟

تاسعاً: اپنی بیوی کو معمولی لغزش پر سو درے مارنا کیا از روئے شرع جائز ہے، بلکہ کوئی بھی تعزیر شرعی حد کی حد تک پہنچائی جا سکتی ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کو بلا ثبوت قطعی اس کا مرتکب کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

عاشراً: امام فخر الدین رازیؒ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض کی تفصیلات کے بارے میں وارد بعض آثار کو مقامِ نبوت کے تقاضوں کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا ہے تو جو روایتیں حضرت ایوب علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کی عصمت کے خلاف ہوں تو بلا تردد ان کو رد ہی کیا جائے گا۔ ہماری ان معروضات سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ جن اکابر نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے ہمیں اُن کی علمی جلالت، امامت اور بزرگی میں کچھ تردد ہے۔ حاشا وکلا ہمیں اگر حق تعالیٰ ان کے صف نعال میں جگہ عنایت فرمائے تو ہماری بہت بڑی سعادت ہوگی مگر کبھی ہدہد کو "أحطت بما لم تحط" کی گزارش بارگاہِ سلیمانی میں کرنی پڑتی ہے: ولنعم ما قیل:

گاہے کہ باشد کودکے نادان
بغلط بر ہدف زند تیرے

پھر یہ فقیر ان معروضات میں متفرد نہیں بلکہ بعض اسلاف کا تابع ہے۔

File Adress

وصلی اللہ تعالی علی صفوۃ البریۃ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و جمیع من اتبع سنتہ و اقتفی آثارہ الی یوم الدین۔

اسی طرح بعض حضرات جوازِ حیل پر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنے بھائی کو کسی مخفی تدبیر کے ذریعہ اپنے پاس روکنے کا مسئلہ تھا جو خالصتاً ایک دنیوی قسم کا معاملہ تھا۔ حق تعالی شانہ کی طرف سے بھائی کے روکنے یا نہ روکنے کا حکم نہ تھا۔ حق تعالی نے ایک تدبیر القاء فرمائی جس کی وجہ سے وہ اپنے جائز مقصد کو پاسکا اور اس وقت کے غیر مسلم حکمران کے غیر شرعی قانون کی بجائے شریعت الٰہیہ یعقوبیہ پر عمل کی صورت ظہور میں آئی، اس کا متنازعہ صورت سے کیا تعلق ہے؟

"خذ بیدک" یا "کذلک کدنا لیوسف" وغیرہ نصوص قرآنیہ سے مروجہ حیلۂ اسقاط کی طرح حیلوں کا جواز نکالنا تلاعب بالدین کے مترادف ہے، جس طرح کہ "ارکض برجلک" سے رقص کے جواز پر بعض ہوس پرستوں نے استدلال کیا ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان و نسألہ العصمۃ عن کل غيٍ و ضلال۔

اسی طرح حدیث المقعد کو بڑے زور و شور کے ساتھ حیلوں کے جواز پر بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے، جب کہ مشہور محقق فقیہ و محدث امام ابن المنذرؒ اپنی معروف کتاب الاشراف (۲/۲۹) پر اس حدیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد تکلم فی اسنادہ" اور علامہ قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر [۱۵/ ۲۱۳] پر ابن المنذرؒ کا یہ کلام نقل کیا۔

شوافع کے نامور وکیل امام بیہقیؒ نے سنن کبری [۸/ ۲۳۰] پر اس حدیث کو نقل فرما کر فیصلہ کیا:

"ھذا ھو المحفوظ عن سفیان مرسلا و روی عنہ موصولا بذکر أبی سعید فیہ و قیل عن أبی الزناد عن أبی أمامۃ عن أبیہ و قیل: عن أبی امامۃ عن سعید بن سعد بن

عبادة اھ"۔

اور علامہ ماردینیؒ نے "الجوہر النقی" جو کہ سنن کے ساتھ ذیل میں مطبوع ہے اور مستقلاً بھی۔ مزید فرمایا:

" قلت واختلف فيه على أبي أمامة من وجه آخر ذكره البيهقي في كتاب الايمان عن بعض أصحاب النبي ﷺ انه اشتكى رجل منهم الحديث بالاختصار"۔

امام بیہقیؒ اور دوسرے اکابر کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے، وصلاً وارسالاً۔ پھر وصل کی صورت میں واسطہ بھی مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف ضعیف حدیث کی ایک علامت ہے۔

پھر امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو احمد بن سعید الہمدانی سے روایت کیا ہے جس کے بارے میں امام نسائیؒ نے فرمایا:

"ليس بالقوي"۔[المغني للذهبي رحمہ اللہ: ۷۹/۱ ، خلاصة للخزرجي رحمہ اللہ: ۳۱/۱]

اگرچہ توثیق بھی بعض حضرات سے منقول ہے، تاہم متکلم فیہ تو ہو ہی گیا، جب کہ جرح مفسر ہے۔ كما في التهذيب وغيره

مسند احمد اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں اس حدیث کی سند میں ابن اسحاق مشہور متکلم فیہ راوی موجود ہیں، پھر اس کے متن میں شدید اضطراب ہے جس کو رفع کرنا بلا تکلف اور تعسف کے متعذر ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث کے متن پر درایۃً غور کیا جائے تو اس کا ضعف اس پہلو سے بھی نہایت نمایاں نظر آتا ہے، اس لئے کہ بعض روایات میں اس شخص کے بارے میں آتا ہے کہ "انما هو عظم عليه جلدة" اور "لو حملناه اليك لتفسخت اعضاؤه" اور "لو ضربناه مائة مات أو قتلناه" کیا عقلاً وعادۃً ایسے شخص سے زنا کا صدور متوقع ہو سکتا ہے؟

File Adress:

علامہ ہیثمیؒ نے اس حدیث کے بعض طرق کے رجال کی جو توثیق کی ہے وہ متن کی صحت کو مستلزم نہیں کما لایخفی علی من لہ خبرۃ بالحدیث وعلومہ۔

اور بعد اللتیا والتی حدیث کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو بھی اس سے حیلہ کا جواز ثابت کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ مجرم کی حالت جب ایسی ہو کہ حد کا متحمل نہیں ہوسکتا ہو اور اتلاف کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں یا تو حد بالکلیہ ساقط ہو جائے دنیا میں، جیسا کہ بعض ائمہؒ اجتہاد کا مذہب ہے اور یا "مالایدرک کلہ لایترک کلہ" کے اصول کو اپناتے ہوئے معناً نہ سہی صورتاً حد کا اجراء ہو جائے۔ حدیث سے اسی دوسری صورت کا اثبات ہوتا ہے لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شارع کا فیصلہ دین کا حصہ ہے حیلہ کی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے اسے حیلہ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بے جا نہ ہوگا اگر اس موقع پر ہم اپنے شیخ المشائخ امام العصر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کا وہ ارشاد اُن کی امالی فیض الباری شرح صحیح البخاری [۴/۴۷۹۔۴۸۰] کے حوالہ سے نقل کریں جو یقیناً آب زر سے لکھنے کا قابل ہے:

"ثم ان من نقل الحیل ولم ینقل عبارۃ أبی یوسف ﷺ فی أولها فقد قصر جداً، لأن الناظر اذا رأی الحیل لدفع الحقوق مضبوطۃ مکتوبۃ یظنها جائزۃ فیتحیر من جواز هذه الخدیعۃ فی الاسلام بعد أنه قد کان جاء لمحقها واستئصالها فکیف بهذا الافساد بعد الاصلاح ولو کتبوا فی أول الباب أن الحیل لأخذ أموال الناس حرام عندنا لثلج الصدر فانها لمن ابتلی وأراد تخلیص رقبته مما قد أحیط به فأشفاه علی الهلاک لا لان المقصود منها ترویجها واباحتها لحبط الاموال والعیاذ باللہ۔" والحق قد یعتریہ سوء تعبیر۔

جب کہ اس سے پہلے کتاب الحیل کی شرح کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

"وأعلم ان البخاری ﷺ لم یفرق بین جواز الحیلۃ ونفاذها فکل ما کان یرد علی العقول بالجواز أورده علی القول بالنفاذ مع فرق جلی بین الامرین، فرب شیء لا

یکون فعله جائزا عند الشرع فان تجاسر علیه أحد یعتبر لا محالة کالطلاق فی زمن الحیض اھ باختصار یسیر

ھذا ما وفقنا لتحریرہ فی فرصة قلیلة واللہ تعالی ھو الموفق وقد قال: وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسوله أمرا أن یکون لھم الخیرة من أمرھم"۔ وقال عز اسمه: فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدو فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً"، وقد أمر عبادہ باداء الصلوة والصیام وغیرھا وعند الفوات بالقضاء أو الفدآء فی الصیام واستحسن بعض الائمة المجتھدین الفدآء عن الصلوة أیضاً فعلی المؤمن من ان ینقاد لحکم الشرع ولیس له أن یحید عنه بانواع الحیل۔ وصلی اللہ تعالی علی صفوة البریة سیدنا محمد وعلی اٰله وصحبه وبارک وسلم۔

(۸)

منگنی کا شرعی حکم

''منگنی نکاح ہے یا وعدہ نکاح؟ مولانا محمد امین شہید رحمہ اللہ کا جانبین کے مؤقف کی بھرپور وضاحت کرنے والا استفتاء۔ اس مسئلہ میں حضرت الاستاد کا موقف منگنی کے نکاح ہونے کا تھا۔ از مرتب''

علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی خدمت میں التماس ہے کہ ہمارے علاقے میں بار بار یہ مسئلہ باعثِ نزاع بن رہا ہے کہ منگنی سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں، جب کہ ہمارے ہاں منگنی کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً لڑکی اور لڑکے کے اولیاء کے درمیان بالمشافہ یا بالواسطہ

لینے دینے کی بات چیت ہوتی ہے جب لڑکی والے رضامندی ظاہر کرتے ہیں اور تفصیلات طے ہوجاتی ہیں تو اسی وقت یا کسی اور مقررہ تاریخ کو کچھ لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور بکرا وغیرہ ذبح کرتے ہیں یا مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، پھر مجمع میں ایک شخص طے شدہ بات کا اعلان کرتا ہے، مثلاً: فلان نے اپنی بیٹی فلان کے لڑکے کو دے دی، اس پر دعا ہوتی ہے اور لڑکے کے رشتہ داروں کو مبارک باد دی جاتی ہے۔ اس عمل کے بعد ہمارے ہاں چند امور موجب اضطراب ہیں جو کہ یہ ہیں:

(۱)..... ہمارے علاقہ کے عوام اس عمل کو نکاح نہیں سمجھتے اور رخصتی کے بعد مولوی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھواتے ہیں۔

(۲)..... منگنی کے بعد لڑکے اور لڑکی کے اجتماع کو ناجائز اور انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے حتی کہ بعض علاقوں میں اس پر تعزیر بھی دیتے ہیں۔

(۳)..... منگنی کے بعد بعض لوگ یوں تعبیر کرتے ہیں کہ فلانہ فلان کے نام پر ہوگئی۔

ان وجوہ کی بنا پر زید کا دعوی ہے کہ منگنی نکاح نہیں، اس لئے کہ قاضی خان (۱/ ۳۲۴ علی الہندیہ) میں ہے:

"الوکیل بالنکاح من قبل الرجال اذا قال لأب البنت :وهبت ابنتک منی فقال الاب: وهبت فقال الوکیل مجیباً: قبلت ، ثم ادعی الوکیل انه قبل النکاح لمؤکله الا انه اضمر ذلک ولم یصرح قالوا: ان کان هذا القول من الخاطب الوکیل علی وجه الخطبة ومن الاب ایضاً علی وجه الاجابة لا علی وجه العقد لم یکن نکاحاً"۔

نیز ص:۳۲۱ پر ہے کہ

"ولو قالت وهبت نفسی منک فقال الرجل اخذت قالوا لا یکون نکاحاً"۔

اور اپنی تائید میں فقیہ الہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا فتوی بھی پیش کرتے ہیں:

کفایت المفتی، ص:۵/ ۴۰ میں ہے:

File Adress:

''منگنی کے وقت جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ وعدہ نکاح کے ہوتے ہیں نکاح منعقد کرنا مقصود نہیں ہوتا، اسی لئے دوبارہ مجلس نکاح منعقد کر کے کیا جاتا ہے پس منگنی کے اوپر نکاح کے احکام جاری نہیں ہو سکتے''۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے ایک اور جواب کے الفاظ یہ ہیں:

''منگنی کی جو مجلس منعقد کی جاتی ہیں وہ صرف رشتہ اور ناطہ مقرر کرنے کے لئے کی جاتی ہیں، اس میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ وعدہ کی حد تک رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ منگنی کی مجلس کے بعد فریقین بھی اس کو نکاح قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے بعد نکاح کی مجلس منعقد کی جاتی ہے اور نکاح پڑھایا جاتا ہے، اس لئے اب مجالس کے الفاظ میں عرف یہی ہے کہ وہ بقصد وعدہ کہے جاتے ہیں نہ بقصد نکاح، ورنہ نکاح کے بعد پھر مجلس نکاح منعقد کرنے کے کوئی معنی نہیں، نیز منگنی کی مجلس کے بعد منکوحہ سے اگر زوج تعلقات زناشوئی کا مطالبہ کرے تو کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتا بلکہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہوا ہی نہیں عورت کو مرد کے پاس کیسے بھیج دیا جائے۔ بہر حال منگنی کی مجلس وعدے کی مجلس ہے اس کے الفاظ سب وعدہ پر محمول ہوں گے، کیونکہ عرف یہی ہے، لہٰذا اس کو نکاح قرار دینا درست نہیں، البتہ اگر منگنی کی مجلس میں صریح لفظ نکاح استعمال کیا جائے، مثلاً: زوج یا اس کا ولی یوں کہے کہ اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دو اور ولی زوجہ کہے کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا تو نکاح ہو جائے گا ۔لانّ الصریح یفوق الدلالۃ۔''

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے متعدد فتاوی بھی، جن میں سے ایک فتوی کی عبارت یہ ہے:

''منگنی کے وقت الفاظ مذکورہ کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ یہ وعدہ نکاح ہے''۔

اسی طرح وہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن گنگوہیؒ کی فتاوی محمودیہ، ص: ۳/ ۲۸۸، اور حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم رائپوریؒ کی فتاوی رحیمیہ، ص: ۵/ ۲۵۶ وغیرہ اہل علم کے فتاوی

File Adress:

سے بھی استدلال کرتا ہے جن میں منگنی کو وعدۂ نکاح قرار دیا گیا ہے نکاح نہیں۔

جب کہ عمرو کا موقف یہ ہے کہ یہ منگنی بوجوہ نکاح ہے:

ا..... منگنی میں بلکہ اس سے بھی پہلے عموماً ''دیدو''، ''دیدی'' جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو ہبہ یا عطیہ کا معنی رکھتے ہیں اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ نکاح منعقد ہوتا ہے۔

امام قاضی خانؒ وغیرہ فرماتے ہیں:

''وکما ینعقد العقد بلفظة النکاح والتزویج ینعقد بما یکون تملیکاً فی الاعیان عندنا، روی عن ابی حنیفة رحمہ اللہ قال کل مایفید ملک الرقبة فی الامة یفید ملک النکاح فی الحرة''۔(هامش الهندية، ص: ۱/ ۳۲۱)

نیز علامہ ابی حفصؒ سے نقل فرماتے ہیں:

''رجل سأل رجلا ان یزوج ابنته من ابنه۔ فقال: ابو البنت وهبتها منک۔ فقال: ابو الغلام قبلت کانت منکوحة لأبی الغلام ولو قال والد البنت لأبی الغلام وهبتها لک فقال ابو الغلام قبلت کان النکاح للغلام''۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

''رجل قال لامرءة بمحضر من الشهود خویشتن بمن دادی ولم یقل بزنی دادی فقالت دادقالو ایجوز ذلک اه''۔ باختصار

اور تحریر فرماتے ہیں:

''رجل قال لغیره جئتک خاطباً ابنتک او قال جئت زوّجنی ابنتک او قال جئت لتوزجنی فقال الاب قدزوجتک او قال ملکتها منک فهو نکاح لازم۔ اه''

اور تقریباً اس قسم کی جزئیات و مسائل اجمالاً یا تفصیلاً فقہ حنفی کی اکثر کتب متون و شروح و فتاوی جات میں پائی جاتی ہیں۔ محقق ابن الہمامؒ کی تحقیق ہے:

"اذا اضیفت الهبة الی الحرة فانه ینعقد من غیر هذه القرینة ای احضار الشهود وتسمیة المهر لان عدم قبول المحل للمعنی الحقیقی وهو الملک للحرة یوجب الحمل علی المجازی فهو القرینة فیکتفی بها الشهود حتی لو قامت قرینة علی عدمه لا ینعقد"۔(بحر ۸۲/۳،وحکاه العلامة ابن عابدین فی رد المحتار، ص:۳/۷ ا والطحطاوی فی حاشیته علی الدر:۹/۲)

فتاوی حمادیہ ص:۶۰ میں ہے:

"من الذخیرة اذا قال لغیره: دختر خویش مرادہ۔ فقال: دادم۔ ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب: پذیرفتم"

اور العقود الدریة:۱/ ۱۵ میں ہے:

"قال فی جامع الفتاوی: لفظ الاتراک الدم ویردم (اخذت واعطیت) لیس بصریح موضوع للنکاح والعقد لابد له من قرینة وهو اما الخطبة او تسمیة المهر واما بدون احدهما ان جری بینهم ان یعقدوا عقد النکاح بذلک جاز اھ"

اور علامہ رملیؒ نے فتاوی خیریہ:(هامش العقود الدریة:۱/ ۳۵) میں خطبہ کے اثنا میں اس قسم کے الفاظ کے استعمال ہونے پر انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے:

"سئل رجل خطب بکرا من والدها وفصل مهرها بقدر معین بحضرة شهود وجری بینهما فی اثناء الخطبة ماینعقد به النکاح کقوله جئتک خاطبا ابنتک فلانة فقال: هی لک هل ینعقد النکاح؟ اجاب: نعم ینعقد النکاح بمثل هذه الالفاظ ویلزم ولا یملک الزوج ولا الاب فسخه والحال ما تقدم قال فی الخانیة: لو قال رجل: جئتک خاطبا ابنتک فقال الاب: ملکتک کان نکاحاً۔ وفی الخلاصة: لو قالت صرت اوصرت لک فانه نکاح عند القبول، وفیها: لو قال: زوجی نفسک منی فقالت بالسمع والطاعة فهو نکاح۔ وکثیرا مایجری بین الخاطب والمخطوب منه ما

ینعقد به النکاح من الالفاظ فیجب مراعاتها و الحکم بموجبها خشیة أن یقع نکاح اخر لغیر الخاطب وهی زوجة للخاطب اهـ مختصراً

اور خاتمۃ المحققین علامہ لکھنویؒ نے خطبہ میں مجمع کے سامنے دادم اور پذیرفتم کے الفاظ کا حکم بیان فرماتے ہوئے کہا کہ:

''بزنی'' کا اضافہ اگر نہ ہوتو نکاح کے انعقاد میں اختلاف ہے، ''خزانۃ الروایات'' میں انعقاد کو اُصح قرار دیا ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ نکاح صریح الفاظ کے ساتھ ہو۔ (مجموعہ الفتاوی ملخصاً ص:۲۵۱۔۲۵۲، ج:۱)

۲..... ہمارے علاقہ میں لڑکی کا والد عموماً رقم لیتا ہے، محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں نے لڑکی بیچ دی اور رقم کا تعین منگنی سے پہلے ہوا کرتا ہے جس کا ایک حصہ منگنی کے موقع پر ادا کیا جاتا ہے جب کہ فتاوی قاضی خانؒ (هامش الهندية:۱/۳۲۱) میں ہے:

''وکذالو باع الاب ابنته بشهادة الشهود یکون نکاحا''۔

۳..... عیدین وغیرہ میں لڑکی کے گھر ''برخہ'' یعنی حصہ کے نام سے کچھ چیزیں بھیجی جاتی ہیں، جب تک کہ شادی نہ ہوئی ہو منگنی کے بعد یہ عمل جاری رہتا ہے اور حصہ اجنبیہ کا نہیں ہوتا۔

۴..... اکثر وہ کام جن سے لڑکا اور لڑکی شادی کے بعد کافی مدت تک شرم محسوس کرتے ہیں، منگنی کے بعد بھی ایسے کاموں میں حجاب محسوس کرتے ہیں۔

۵..... منگنی کے بعد جوڑے کو میاں بیوی اور والدین کو خوشدامن وسسر کے القاب مل جاتے ہیں۔

۶..... منگنی کے بعد یہ لڑکی دوسری جگہ نہیں بیاہی جاسکتی، ورنہ قتل وقتال کی نوبت آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ میری بیوی دوسرے کو دے دی۔

۷..... منگنی کے بعد رشتہ کے انقطاع کے لئے خلاصی، چھوڑنے بلکہ کبھی صریحاً طلاق

File Adress:

کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ معروف نکاح کے بعد انقطاع کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

۸..... منگنی کے بعد اگر لڑکے کے بارہ میں پوچھا جائے کہ اس کی بیوی ہے؟ تو جواباً کہا جاتا ہے کہ ہاں! لیکن شادی نہیں ہوئی، اور لڑکی کے رشتہ دار کی خواہش اگر کوئی ظاہر کرے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو فلاں کو دے دی گئی ہے۔

۹..... منگنی کے بعد طرفین اس کو صرف وعدہ نہیں سمجھتے بلکہ ایک طرح کا عقد اور فیصلہ سمجھتے ہیں حال ہی میں کئی حضرات سے پوچھ کر اس کی تصدیق ہوئی، نیز اختلاف کی صورت میں جب لڑکی دوسری جگہ دے دی جائے تو باپ جرگہ کے سامنے کہتا ہے کہ مدعی کے ساتھ تو صرف بات ہوئی تھی یا وعدہ تھا منگنی نہیں ہوئی تھی۔

۱۰..... پشتو میں منگنی کو ''کوزدن'' کہتے ہیں، غالباً اصل لفظ ''کوس زدن'' ہے جو کہ أعلنوا النکاح ولو بالدف کی عملی صورت ہے اور ابتدا میں منگنی کے موقع ڈھول بجانے کا رواج تھا تاکہ تشہیر ہو سکے اور ''کوس'' فارسی میں ڈھول اور نقارہ کو کہتے ہیں۔

اور زید نے جو وجوہ ثلاثہ ذکر کیے ہیں، اس کا جواب عمرو یہ دیتے ہیں کہ عوام کا منگنی کو نکاح نہ سمجھنا ان کی شرعی حقائق سے ناواقفیت کے بنا پر ہے اور دوسرا نکاح پڑھوانا اسی پر متفرع ہے اور ہو سکتا ہے کہ شروع میں یہ صرف احتیاط کے طور پر ہوا ہو بعد میں التزام ہو گیا۔ و نظائرہ کثیرۃ۔ میل جول کو برا اور معیوب سمجھنا بھی عرف ہے جسے شرع کا رتبہ دیا گیا ہے۔ اور قاضی خان کے عبارتوں کا جواب دیتے ہیں کہ ان میں خطبہ اور مہر کا ذکر نہیں اور الفاظ بھی صریح نکاح کے نہیں اور نیت دونوں کی عقد نہیں یہ ہمارے ہاں منگنی سے مختلف صورت ہے، اس لئے اس کا انطباق اس پر نہیں ہو سکتا اور ہمارے ہند کے اکابر کے فتاوی کو جواب دیتے ہیں کہ وہ وہاں کے عرف پر مبنی ہیں، جب کہ ہمارے ہاں منگنی فقط وعدہ نہیں بلکہ ایک فیصلہ ہے اور منگنی پہ بات چیت ''خطبہ'' بن کر قرینۂ نکاح ہوتی ہے، اس صورت میں کنایہ کے الفاظ بھی صریح کے حکم میں

File Adress:

ہیں: کما صرح بہ السرخسی ؒ وغیرہ اور الفاظ عموماً ماضی کے یا امر کے صیغے ہوتے ہیں اس لئے وعدہ پر حمل کرنا عقل وقیاس نہیں۔ اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات سے مفصل مدلل شافی جواب کی درخواست ہے۔

(۹)

حج بدل میں تمتع کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ

الحمد لأهله والصلوة على أهلها!

حج بدل میں تمتع کے جواز کے بارے میں ہمارے اکابر اہل علم کا اختلاف رہا ہے، فقیہ النفس حضرت مولانا گنگوہیؒ، شارح سنن ابی داؤد محدث العصر حضرت مولانا سہارن پوریؒ ودیگر اعیان بالجزم عدمِ جواز کے قائل ہیں اگر چہ باذنِ امر ہو اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب اعلاء السنن وغیرہما جواز کی طرف مائل ہیں اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی قول کی تصویب فرمائی۔ عصر حاضر کے اکثر اہل فتوی کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اذنِ امر کی صورت میں بھی تمتع نہ کیا جائے اور اگر کوئی کرلے تو جائز ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنے تحقیق کا حاصل بعنوانِ ''خلاصۂ فتوی'' یہ بیان فرمایا کہ ''اگر چہ من حیث

الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں امر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہیں اور فقہاء متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے مگر ملا علی قاریؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا فتوی اس سے مختلف ہے وہ تمتع کو باذن امر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادا فرض کا نازک ہے اس لئے احتیاط لازم ہے جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کریں لیکن آج کل زیادہ حکومتی پابندیوں اور طول احرام کی مجبوریوں کی وجہ سے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔" [جواہر الفقہ باختصار: ج ۱/ص ۵۱۶]

اس فقیر کے نزدیک فتوی کی حد تک تو حضرت مفتی صاحب مرحوم کی یہ تحریر بہت موزون ہے لیکن جہاں تک نفس مسئلہ اور تحقیق کا تعلق ہے تو وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حج بدل میں تمتع کی اجازت بوجوہ نہیں ہونی چاہیے:

اولاً..... تو ہمارے فقہاء متقدمین میں سے کسی سے صراحۃً جواز تمتع کا قول منقول نہیں، امام محمد بن فضلؒ کا جو قول بعض حضرات بطور دلیل پیش فرماتے ہیں اس میں تصرف ہوا ہے، امام موصوف کی اصل عبارت جو خانیہ وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں وہ جواز سے زیادہ عدم جواز کی شہادت دیتی ہے، رہا عدم جواز کا قول تو یہ بھی اگرچہ صراحۃً منقول نہیں تاہم مفہوماً تو ثابت ہے اور فقہا کی عبارات میں مفہوم بھی معتبر ہوا کرتا ہے۔

ثانیاً..... مانعین حضرات میں ملا علی قاریؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارنپوریؒ جیسے اکابر امت شامل ہیں جن کا نہ صرف تفقہ وتقوی مسلم ہے بلکہ مناسک کے مسائل میں ان کو خصوصی مہارت وحذاقت حاصل ہے اس موضوع پر ان میں سے اکثر کی مستقل تالیفات موجود ہیں تو ان کا قول زیادہ قابل ترجیح ہونا چاہیے۔

ثالثاً..... منع وجواز، اباحت وحرمت کے وجوہ متصادم ہوں تو اصول ترجیح کی بنیاد پر محرم مقدم ہوا کرتا ہے۔

رابعاً..... دیانات اور عبادات کے باب میں خصوصاً فرائض وواجبات کی ادائیگی میں

احوط جانب کے اختیار کرنے کا حکم ہے اور زیر بحث صورت میں احتیاط تمتع نہ کرنے میں ہے جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ خود بھی تصریح فرما چکے ہیں۔

خامساً..... امام شمس الائمۃ سرخسیؒ مبسوط کے محقق الحنفیۃ علامہ عبدالعزیز بخاریؒ کے کشف الاسرار، وغایۃ التحقیق اور دوسرے محققین کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں نیابت کی بنیاد از روئے عقل و درایت اس پر ہے کہ اس عبادت میں دو چیزیں ہیں:

ایک انفاق مال ہے، دوسری سفر اور دوسرے اعمال حج کا عمل ہے۔

پہلی چیز یعنی انفاق دوسرے مالی عبادات کی طرح اصالۃً بھی ادا ہو سکتی اور وکالۃً و نیابۃً بھی، جبکہ دوسری چیز میں پھر دو باتیں پائی جاتی ہیں:

ایک تعظیم البیت ہے، یہ بھی جس طرح اصالۃً ہو سکتی ہے اسی طرح نیابۃً بھی ہو سکتی ہے۔ دوسری اتعاب نفس (نفس کشی اور تھکان) جو کہ ظاہر ہے کہ نیابۃً نہیں ہو سکتی اس لئے نظراً الی الأغلب و عملاً بالشبہین حالتِ اضطرار و عذر میں نیابت کو جائز اور حالتِ اختیار و عدم عذر میں اسے ناجائز قرار دیا گیا۔

پھر چونکہ اصل اور خلف، نائب و منوب میں تاحدِ امکان مماثلت ضروری ہوتی ہے اور یہاں اصل محجوج عنہ جب معذور ہوا تھا تو معذور ہونے سے اتنی مدت پہلے جس میں ادائیگی حج ممکن تھی اس پر اپنے وطن سے سفرِ حج فرض اور اس کے مصارف لازم ہو چکے تھے اور قائلین بالتراخی کے نزدیک بھی علم الٰہی میں اس پر وجوب موسع نہیں ہو رہا تھا بلکہ مضیق ہو چکا تھا تو اب نیابت میں ان کی طرف سے سفر اور مصارفِ سفر کا اعتبار بھی مقام عذر سے ہوگا جو کہ فی الأغلب وطن ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ متمتع کا سفر وطن سے سفرِ حج نہیں بلکہ عمرہ ہے اس لئے وہ سفر مفروض کا بدل نہیں بن سکتا اور نہ اس کے مصارف تقرب کے لحاظ سے سفرِ مفروض کے مصارف کی طرح ہو سکتے ہیں۔

غیر معذور شخص کے حج کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں تجارت وغیرہ کے لئے قیام

File Adress:

کرنے پر معذور شخص کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لئے اولاً تو غیر معذور کے مذکورہ قیام کے قاطع سفر حج نہ ہونے کے لئے نص چاہیے پھر غیر معذور تو ارادہ حج ترک کرنے کا بھی مجاز ہے کہ آئندہ سال کرے گا بخلاف معذور کے کہ اس پر تو وجوب مضیق ہوا ہے اس پر تو جب اور جہاں عذر لاحق ہوا ہے اس سے کچھ زمانہ قبل بنا بر ضابطہ "مالا یقیم الفرض الا بہ فھو مفروض" حج کا سفر فرض ہو چکا تھا، تجارت کیا فرائض اور اس کے وسائل کے علاوہ وہ کسی بھی مقصد کے لئے راستہ میں قیام کا مجاز نہیں، اس لئے صاحب لباب کا نقض بھی صحیح نہیں اور امر کے اذن وعدم اذن کی بحث بھی بے محل ہے، محجوج عنہ کے اذن کا دائرہ اس کی ذات تک محدود ہے، فرائض الٰہیہ میں اس کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ اگر محجوج عنہ مستقل ہو تو اس کے اذن پر مدار کار ہوگا یا حاج متبرع ہو تو وہ حسب مرضی حج کر سکتا ہے، اور محجوج عنہ صحیح غیر معذور ہو تو یہ فریضہ اس کی طرف سے کوئی بھی کسی طرح ادا نہیں کر سکتا اور حضرت مفتی صاحب مرحوم اور دوسرے حضرات کا یہ فرمانا کہ افراد قران کی طرح تمتع بھی حج کی ایک قسم ہے لہٰذا تمتع کی صورت میں وطن سے سفر سفر حج شمار ہوگا عرف کی حد تک تو صحیح ہے کہ اس پر سفر حج کا اطلاق ہوتا ہے مگر واقعۃً ایسا نہیں۔ پھر اس نظریہ کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس باب کے متعدد اور جزئیات جو ائمہ مذہب سے نصاً منقول ہیں ترک کرنے پڑیں گے۔

واللہ سبحانہ أعلم وعلمہ احکم

(۱۰)

ٹیکس کی شرعی حیثیت

رعایا کے مصالح عامہ اور مشترکہ ضرورتوں کے لئے حکومت باشندوں پر مناسب ٹیکس عائد کرسکتی ہے جبکہ بیت المال خالی ہو اور رعایا کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ اولی الامر کی اطاعت ان امور میں ضروری ہے جن میں عام مسلمانوں کی بھلائی ہو جیسے پانی، روشنی، علاج، سڑک، پل، چوکیداری اور ملکی سرحدات کی حفاظت وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے، اپنی عیاشی یا مخصوص طبقات کے مفاد کے لئے ٹیکس عائد کرنا یا غیر منصفانہ حد تک ٹیکس لگانے کا اختیار قطعاً حکومت کو حاصل نہیں، قرآن حکیم کی ہدایت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔ [النساء: ۲۹]

اور ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ۔[البقرة:۱۸۸]

یہودیوں کی ملعونیت کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی بتلایا:

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۔[النساء:۱۶۱]

ان آیات کریمہ کے ذیل میں مال و دولت کی ناجائز کمائی کی تمام صورتیں مفسرین کرام نے ذکر فرمائی ہیں، اور عام معاشرت کے ساتھ معاشیات کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ ضابطہ دیا:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔[البقرة:۲۷۹]

اور بار بار عدل کی تلقین فرمائی۔[المائدة :۸،الانعام :۱۵۲، النحل:۹۰ وغیرھا]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے اصلاحی احکامات میں سے ایک حکم یہ بھی دیا تھا:

"وضع عن الناس المکس۔"

بلکہ اسے وہ "بخس" قرار دیا جو قوم شعیب علیہ السلام کی تباہی کا ایک سبب بنا۔

[کتاب الاموال لأبی عبید، ص:۶۳۲]

اسی مکس یعنی ناجائز ٹیکس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

"لایدخل الجنة صاحب مکس"۔

[مسند احمد:۴/۱۴۳،أبو داؤد:۲/۵۲، ابن خزیمہ کما فی الترغیب :۵۶۶، والمستدرک للحاکم:۱/۴۰۳، والدارمی:۱/۳۳۰وغیرھا]

کتاب الاموال کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ان صاحب المکس فی النار۔"

[رواہ احمد والطبرانی کما فی الترغیب ۱/۵۶۸]

اور دوسری روایت میں ہے:

"ان صاحب المکس لایسأل عن شیء یؤخذ کما هو فیرمی فی النار"۔ [ایضاً ص ۶۳۳]

جبکہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"من لقی صاحب عشور فلیضرب عنقه"۔ [ایضاً، ص: ۶۳۴]

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

"ان المکس من اعظم الموبقات وعده الذهبی من الکبائر ثم قال: فیه شبهة من قاطع الطریق وهو شر من اللص"۔ [فیض القدیر: ۶/۴۴۹]

بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس کا خاتمہ پانچویں صدی کے شہرۂ آفاق حنفی فقیہ شیخ الاسلام علی بن الحسین الغدیؒ جو اپنے عہد کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) تھے، کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"اعلم ان هذه الحقوق علی وجهین:

وجه للفقراء دون غیرهم من نوائب المسلمین وهی عشرة أشیاء:

اولها زکوة والثانی العقوبات والثالث العشور والرابع خمس الغنائم والخامس المعادن والسادس خمس الرکاز والسابع مایأخذه العاشر من تجار المسلمین والثامن صدقة الفطر والتاسع الکفارات والعاشر النذور۔

ووجه فیها لنوائب المسلمین وهی خمسة أشیاء:

احدها الجزیة والثانی الخراج والثالث مایأخذه العاشر من تجار أهل الذمة والرابع مایأخذه العاشر من تجار أهل الحرب والخامس صدقات بنی تغلب المضعفة۔ [النتف فی الفتاوی: ۱/۱۹۷۔۱۹۸ باختصار یسیر]

شیخ الاسلام موصوفؒ کی ذکر کردہ تفصیل کی روشنی میں آج کل کے بے شمار ظالمانہ ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں اور فقہاء کرام اس قسم کے ظالمانہ ٹیکسوں کی ادائیگی سے بچنے کے

لئے ترغیب دیتے ہیں۔ حنفیہ کے مایہ صد ناز امام شمس الائمہ سرخسیؒ سے محقق ابن الہمامؒ نے فتح القدیر [۶/ ۳۳۳] میں نقل فرمایا:

"أما في زماننا اكثر النوائب تؤخذ ظلما و من تمكن من دفع الظلم عن نفسه فهو خير له آه"۔

اور ہر مسلمان کو اس ظلم میں حصہ لینے سے بچنا چاہیے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

"وجابي المكس و كاتب و أخذه من جندي و شيخ و صاحب زاوية شركاء في الوزر آكالون للسحت"۔ [فیض القدیر: ۶/ ۴۴۹]

ٹیکس محصول وصول کرنے والا اور اس کا منشی اور پھر اس مال کا استعمال کرنے والا فوجی ہو یا عالم یا گوشہ نشین پیر سب گناہ میں شریک ہیں اور سود جیسے حرام کے کمانے والے ہیں۔ أعاذنا الله تعالى منه

File Adress

(۱۱)

ذکر بالجہر کا حکم

ذکر ایک اہم ترین عبادت بلکہ عبادات کی جان ہے، اس لئے شریعت نے کسی نہ کسی صورت ہر حال میں اس کی اجازت دی ہے، سر اور جہر اس کی کیفیات ہیں، نصوص شرعیہ میں دونوں وارد ہیں جہاں جو کیفیت منصوص ہے وہاں تو اس کے خلاف کرنا ناجائز ہے اور جہاں کوئی کیفیت منصوص نہ ہو وہاں دونوں جائز ہیں بشرطیکہ موانع نہ ہوں۔ مثلاً: بطور ریاء وسمعۃ نہ ہو، کسی نائم ومصلی وغیرہ کو اذیت نہ پہنچائے، کیفیت کو قربت مقصودہ نہ سمجھے، تارک پر نکیر نہ کرے، جہر میں افراط نہ ہو، جائز ہونے کے باوجود افضل کون سا ہے؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض نے سر کو افضل کہا، بعض نے جہر کو، یہ اختلاف اذواق اور ملاحظ کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔

فقیر کا میلان بھی سر کے افضل ہونے کی طرف ہے۔ سوال میں جن اکابر کے اسماء گرامی مذکور ہیں ان کا اور ان جیسے دیگر محققین کا یہی مسلک رہا جیسا کہ

حجۃ اللہ البالغۃ، فتاوی رشیدیہ: ص/ ۱۹۳،

امداد الفتاوی: ج/ ۵، ص/ ۱۵۱ تا ۱۵۵،

فتاوی دار العلوم دیوبند: ج/ ۲، ص/ ۲۴۸ تا ۲۵۳،

کفایۃ المفتی: ۲/ ۴۸، خیر الفتاوی: ج ۱ ص/ ۳۴۹ تا ۳۵۰،

فیض الباری: ج/ ۴ ص/ ۱۳۴،

فتاوی خلیلیہ: ص/ ۳۲۷ تا ۳۲۹،

انفاس رحیمیہ: ص/ ۳۹

وغیرہا سے ظاہر ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل وشروط کے ساتھ جہر کو بدعت یا حرام کہہ دینا جہالت ہے، کہنے والا خود غالی مفسد اور بدعتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یا دیگر اہل علم نے ایسے ذکر کے جہر کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو یعنی کسی موقعہ پر ذکر تو منقول ہو اور جہر منقول نہ ہو تو ایسے موقع پر جہر کو مکروہ فرمایا گیا ہے جب کہ صاحبینؒ اور دوسرے ائمہ کرام ایسے موقع پر بھی جہر کو جائز بلا کراہت کہتے ہیں اور مفتی بہ بھی حنفیہ کے نزدیک یہی قول ہے۔

(۱۲)

جمعہ فی القریٰ

حنفی مذہب میں ظاہر الروایۃ اور راجح قول کے مطابق ایسی جگہ میں جو نہ شہر ہو نہ شہر کے حکم میں ہو، جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے اور ایسی جگہ میں جمعہ ادا کرنے میں کئی مفاسد ہیں:

(۱).....ایسی جگہ میں جمعہ کی نماز کے نام سے جو نماز ہوگی وہ نفل نماز ہے اور نوافل کا باجماعت تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

(۲).....اس نماز کیلئے اذان ہوتی ہے اور نفل نماز کیلئے اذان دینا جائز نہیں۔

(۳).....اور اس نماز کیلئے اقامت ہوتی ہے اور نوافل کیلئے اقامت ناجائز ہے۔

(۴).....اس نماز سے پہلے خطبہ دیا جاتا ہے اور نوافل کیلئے پہلے خطبہ دینا خلاف سنت ہے۔

(۵).....اس نماز میں امام قرأۃ جہراً پڑھتا ہے جبکہ عام نوافل نہاریہ میں جہراً قرأۃ مکروہ تحریمی ہے۔

(۶).....اس مقام کے باشندوں کیلئے نماز ظہر باجماعت ادا کرنا واجب تھا یا کم از کم سنت مؤکدہ اندریں صورت واجب یا سنت مؤکدہ کا ترک لازم آیا جونا جائز ہے۔

(۷).....متعدد مساجد اور دیہات میں ظہر کی اذان اور اقامت رہ جاتے ہیں جو کہ سنت اور شعائر دین میں سے ہیں۔

(۸).....اس نماز کے بارے میں عوام فرض کا اعتقاد رکھتے ہیں جبکہ نوافل کو فرض سمجھنا اعتقادی ضلالت ہے۔

(۹).....ظہر کی سنتیں قبلیہ وبعدیہ سنت ظہر کی نیت سے ادا نہیں ہونے پاتی ہیں۔

(۱۰).....جمعہ کے علاوہ دوسری کسی نماز کیلئے دوبارہ اذان دینا بدعت مذمومہ ہے، جس کا ارتکاب مذکورہ صورت میں لازم آتا ہے۔

File Adress

(۱۳)

اذانِ اہل تشیع

آج کل اہل تشیع کے ہاں جو اذان مروج ہے مسلمانوں کی مأثور اذان کی بہ نسبت اس میں تین اضافے ہیں:

(۱).....شہادتِ رسالت کے بعد حضرت علیؓ کی ولایت، وصایت اور خلافت بلا فصل کی شہادت کا اضافہ جیسا کہ ان کی مذہب کی نئی کتاب تحفۃ العوام ص:۱۱۹ وغیرہ میں بھی درج ہے۔

(۲).....حیعلتین کے بعد "حی علی خیر العمل" کا اضافہ۔

(۳).....آخر میں "لا الٰہ الا اللہ" کا دوبارہ پڑھنا۔

جہاں تک اذان کے مأثور کلمات میں اپنی طرف سے اضافہ کا تعلق ہے تو فقہاء کرام

نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

یکرہ أن یقال فی الاذان: حی علی خیر العمل، لانه لم یثبت عن رسول اللہ ﷺ (شرح مهذب: ۹۸/۳)

اور امام بیہقیؒ کا ارشاد ہے:

هذه اللفظة لم یثبت عن النبی ﷺ فیما علم بلالا و أبا محذورة (رضی اللہ تعالی عنهما) ونحن نکره الزیادة فیه۔ (سنن کبری: ۴۲۵/۱)

ہمارے علامہ ابن نجیمؒ نے بھی امام نوویؒ کے حوالہ سے زیادۃ فی الاذان کی کراہت لکھی اور فرمایا:

وقد سمعناه الآن عن الزیدیة ببعض البلاد۔ (البحر الرائق ۲۶۱/۲)

عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مفتیٔ اعظم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارہ میں اصل ہے، اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت وقائم رکھا، اس پر سب صحابہؓ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے اور ہے، خلاف سنت متوارثہ اور خلاف اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے: ''من شذ شذ فی النار'' حدیث شریف میں وارد ہے۔ تمام ائمۂ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے کس کا اس میں اختلاف نہیں بجز روافض کے، خذلهم اللہ تعالی (فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۱۸/۲، ۱۱۹)

اور علامہ جمال الدین قاسمیؒ نے اذان واقامت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے پہلے لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ بدعت مذمومہ قرار دیا۔ ملاحظہ ہو: (اصلاح المساجد، ۱۵۲، ۱۵۳)

اسی طرح ''السنن والمبتدعات'' کے مؤلف نے بھی اس قسم کے اضافوں کو بدعت اور

File Adress:

جہالت کہا اور فرمایا: لأن الزیادۃ فی الدین کالنقص منہ۔ (السنن والمبتدعات: ۵۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس پر بدعت باطلہ کا اطلاق فرمایا اور علامہ لکھنویؒ نے اسے نقل کر کے سکوت فرمایا۔ ملاحظہ ہو: (التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد ﷺ ص: ۸۶)

یاد رہے کہ بعض روایات میں بعض صحابہؓ وتابعینؒ سے اذان میں "حی علی خیر العمل" کا جوذکر آیا ہے اُولاً تو وہ روایات محتاج تحقیق ہیں اور اگر صحیح سند کے ساتھ بھی کوئی اثر ہوتو اس کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ شروع میں حضرت بلالؓ نے یہ الفاظ استعمال کیے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا کہ ان الفاظ کے بجائے "الصلوۃ خیر من النوم" کے الفاظ کا استعمال کیا کرو، چنانچہ امام طبرانیؒ نے [معجم کبیر ۱/ ۳۵۲] اور بیہقیؒ نے [سنن کبری ۱/ ۴۲۵] میں حضرت بلالؓ سے روایت کیا:

انہ کان یؤذن بالصبح فیقول: حی علی خیر العمل، فأمر رسول اللہ ﷺ أن یجعل مکانہ "الصلوۃ خیر من النوم" وترک "حی علی خیر العمل"۔

علامہ ہیثمیؒ نے [مجمع ۱/ ۳۳۰] پر بحوالہ طبرانی اس روایت کو بایں الفاظ نقل کیا:

و یترک حی علی الخ۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کلمات کا استعمال اذان میں متروک اور منسوخ ہو چکا، تو ہوسکتا ہے کہ ان بعض صحابہؓ وتابعینؒ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو اور منسوخ پر عمل کرتے رہے۔

رہا پہلا اضافہ تو اس کے بارے میں شاید اہل تشیع کے معروف ترین فقیہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" جو کہ ان کے اصول اربعہ میں سے ایک اہم اصل کتاب شمار کی جاتی ہے میں کچھ لکھا وہ کافی وشافی ثابت ہوگا۔

لکھتے ہیں:

قال مصنف ھذا الکتاب: ھذا ھو الاذان الصحیح لایزاد فیہ ولا ینقص منہ والمفوضۃ لعنھم اللہ تعالی [المفوضۃ بالکسر علی فرقۃ من غلاۃ الشیعۃ قالوا: خلق اللہ

File Adress:

محمدا وفوض الیہ خلق الدنیا فھو الخلاق لھا وقیل فوض ذلک الی علی کذا فی شرح المواقف (کشاف ۲/ ۱۱۲۸)] قد وضعوا اخبار وزادوا فی الاذان "محمد وآل محمد خیر البریۃ" مرتین، وفی بعض روایاتھم بعد اشھد ان محمد رسول اللہ:" اشھد ان علیاً ولی اللہ" مرتین ومنھم من روی بدل ذلک "اشھد ان علیاً امیر المؤمنین حقا" مرتین، ولا شک فی ان علیا ولی اللہ وان امیر المؤمنین حقا وان محمد وآلہ صلوات اللہ علیھم خیر البریۃ ولکن لیس ذلک فی اصل الاذان۔ (من لایحضرہ الفقیہ ۱/ ۱۸۸)

اور علامہ قوصی جو خود بھی مائل بہ تشیع وزیدیت نظر آتے ہیں نے اپنی کتاب (کتاب الاذان ص: ۳۲۴) میں لکھا:

زیادۃ الشیعۃ" اشھد ان علیا ولی اللہ" مرتین وبعد الحیعلتین بدعتھم الاخری "حی علی خیر العمل" وعلی رضی اللہ تعالی عنہ من اولیاء اللہ لا شک فی ذلک کما انہ لا شک ان علیا ﷺ لو کان حیا لما رضی عن ھذہ البدعۃ الشنیعۃ لأن اولیاء اللہ لا یحبون الاحداث فی الدین والابتداع فیہ فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اھ"۔

پھر حضرت علیؓ کی ولایت کی شہادت کا ذکر ان کے اذان میں صرف بدعت ہی نہیں بلکہ درحقیقت یہ ان کے ایک کفریہ عقیدہ کی اشاعت ہے کہ مؤمن ہونے کے لئے اقرار توحید و رسالت ناکافی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا عقیدہ جز وایمان ہے اور اس کا اقرار مؤمن ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ ان کی متعدد کتابوں میں بصراحت اس کا ذکر موجود ہے اور وصی رسول اللہ میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا بہتان ہے اور افتراء کرنے کی جسارت ہے، جب کہ خلیفۃ بلافصل میں خلفاء ثلاثہ اور ان کے انصار پر تبرا ہے اور خلافت کے غصب کرنے کا الزام ہے، تو ان کے اذان میں ان کلمات کا ذکر ایک ایسا قبیح جرم اور ظلم ہے جو

File Adress:

کہ امت مسلمہ کے لئے ہرگز قابل برداشت نہیں، اسی طرح اذان کے آخر میں دوسری مرتبہ "لاالہ الا اللہ" کا کہنا بھی سنت متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

الحاصل اہل تشیع کے اذان میں چونکہ کفر کی اشاعت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کی جسارت ہے اور خلفاء راشدین پر تبرا ہے اور بدعت مذمومہ کا ارتکاب ہے اس لئے ہر مسلمان کا یہ شرعی فریضہ بنتا ہے کہ بقدر استطاعت اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ پھر الزامی طور پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ تہران میں اہل سنت کو مسجد بنانے اور اذان دینے کی اجازت نہیں وہاں کے حکمران اس سلسلہ میں یہ جواب دیتے ہیں کہ سنی وشیعہ سب ایک ہیں، اہل تشیع کے مساجد میں اہل تشیع کے ساتھ وہ نماز باجماعت پڑھا کریں، الگ مسجد واذان سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو جاتی ہے، تو کیا اسی منطق کے رو سے خود پاکستان کے اقلیتی فرقہ اہل تشیع کا فرض نہیں بنتا کہ جہاں جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں اپنی مساجد اور اذانیں خود ہی بند کریں اور وحدت اسلامی کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔

File Adress

(۱۴)

مسئلۂ طلاق

چہ می فرمایند علماء دین اندرین مسئلہ یک زن دعوا کند بر زوج خود برائ طلاق وزوج ۳ سنگریزہ افتادند وبرزبان چہ گفت او حاکم وقت حکم تفریق کردہ، پس انداختن سنگریزہ ۳ طلاق شود یانہ، ودر مذاکرۂ طلاق حکم طلاق شود یانہ۔ بینوا توجروا

تفصیل بیان از کتب مع عبارت وصفحہ بندیسد زیادہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب واللہ سبحانہ ھو الملھم للصواب:

درصورت مذکورہ طلاق نشدہ، باندا ختنِ سنگ یا کلوخ وغیرہ از تلفظ بالفاظِ طلاق صراحۃً یا کنایۃً، طلاق واقع نمیشود۔

تعریف طلاق بہ "رفع قید النکاح حالاً او مآلاً بلفظ مخصوص" کردہ اند کمافی البحر: ۲۵۲/۳ والهندية: ۳۴۸/۱ ورد المحتار على هامش الشامية: ۴۵۰/۲ وغیرها واکثر فقہاء کرام تلفظ بلفظ مخصوص رکن طلاق شمردہ اند، علامہ کاسانیؒ وغیرہ اضافہ ومایقوم مقامہ کردہ ودر تفسیر او کتابت واشارت ذکر کردہ است علامہ ابن عابدینؒ تصریح کردہ کہ مراد از کتابت کتابۃ مستبینہ واز اشارۃ اشارۃ مقرونۃ بلفظ طلاق است کما فی المنحۃ علی ہامش البحر: ۲۵۲/۳

درصورت مذکورہ براندا ختن سنگریزہ فقط بلا تلفظ نہ تعریف طلاق صادق می آید ونہ درو رکن طلاق محقق گشتہ پس طلاق واقع نخواہد شد۔ علامہ ابن عابدینؒ تحریر میفرماید: "من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة احجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا لا صريحا ولا كناية لا يقع عليها كما أفتى به الخير الرملي رحمہ اللہ وغیرہ (رد المحتار: ۴۵۳/۲)۔

وبعد از چند صفحات میفرماید: "فلا يقع بالقاء ثلاثة احجار اليها او بامرها بحلق شعرها۔ وان اعتقد الالقاء والحلق طلاقا"۔ (ایضاً: ۴۶۵/۲)

وفی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۲۲/۱۰ "کنکریاں پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی (جب زبان سے کچھ نہ کہے)"۔

وفی (أحسن الفتاوی: ۱۵۱/۵) "بغیر تلفظ کے صرف مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی"۔

وفی الانقروية: (۷۲/۱) "امرأة قالت لزوجها: طلقني فأشار اليها بثلاثة اصابع ونوى بها ثلاث تطليقات لا تطلق ما لم يتلفظ به"۔ ونحوه فی الحمادية (ص: ۱۴۰) الا نه فيها: "مالم يقل بلسانه هكذا" ومثله فی البحر: ۲۰۹/۳ عن المحيط۔

اما حکم حاکم بالتفریق از سوال معلوم نمیشود کہ بنائے حکم چیست ہمیں اندا ختن

سنگریزہ یا نشوز زوج بسبب انکار از نفقہ یا دیگر چیزے تا وقتیکہ تفصیل حکم معلوم نشود تصحیح یا تغلیط او نتواند شد۔ واللہ سبحانہ أعلم

کتبہ الفقیر الی اللہ سبحانہ محمد امین خادم جامعہ یوسفیہ شاہو وام

(۱۵)

مقابر موقوفہ کا حکم

سوال:

۱۔ وقف قبرستان کو ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے؟ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ امام زیلعی نے کھیتی وغیرہ کے لیے استعمال کو جائز قرار دیا ہے؟

۲۔ کئی بھائیوں میں مشترکہ گھر کو بڑے بھائی کا از خود بیچنا جائز ہے؟

۳۔ کوئی ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کر سکتا ہے، جبکہ باقی دلچسپی نہ لیں؟

۴۔ قبل التقسیم اگر کوئی شریک اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرے تو یہ درست ہے؟

۵۔ والد اگر ایک بیٹے کو دوسروں پر ترجیح دے اور زیادہ حصہ دے تو شرعاً درست ہے؟

جواب:

۱.....مقابر موقوفہ چاہے کتنے ہی قدیم ہوں مقابر ہی رہیں گے، اس کو ذاتی استعمال میں لانا کسی کے لئے جائز نہیں:

مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها أثار المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال: ابو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح۔ (فتاوى قاضى خان كتاب الوقف على الهندية ۳/۳۱۴)

وسئل القاضى الامام شمس الائمة محمود الازوجندى رحمه الله عن المقبرة فى القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة كذا فى المحيط۔ (الهندية: ۲/۴۷۱)

ويكره ان يبنى على القبر مسجد او غيره كزا فى السراج الوهاج۔ (الهندية: ۱/۱۶۶)

علامہ زیلعیؒ نے جواز زرع اور بنا کا حکم جو ذکر کیا ہے تو وہ مملوکہ قبرستان کا ہے جیسا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے متعدد فتاوی سے معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ ہو (کفایۃ المفتی: ۷/۱۱۸ وغیرہا) یا زیادہ سے زیادہ جب موقوفہ مقبرہ میں تدفین ممکن نہ رہے، یا اس کی ضرورت نہ رہے تو مردوں کے اجسام کے مٹی ہوجانے کے گمان غالب کے بعد اس میں کھیت وغیرہ بنا کر اس کی آمدنی کو دوسرے مقبرہ کے مصارف پر صرف کرنا جائز ہوگا۔ (کفایۃ المفتی: ۷/۱۲۳) یا مسجد تعمیر کی جائے۔ کما فی عمدۃ القاری والحمودیۃ وغیرہا۔

۲.....املاک مشترکہ میں بلا اذن شریک تصرف کرنا ناجائز ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

وأما حكم الشركة فاما شركة الاملاك فحكمها فى النوعين جميعا واحد وهو ان كل واحد من الشريكين كانه اجنبى فى نصيب صاحبه لا يجوز له التصرف فيه

بغیر اذنہ۔(بدائع:۶/۶۵)

اورعلامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

سئل فیما اذا کانت دار مشترکة بطریق الملک بین زید وجماعة وکلهم ساکنون فیها غیر ان الجماعة یدخلون فیها الاجانب بلا اذن ولا وجه شرعی فهل لایجوز لهم ذلک؟

الجواب: نعم! کما أفتی به الخیر الرملیؒ بقوله: لایجوز، لأنه تصرف فی ملک الغیر بغیر اذن الآخر وان کان مشترکا وهو حرام۔(العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۹۲)

اورشرح المجلہ میں متعدد دفعات کے ضمن میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اورنص قرآنی: "لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل"

اورحدیث نبوی: "لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب من نفسه"

کے عموم سے اس کے عدم جواز کا ثبوت ظاہر ہے۔

۳.....املاک مشترکہ کی تقسیم کسی بھی شریک کے مطالبہ پر واجب ہے، ہدایہ کے کتاب القسمة: فصل فیما یقسم ولا یقسم میں ہے:

واذا کان کل واحد من الشرکاء ینتفع بنصیبه قسم بطلب احدهم لأن القسمة حق لازم فیما یحتملها عند طلب احدهم۔(هدایة ۴/۲۷)

فقہاء مذہب اربعہ نے اس مسئلہ کو اپنی اپنی کتب فقہ میں ذکر کیا ہے تطویل کی ضرورت نہیں۔

۴.....ایسی مشترک چیز جس میں تقسیم ممکن ہو یعنی تقسیم کے بعد ہر حصہ قابل انتفاع ہو اس کا ہبہ ناجائز ہے: هبة المشاع لاتجوز فیما یحتمل القسمة (هندیة ۴/۳۷۸)۔

تقریباً مذہب حنفی کی اکثر کتب فقہیہ میں اس مسئلہ کا ذکر آیا ہے اور اس کی تفصیلات

پائی جاتی ہیں، فلاحاجۃ الی تکثیر النقول۔

۵..... تفضیل بعض اولاد کا بعض پر دیانۃً صحیح نہیں ہے۔ تسویہ فی الاعطاء ہونا چاہیے، قضائً وحکماً جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امام مالک اور امام شافعی، لیث بن سعد، سفیان ثوری وغیرہم رحمہم اللہ تعالی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: عمدۃ القاری، فتح الباری، لامع الدراری۔

File Adress

(۱۶)

رمضان کی تیسویں رات بعض سورتوں کے ختم کا حکم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی جمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین واصحابہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین۔

میرے ایک محترم اور عزیز بھائی نے آج ایک استفتاء اور اس کے جواب کی نقل دکھائی جس کا تعلق رمضان شریف کی تیسویں رات کو سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم کی تلاوت سے تھا۔

مذکورہ فتوی میں سب سے پہلے ابوالسعودؒ کی تفسیر کے حوالہ سے جس حدیث کا سہارا لیا گیا ہے یہ وہ حدیث ہے جس کے بارے میں امام ابن المبارکؒ فرماتے ہیں:

"اظن الزنادقة وضعته"۔[کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ۱/ ۱۵۷]

اور امام عجلونیؒ نے فرمایا:

"مفتری وموضوع باجماع اهل الحدیث"[کشف الخفاء ج ۲/ ۴۱۹]

اور علامہ سخاویؒ نے فرمایا:

"وعلی کل حال فهو موضوع"۔[فتح المغیث: ۱/ ۲۸۶]

جب کہ علامہ عراقیؒ اور اس کے شراح نے قاطبۃً اکفیہ اور اس کے شروح میں تصریح کی کہ حضرت اُبیؓ کی اس حدیث کو جن مفسرین واحدیؒ وثعلبیؒ وزمخشریؒ وبیضاویؒ وغیرہم نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا، انہوں نے غلطی کی اور نقل کرنے کے بعد اس کے موضوع ہونے پر تصریح نہ کرنا اور سکوت اختیار کرنا ان کے لئے جائز نہ تھا خصوصاً جن حضرات نے اس کو بلا سند نقل کیا ان کی غلطی تو اور افحش ہے۔ راجع الذکرۃ والتبصرۃ: ۱/ ۲۷۱، ۲۷۲، وکذا توضیح الافکار: ۲/ ۸۲۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

"وقد فرق هذا الحدیث ابو اسحق الثعلبی رحمہ اللہ فی تفسیره فذکر عند کل سورة منه ما یخصها وتبعه ابو الحسن الواحدی فی ذلک ولم أعجب منهما لأنهما لیسا من اصحاب الحدیث وانما عجبت من أبی بکر بن أبی داؤد کیف فرق فی کتابه الذی صنفه فی فضائل القرآن وهو یعلم أنه حدیث محال"۔[تنزیه الشریعة: ۱/ ۲۸۵]

اور حافظ ذہبیؒ نے اسے باطل موضوع قرار دیا: کما فی المیزان [۴/ ۸۳]۔

قلتِ فرصت مانع تطویل ہے، حیا اور ایمان کی رمق جس میں ہو اس کے لئے جتنا لکھا گیا ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ثابت ہوگا۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ باتفاق ائمہ علم ودین موضوع حدیث کو- چاہے احکام کے بارے میں ہو یا فضائل کے بارے میں- ذکر کرنا بلا تصریح کذب ووضع جائز نہیں۔

File Adress:

علامہ جمال الدین القاسمی الشامیؒ فرماتے ہیں:

"اتفقوا علی انه تحرم روایة الموضوع مع العلم بوضعه سواء کان فی الاحکام او القصص و الترغیب و نحوها الا مبینا وضعه" [قواعد التحدیث: ص: ۱۵۰]

اور صحیح مسلم وغیرہ کتب میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

"من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکذابین"۔

اور صحیح مسلم و سنن أبی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ ارشاد گرامی موجود ہے: "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا اپنے آپ کو جہنمی بنانے کے لئے کافی ہے جیسا کہ حدیث متواتر میں ہے۔

معلوم نہیں کہ محض ایک رسم ورواج کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اتنے عظیم جرم اور شدید ترین حرام کام کا ارتکاب کیسے کیا جا سکتا ہے، پھر اس موضوع روایت میں تیسویں رات کا تو کیا رمضان شریف تک کا ذکر نہیں تو اس سے استدلال نری جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس مفتی نے سورۂ روم کی فضیلت کے بارے میں جو روایت ذکر کی ہے وہ بھی حضرت ابیؓ کی طرف منسوب اسی جعلی حدیث کا حصہ ہے۔ مذکور مفتی کی جہالت کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ اس نے اپنے فتوی میں "جنت الفردوس" نامی کتاب کا حوالہ دیا جو کہ پشتو زبان میں ایک منظوم کتاب ہے جس کے مصنف تک کا پتہ نہیں اور وہابیات کے اس مجموعہ جنت الفردوس میں اس رسم ورواج اور اس کے بارے میں موضوع جھوٹی حدیث کے لئے حوالہ صحیح مسلم کا دیا گیا ہے جو کہ بے حیائی کی انتہا ہے۔ صحیح مسلم کے لاکھوں پڑھنے والے اس کے جھوٹ ہونے کے گواہ ہیں۔

ارشاد الطالبین یا انیس الواعظین کس مرتبہ کی کتابیں ہیں، اگر اس مفتی کو علم نہیں، تو

File Adress:

فتویٰ پر دستخط کرنے والے مولانا..... تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کیا ہیں اور اس میں کیا کیا ہے؟ اور ایک متدین مفتی یا عالم اس سے مسئلہ لے کر بیان کر سکتا ہے؟ کاش! کچھ تو دیانت کی فکر ہمیں ہوتی، پھر حضرت اُخوند صاحبؒ کی تالیفات میں ایک رافضی کی تحریف اور ادراج کا قصہ تو اتنا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

تفسیر خواص القرآن کے حوالہ سے جو روایت اس فتوی میں مذکور ہے وہ قدیم شیعہ مفسر علامہ طبرسی کے مجمع البیان [۴/۲۷۱] میں اور مشہور شیعہ محدث مجلسی کے بحار الانوار [۸۹/۲۸۷] میں اور شیعوں کی مشہور کتاب تحفۃ العوام (اردو) ص/ ۵۱۴ وغیرہ میں موجود ہے جس کے جھوٹ قرار دینے میں ایک لحہ کے لئے توقف نہیں کیا جا سکتا، یہی شیعی روایت اس عمل کے لئے بنیاد بن گئی ہے اور ہمارے نادان اہل سنت بھائی رافضیوں کے اس رسم میں شریک ہو رہے ہیں۔

آخر میں اس مفتی نے طحطاوی اور احیاء العلوم سے جو عبارتیں نقل کی ہیں، ان کا محل نزاع سے کیا تعلق ہے اور پھر علامہ شامیؒ کی عبارت در بارۂ ظاہر الروایۃ ونوادر نقل کر کے اس نے اپنی جہالت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس نام نہاد مفتی کو معلوم نہیں کہ ظاہر الروایۃ امام محمدؒ کی کتب ستہ میں مذکورہ مسائل کا نام ہے اور نوادر سے وہ مسائل مراد ہیں جو کہ امام محمدؒ کی دوسری کتابوں ہارونیات، جرجانیات وغیرہا میں ہوں۔ جنت الفردوس، انیس الواعظین وغیرہما میں مذکور خرافات کو ''نوادر'' سمجھنا نوادارت میں سے ہے، جو شخص فقہاء حنفیہ کی اصطلاح ظواہر اور نوادر کا علم نہیں رکھتا، تعجب ہے وہ فتوی دینے کی جرأت کیسے کرتا ہے اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس پر ایک عالم دین اعتماد کیسے کر سکتا ہے؟

جھوٹ، خیانت، جہالت پر مشتمل اس نام نہاد فتوی کے نقول کو تسلیم کرنا ایک ایسی قبیح ناجائز شرمناک حرکت ہے کہ کسی ادنی مسلمان شخص کے لئے بھی زیبا نہیں، ایک عالم دین کہلانے والے سے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔

File Adress:

انا لله وانا اليه راجعون ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وصلى الله تعالى على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وسلم وعلماء أمته واتباعه اجمعين۔

محمد امین عفا اللہ تعالیٰ عنہ

شاہووام، ۲۹ شوال ۱۴۱۶ھ

(۱۷)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا، لأن المقابر من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد، لأن المسجد ايضاً وقف من اوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد، وذكر اصحابنا ان المسجد اذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة اذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فاذا عادت ملكا يجوز ان يبنى موضع المسجد داراً وموضع المقبرة مسجدا وغير ذلك، فاذا لم يكن لها ارباب تكون لبيت المال۔ [عمدة القاري: ۱۷۹/۴]

نقل الشيخ البنوري زيد مجدهم في [المعارف: ۳۰۶/۳، ۳۰۵] بعض ما

يتعلق بالمسئلة من النصوص عن كتب المذاهب۔

وفی العالمکیریة [۱/ ۱۶۶] ویکرہ أن یبنی علی القبر مسجدا او غیرہ کذا فی السراج الوھاج اھ وفیھا [۱/ ۱۶۷] ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ کذا فی التبیین اھ

وفی الکوکب: [۱/ ۱۵۳] وأما بعد ما طمس القبر فلم یبق لہ علامة ولا أثر او کان تحت قدمیہ او کان بینہ وبینہ حائل فلا کراھة حینئذ اھ۔

سئل القاضی الامام شمس الائمة الأذرجندی عن مسجد لم یبق لہ قوم وخرب ماحولہ واستغنی الناس عنہ ھل یجوز جعلہ مقبرة؟ قال: لا، وسئل ھو ایضاً عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا؟ قال: لا، ولھا حکم المقبرة کذا فی المحیط فلو کان فیھا حشیش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا کذا فی البحر۔ [عالمگیری: ۲/ ۱، ۴۷۱، ۴۷۰، ۲۴۶/۴ قبیل باب الشھید]

قال الزیلعی: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ قال فی الامداد ویخالفہ ما فی التاتارخانیة: اذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لأن الحرمة باقیة الخ، قال ابن عابدین: لکن فی ھذا مشقة عظیمة فان ولی اناطة الجواز بالبلاء الخ [شامی: ۱/ ۵۹۹]

(۱۸)

ووٹ کی شرعی حیثیت

کسی منصب پر فائز ہونے کے لئے کسی شخص کو ووٹ دینا محض ایک دنیوی کام نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ کسی کو ووٹ دینا اس کے قابل اور مستحق ہونے کی شہادت ہے اور منصب دینے والی اتھارٹی سے سفارش بھی ہے کہ اس شخص کو یہ منصب حوالہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ اس منصب سے وابستہ معاملات میں اس شخص کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنانا بھی ہے، تو گویا ووٹ دینا شہادت بھی ہے شفاعت بھی ہے اور توکیل بھی۔ ان تینوں امور کے بارے میں کتاب وسنت نے ہماری پوری پوری راہنمائی فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس راہنمائی کو قبول کرے اور حق تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے دنیا وآخرت کی رسوائی سے بچے۔

ووٹ دینا شہادت اور گواہی ہے

جیسا کہ ذکر ہوا کہ ووٹ دینا امیدوار کی اہلیت کی شہادت ہے اور شہادت کے بارے

میں حق تعالیٰ کا حکم ہے:

وَاَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ لِلّٰہِ۔ (الطلاق: ۲)

ترجمہ: تم اللہ کے لئے سچی گواہی دیا کرو۔

اور ارشاد ہے:

کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ (النساء: ۱۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دیتے ہوئے عدل وانصاف پر قائم رہو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سچی گواہی دینا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، اس لئے حق دار امیدوار کو ووٹ دینا از روئے نصوص واجب ہے اور ووٹ نہ دینا گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ کتمان شہادت ہے۔ (اگر امیدوار بظاہر حق دار نہ ہو، تو ووٹ دینے کا یہ حکم نہیں۔ از: مرتب)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَکْتُمُوا الشَّھَادَۃَ۔ (البقرۃ: ۲۸۳)

ترجمہ: سچی گواہی مت چھپاؤ۔

اور فرمان ہے:

وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا۔ (البقرۃ: ۲۸۲)

ترجمہ: گواہوں کے لئے انکار جائز نہیں جب انہیں گواہی کیلئے بلایا جائے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ۔ (البقرۃ: ۱۴۰)

ترجمہ: اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں جس نے سچی شہادت چھپائی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کتم شھادۃ اذا دعی الیھا کان کمن شھد بالزور۔ (جمع الفوائد)

یعنی سچی گواہی چھپانے والا اتنا ہی مجرم ہے جتنا کہ جھوٹی گواہی دینے والا ہے۔

File Adress:

نااہل شخص کو ووٹ دینا

نااہل امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی کے حکم میں ہے جب کہ قرآن مجید کا حکم ہے:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ (حج: ۳۰)

ترجمہ: جھوٹی بات کہنے سے پرہیز کرو۔

اور ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ۔ (الفرقان: ۸۲)

ترجمہ: خدا کے نیک بندے کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

یاایھا الناس عدلت شھادۃ الزور اشراکا باللہ۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

اے لوگو! جھوٹی شہادت (خدا کے نزدیک) شریک کے برابر ہے۔

اور ایک موقع فرمایا:

الا انبئکم باکبر الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وکان متکئا فجلس فقال: وشھادۃ الزور والشھادۃ الزور۔ (مسند احمد، صحیح بخاری ومسلم)

سنو! میں تمہیں وہ گناہ بتلاؤں جو اکبر الکبائر ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور والدین کی نافرمانی، یہ فرما کر تکیہ چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور بار بار فرمایا: اور جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں:

شھادۃ الزور تعدل بالشرک باللہ۔

ترجمہ: جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے مسلمان ذرا برابر غور فرمائیں کہ نااہل امیدوار کو ووٹ دیکر کتنا بڑا خطرہ مول رہے ہیں۔

File Adress:

ووٹ دینا بحیثیت سفارش

شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ووٹ دینا ایک طرح کی سفارش بھی ہے سفارش کے بارے میں قرآن کا ضابطہ ملاحظہ فرمائیں۔

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ (النساء:۸۵)

ترجمہ: جو اچھی طرح سفارش کرے تو وہ اس نیکی میں حصہ دار ہوگا جسکی کی سفارش کی ہے اور جو شخص بری سفارش کرے تو وہ برائی میں شریک ہوگا۔

اور حدیث میں ہے:

جو نیک کام کی بنیاد رکھے تو اجر میں شریک رہتا ہے اور جو برائی کی بنیاد رکھے تو گناہ میں شریک رہے گا۔ (مسلم)

ایک نیک خدا ترس شخص آپ کے ووٹ سے ایک منصب پر فائز ہو کر جتنی نیکیاں کرے گا، آپ برابر اس کے ساتھ اجر میں شریک ہوں گے۔ اور گمراہ شخص آپ کے ووٹ سے کامیاب ہوا تو اس کے اس منصب پر فائز ہو کر جتنے جرائم ہوں گے سب میں آپ عنداللہ شریک جرم ہوں گے۔

ووٹ دینا بحیثیت توکیل

جس امیدوار کو آپ ووٹ دے رہے ہیں، آپ اسے ایک سرکاری منصب مع اس کے فرائض کے سپرد کر رہے ہیں اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (النساء:۵۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہیں سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔

اور سرکاری منصب بنص حدیث مسلم شریف امانت ہے جبکہ ایک اور حدیث صحیحین

میں نااہل افراد کو ذمہ داری سونپنے کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا:

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔

اور بے دین لوگوں کو اپنے اوپر اور دوسرے مسلمانوں پر مسلط کرنا حق تعالیٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دینا ہے۔

ارشاد ہے:

من ولی من امر المسلمین شیئا فامر علیھم احدا محاباۃ فعلیہ لعنۃ اللہ۔ (جمع الفوائد)

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (المائدہ: ۵۱)

اسلام دشمنوں کو جو شخص ولی یا والی بنائے گا تو وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔

ووٹ پر معاوضہ

ووٹ کی شرعی حیثیت واضح ہونے کے بعد اس کے خرید وفروخت کا حکم از خود واضح ہوگیا۔ ووٹ پر روپیہ لینا اور کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا حرام ہے۔ جواہر الفقہ ص (۲۰۱/۲) میں ہے:

''ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت تباہ کر کے بنص حدیث بدترین قسم کا خسارہ ہے اور حرام مال کے ہوتے ہوئے انسان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی خصوصا رشوت کے سے تو احادیث میں شدید وعید آئی ہے۔ فرمایا:

لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی۔ (مسند احمد)

اور مسند احمد کی اور حدیث میں رائش یعنی دلال پر بھی لعنت کا ذکر ہے جبکہ طبرانی کی روایت میں ہے:

File Adress:

الراشی والمرتشی فی النار۔

مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہؒ لکھتے ہیں کہ ووٹ پر لی گئی رقم مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۹/۲۷۶)

یہ یاد رکھیں کہ جو امیدوار روپیہ دے کر ووٹ حاصل کر رہا ہے خود بھی لعنتی بنتا ہے اور دوسرں کو بھی لعنتی بنا رہا ہے، خود بھی خائن ہے دوسروں کو بھی قومی خیانت کا مرتکب بنا رہا ہے ایسے شخص کو ووٹ دینا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حرام ہے۔ اس سے رقم لینا الگ گناہ ہے فسق وخیانت تو شاید بعد میں ثابت ہو یہ تو بالفعل فاسق اور خائن ہے اس لئے مسلمان اولا تو کسی سے روپیہ نا لیں اگر خدانخواستہ لئے ہیں تو اس شخص کو ووٹ ہرگز نہ دیں بلکہ دوسرے دین دار شخص کو ووٹ دے کر ایک گناہ سے اپنے آپ کو بچالیں۔ یہ خوب سمجھ لیں کہ نااہل شخص کو ووٹ دینے کا اگر کسی نے وعدہ کیا ہے یا قسم کھالی ہے تو یہ وعدہ کرنا اور قسم کھانا گناہ ہے، اس وعدہ اور قسم کو توڑنا واجب ہے۔ جیسا کہ احادیث نبویہ اور اہل علم کی تصریحات سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لئے کفایۃ المفتی: ۹/۲۷۷۔۲۷۸ ملاحظہ ہو۔

لادین عناصر کی حمایت

اہل حق، دین دار لوگوں کا ساتھ دینا نص قرآن لازم ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: ایمان دارو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور راست بازی کا ساتھ دو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ (الصف: ۱۴)

ترجمہ: ایمان والو! خدا کے مددگار بن۔

اس کے برعکس لادین عناصر اور دین دشمن لوگوں کا ساتھ دینا قطعی حرام ہے، ارشاد ربانی ہے:

File Adress

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ھود:۱۱۳)

ترجمہ: ظالموں کی طرف جھکاؤ نہ رکھو ورنہ جہنم کی آگ تمہیں لگ گی۔

اور فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ:۲)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد دو گنا اور زیادتی میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرنا۔

بے دین لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی صریح ممانعت آئی ہے:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانعام:۶۸)

اور خلاف ورزی کی صورت میں یہ وعید ہے:

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ (النساء:۱۴۰)

تم انہی جیسے بن جاؤ گے۔

جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد گرامی ہے:

المرء مع من احب۔ (صحیحین وغیرھا)

اور آدمی کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ اس کا لگاؤ ہے، فرمایا:

من کثر سواد قوم فھو منھم۔ (ابویعلی)

جس نے کسی جماعت کے ساتھ مل کر اس کی تعداد بڑھائی تو وہ اسی جماعت میں سے ہوگا۔ اور فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (مسند احمد وطبرانی)

جو شخص جس جماعت کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی سے ہوگا۔

لادین جماعتوں کے بیج اور جھنڈے لگانے والے اپنا انجام دیکھیں اور فرمایا:

من اعانھم علی ظلمھم فلیس منی ولست منہ۔ (ترمذی، نسائی)

جس نے ظالموں کی اعانت کی وہ نہ میرا ہے اور نہ میں اس کا ہوا۔ (گویا میری امت

File Adress:

سے خارج ہے۔)اور فرمایا:

من مشی مع ظالم لیقویہ وفی روایۃ: لیعذو ھو لیعلم انہ ظالم فقد خرج عن الا سلام۔ (مشکوۃ، فیض القدیر)

جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کو جانتے ہوئے اس کی اعانت اور مدد کیلئے (صرف) چلتا ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اسلام پر مرمٹنے والے میرے غیور مسلمان بھائیو! خدارا اپنے آپ پر رحم کرو شیطان اور اس کے ایجنٹ تمہیں تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ہوش میں آؤ!!!

حضرت قتادہؓ سے والذین لایشھدون الزور کی تفسیر میں منقول ہے:

لایساعدون اھل الباطل علی باطلھم۔ (درمنثور)

اہل حق کے مقابلے میں اہل باطل کے ساتھ تعاون کرنا ہرگز مسلمان کا شیوہ نہیں۔

اس معاملہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، الحاد ولادینیت کے داعی لوگوں کو ووٹ دینا یقینا الحاد اور لادینیت پر اپنی رضامندی کا اظہار ہے، جبکہ باجماع امت رضا بالکفر کفر ہے۔

ضروری وضاحتیں

۱۔عورت پردہ کا اہتمام کر کے ووٹ دینے کے لئے جاسکتی ہے، کما فی کفایۃ المفتی۔ ہاں! انہیں خوب سمجھانے کی ضرورت ہے کہ بے پردگی سے بچے اور کسی کے ورغلانے سے ووٹ غلط استعمال نہ کرے۔

۲۔جس حلقہ انتخاب میں قابل شریعت کا عالم دیانتدار شخص موجود ہو تو اسے ووٹ دینا آپ کا شرعی فریضہ ہے اور ووٹ دینے میں کوتاہی گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایسا امیدوار نہ ہو تو تقلیل شر کی نیت سے نسبتاً دوسروں سے زیادہ نیک کو ووٹ دینا مستحسن ہے اور اگر سارے امیدوار خدانخواستہ بے دینی میں برابر ہوں تو ووٹ کا استعمال حرام ہوگا۔

۳۔انتخابات کا موجودہ نظام غیر شرعی ہے اہل علم واہل دین مجبوراً کے اصول پر اس میں

File Adress

حصہ لے رہے ہیں تا کہ قوت حاصل کر کے پورے نظام کو صالح بنا سکیں اور کم از کم الحاد کے سیلاب کو مزید پھیلنے سے روک سکیں۔

۴۔ یہ بھی معلوم ہو کہ رشوت دیکر جو شخص کامیابی حاصل کرتا ہے تو آئین شریعت کے رو سے بھی اسکی رکنیت کالعدم اور موجودہ ملکی آئین کے رو سے بھی وہ ممبر نہیں تو وہ جتنی تنخواہ یا دوسری مراعات حاصل کرے گا سب کے سب حرام ہونگے۔

(۱۹)

مودودی فکر حضرات کو ووٹ دینے کا حکم

مودودی صاحب کا فرقہ جیسے لوگ ''جماعت اسلامی'' کے نام سے جانتے ہیں، برصغیر کے تمام ممتاز علماء حق اور مشاہیر اہل اللہ کے نزدیک اہل سنت کے بعض بنیادی عقائد سے انحراف کی بنا پر ایک گمراہ فرقہ ہے اور مسلمانوں پر ان سے اجتناب لازم ہے۔

مودودی صاحب کے معتقدین اور مداح قسم کے لوگوں کو ووٹ دینا یا دینے کیلئے اپیل کرنا شرعاً ناجائز ہے، جبکہ اس کو اسلامی فریضہ یا شرعی حق کا نام بھی دیا گیا ہو، میں نہیں سمجھتا کہ جس شخص کو علم دین اور دیانت سے کچھ بھی حصہ ملا ہو، وہ اس جماعت کے کسی شخص کو ووٹ دینا شرعی حق اور اسلامی فریضہ کیسے قرار دے سکتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ھود:۱۱۳)

اور ارشاد نبوی ہے:

لا یؤمن فاجر مؤمناً۔ (سنن ابن ماجه)

اور

من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام۔ (مشکوۃ شریف)

أنبیاء عظام علیہم الصلوۃ والسلام اور صحابہ کرام اور حضرات أولیا وفقہا ء کی مقدس جماعتوں کی أعراض اور ذوات پر حملے کرنا بدترین قسم کا ظلم اور پرلے درجہ کا فجور ہے اور اعتقادی بدعت عملی بدعت سے بدر جہا بڑھ کر جرم ہے۔ مودودی صاحب نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمت اور صحابہ کرامؓ کی عدالت اور فقہاء امت کی تقلید اور صوفیائے کرام کی تعلیمات کے بارے میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ گمراہ کن اور تمام اہل السنۃ والجماعت کے اعتقادی مسلک کی صریحاً خلاف ہیں۔ اس لیے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مفتی اعظم دیوبند، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کراچی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور، محدث اعظم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب، شیخ الحدیث والمحدثین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتیؒ اور دیگر ہزاروں اجلہ واکابر علماء دین نے اس گمراہی سے بچنے اور بچانے کی تلقین کی ہے۔

مودودی صاحب انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت دائم نہیں مانتے۔ (تفہیمات، ۲/ ۴۳) اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو معصیت کی پستی میں گرنے والا (تفہیم القران، ۳/ ۱۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کو بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار (تفہیم، ۲/ ۳۴۴) حضرت یونس علیہ السلام کو فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا (تفہیم، ۲/ ۳۱۳، ۳۱۲) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عارضی طور پر شرک کا مرتکب اور اپنے رب کی بارے میں متردد (تفہیم، ۱/ ۵۵۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناعاقبت اندیش جلد باز فاتح کا مماثل (ترجمان، ج:۲۹، عدد:۴، ص:۵) اور نبوت سے پہلے

بہت بڑے گناہ، قتل انسان کا مرتکب (رسائل ومسائل، ۱/۳۱) اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹلی کی مسولینی کی طرح ڈکٹیٹر (تفہیمات، ۲/ ۱۲۲) اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اسرائیلی سوسائٹی سے متاثر، حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال کرنے والا، ایسے فعل کا مرتکب جس میں خواہش نفس کا دخل تھا، (تفہیم، ۲/ ۴۷ سورۃ ص) قرار دیا ہے۔

مودودی صاحب صحابہ کرام کو معیار حق تسلیم نہیں کرتے اور نہ ان کی تقلید کو جائز مانتے ہیں اور نہ اُن کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں، بلکہ سیدنا عثمان، سیدنا زبیر، سیدتنا عائشہ، سیدنا طلحہ، سیدنا ابوموسیٰ، سیدنا معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر تنقید کرتے ہوئے، اپنی تالیفات خصوصاً ''خلافت وملوکیت'' میں وہ زہرا گلا جو ان کے رافضیانہ ذہن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

احادیث، فقہ اور تصوف کے بارے میں زہریلے تاثرات ظاہر کئے جن سے نوجوان اور ناپختہ ذہن گمراہی کی تاریک گڑھوں میں گر پڑتا ہے۔ ''تجدید واحیائے دین'' نامی کتاب میں حضرت عثمانؓ سے لے کر حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ تک نامور ائمہ سلف پر تنقید کی۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ تعاون کی اپیل عالم دین تو درکنار، ایک صحیح العقیدہ عام شخص بھی نہیں کرسکتا، اپیل کنندگان میں سے بعض حضرات تو ذاتی مفادات اور ذاتی تعلقات پر مسلک وعقیدہ کو قربان کرسکتے ہیں اور بعض گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہنے میں ضرب المثل بن چکے ہیں، اس لیے نہ قابل التفات ہیں، نہ قابل خطاب۔ البتہ کربوغہ شریف کے ہمارے مخدوم حضرت..... صاحب سے درمندانہ درخواست کریں گے کہ فقہ وتصوف کے وارث وامین کی حیثیت سے اپنے بیان پر نظر ثانی فرمائیں، جب تک ایک شخص مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے عقائد باطلہ کو غلط اور باطل کہنے اور صراحۃً ان سے اعلانیہ اپنی برآءت کا اظہار نہیں کرتا صرف اسلام کارٹ لگانے سے کوئی مسلمانوں کی نمائندگی کا مستحق نہیں بن سکتا۔ مرزائی، پرویزی، چکڑالوی اس امپریلسٹ وسوشلسٹ وغیرہ

ملحد عناصر سب اسلام کا نام لیتے رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کون کونسا اسلام چاہتا ہے؟، آج بدقسمتی سے ہر شخص اسلام کا مفہوم اور مصداق متعین کرنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتا ہے۔ ہم تو صرف سلف صالحین سے منقول اسلام ہی کو اسلام سمجھتے ہیں۔ علماء حق کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے جو ان کے کندھوں پر خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین۔ (البیهقی)

ڈال دی ہے کہ وہ اسلام کا نام ناجائز طور پر استعمال کرنے والوں کو بے نقاب کرتے ہوئے اُمت کی راہنمائی کریں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، نیز حقانی عالم ترجیح کا مستحق ہوتا ہے عالم سوء نہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم

File Adress:

(۲۰)

یا محمد کہنے اور لکھنے کا حکم

یا محمد وغیرہ الفاظ کا اس اعتقاد سے کہنا کہ سرور کائنات ہر جگہ موجود ہیں، شرک اور حرام ہے۔ لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب۔

(البحر الرائق: ۲/۸۸۔ بزازیه علی هامش هنديه: ۴/۹۱۱۔ رد المحتار، ۳/۲۸۔ خلاصة الفتاوی: ۵/۲۱۔ التاتارخانیه: ۲/۶۱۰۔ خانیه: ۱/۳۳۴)

اگر کسی کا حاضر و ناظر کا عقیدہ نہ بھی ہو تب بھی چونکہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، لہٰذا یہ الفاظ موہم شرک ہیں۔ اور جس طرح شرک سے بچنا ضروری ہے شائبہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے۔ بہت سے امور مباح لذاتہ ناجائز لغیرہ ہوتے ہیں۔ كل مباح يؤدي الى زعم الجهال سنية آمر أو وجوبه فهو مكروه۔ (تنقيح الحامديه: ۲/۳۶۷۔ ردالمحتار: ۲/۱۲۰۔ احكام القران للشيخ العلامة ظفر احمد

العثمانی:۵۴، ۱/۵۵۔تفسیر القرطبی:۲/۵۷۔روح المعانی:۱/۲۸۵۔ البحرالرائق: ۲/۱۶۰)

لفظ یا محمد بغیر تصلیہ وتسلیم کے بے ادبی اور توہین سے خالی جو کہ ناجائز ہے۔

تحریم ندائه صلی الله علیه وسلم باسمه والظاهر استمرار ذلک بعد وفاته الی الآن۔(روح المعانی:۶/۱۱۶)

لا تدعوه باسمه کمایدعو بعضکم بعضاً یا محمد، یا عبدالله ولکن فخموه وشرفوه۔

(تفسیر بغوی: ۳/۳۵۹۔زاد المسیر:۶/۶۸۔صفوة التفاسیر: ۲/۳۵۱۔ تنویر الاذهان: ۳/۷۱۔ معارف القرآن: ۶/۴۵۵۔ تفسیر مظهری: ۶/۵۴۹۔ الکشاف: ۳/۷۹۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس : ۳۵۹۔ اللباب :۱۴/۴۶۰۔ تفسیر السمرقندی :۲/۴۵۱۔تفسیر حسن بصری:۲/۱۶۴)

مسجد کی دیواروں پر لکھنا یا نقش ونگار کرنا خصوصاً محراب یا قبلہ رو دیواروں پر مکروہ ہے۔

الاولی أن تکون حیطان المسجد أبیض غیر منقوشة ولا مکتوب علیها ویکره أن تکون منقوشة بصور أو بکتابة۔

(البحرالرائق:۵/۲۵۱۔هندیة: ۵/۳۱۹۔ هندیة فی موضع آخر: ۵/۳۲۳۔ رد المحتار: ۱/۶۵۸۔ درالمختار: ۱/۶۶۳۔المدخل لابن الحاج: ۱/۲۱۴۔ امدادالمفتین: ۲/۳۱۴۔فتاوی محمودیه: ۶/۱۸۰۔اسلام کا نظام مساجد: ۲۳۹۔احسن الفتاوی: ۶/۴۵۹)

(۲۱)

اجماع مرکب

اجماع مرکب کی صورتوں میں سے ایک صورت جسے امام شاشیؒ نے نوع غریب کہا ہے کہ دو مسئلے مختلف فیہ ہوں اس طرح سے کہ ایک کا ثبوت دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہو اور نفی نفی کو، اس لئے کہ قائل بالفصل کوئی نہ ہو۔

اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ دونوں مسئلوں میں مسماً خلاف ایک ہو۔ دوسری یہ کہ مسماً خلاف مختلف ہو، ایک نہ ہو۔ پہلی صورت میں یہ اجماع حجت ہے، دوسری صورت میں حجت نہیں، پہلی صورت جو کہ حجت ہے، کے لئے مثال ان جزئیات فقہیہ میں موجود ہے جن کی تفریع فقہاء نے ایک اصل پر کی ہو۔ جیسا کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ افعال شرعیہ کی نہی سے ان افعال کی مشروعیت باعتبار اصل کے ثابت ہوتی ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک یوم النحر کے صوم کی نذر صحیح ہے اگر چہ روزہ نہیں رکھے گا بلکہ قضاء کرے گا، اسی طرح بیع فاسد سے ملک ثابت ہوتی

ہے اگرچہ اس کا فسخ واجب ہے اور شافعیہ کے نزدیک افعال شرعیہ سے نہی ان کے قبیح ہونے کی دلیل ہے اس لئے وہ مشروع نہیں ہو سکتے بنابریں ان کے نزدیک نذر مذکور باطل اور بیع فاسد ملک کا افادہ نہیں کر سکتا۔

اب اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفیہ اور شافعیہ کا اس پر اجماع ہے کہ بیع فاسد حکم میں صوم یوم النحر کی طرح ہے، یعنی دونوں مسئلوں کی مماثلت فی الحکم پر اجماع ہے یعنی یا دونوں جائز یا دونوں ناجائز، اس لئے کہ دونوں مسئلوں میں دونوں فریقوں میں سے قائل بالفصل کوئی نہیں کہ صوم یوم النحر کو جائز جانتا ہو اور بیع کو ناجائز یا برعکس۔ اور مسلّم اختلاف دونوں مسئلوں میں ایک ہے جو کہ نہی عن الأفعال الشرعیۃ ہے۔ اب ان دونوں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ کا اثبات اگر ہو جائے تو اجماع مذکور کی وجہ سے دوسرا مسئلہ بھی ساتھ ثابت ہوگا۔ ورنہ پھر مماثلت دونوں میں نہیں رہے گی جو کہ مجمع علیہ ہے۔

دوسری مثال اس کے لئے یہ ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، اس لئے مفہوم شرط بھی معتبر نہیں اور مفہوم وصف بھی، اور شوافع کے ہاں منطوق کی طرح مفہوم مخالف بھی حجت ہے مفہوم چاہے شرط کا ہو یا وصف کا۔

اس اصولی اختلاف کی وجہ سے احکام فرعیہ میں بھی اختلاف ہو گیا، چنانچہ ہمارے نزدیک حرہ کی استطاعت کے باوجود امۃ سے نکاح جائز ہے، اور جس طرح امۃ مؤمنہ سے نکاح جائز ہے اسی طرح امۃ کتابیہ کے ساتھ بھی جائز ہے اس لئے کہ آیۃ کریمہ میں "وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ" اور "مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ" میں دوسری نصوص کی وجہ سے نہ مفہوم شرط کا ہے اور نہ مفہوم وصف کا۔ اور شوافع حضرات کے نزدیک استطاعت حرہ کے باوجود مطلق امہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے اس لئے کہ مفہوم مخالف کے اعتبار کی وجہ سے عند عدم الوصف تعلیق الحکم بالشرط مستلزم ہے انتفاء الحکم کو۔ آیت کریمہ میں امہ کے ساتھ جواز نکاح کا حکم عدم استطاعت حرہ کے شرط کے ساتھ اور امہ کے وصف ایمان کے ساتھ معلق ہے، تو اس شرط یا وصف کے عدم کی

File Adress:

صورت میں جواز کا حکم ثابت نہیں رہے گا۔

مذکورہ بالا بیان پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ یہ دراصل زیر بحث اجماع کے لئے دو مثالیں ہیں، ایک یہ کہ حنفیہ اور شافعیہ کا اس پر اجماع ہے کہ تعلیق الحکم بالوصف تعلیق الحکم بالشرط کی طرح ہے، دونوں حکم میں مماثل ہیں، یعنی عند الفریقین جو حکم تعلیق بالشرط کا ہے وہی تعلیق بالوصف کا بھی ہے، یعنی تعلیق بالشرط میں عدم شرط جس فریق کے نزدیک مانع حکم ہے تعلیق بالوصف میں عدم وصف ان کے نزدیک مانع حکم ہے اور جس فریق کے نزدیک عدم شرط مانع نہیں ان کے نزدیک عدم وصف بھی مانع نہیں، قائل بالفصل کوئی نہیں کہ عدم شرط کو مانع کہے اور عدم وصف کو غیر مانع یا برعکس، اور مسأ خلاف ایک ہی چیز ہے یعنی مفہوم کا اعتبار۔

دوسری مثال یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جس طرح کہ عدم طول حرہ کی صورت میں نکاح اُمہ مؤمنہ جائز ہے اسی طرح عدم طول کی صورت میں نکاح اُمہ کتابیہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ ترتب الحکم علی الموصوف اس حکم کے تعلیق بالوصف کو مستلزم نہیں اور شوافع حضرات کے نزدیک جس طرح کہ طول حرہ کی صورت میں مطلق اُمہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں اسی طرح عدم طول کی صورت میں اُمہ کتابیہ کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں، اس لئے کہ جواز نکاح اُمہ کا حکم آیت کریمہ میں وصف ایمان پر مرتب ہے تو نکاح الأمہ عند الطول اور نکاح الأمۃ الکتابیۃ عند عدم الطول ایک دوسرے کے مماثل ہیں عند الحنفیہ جواز میں اور عند الشافعیہ عدم جواز میں۔ اور مسأ خلاف ایک ہی ہے یعنی ترتب الحکم علی الوصف کترتبہ علی الشرط مستلزم ہے انتفاء حکم کو عند عدم الشرط او الوصف یا مستلزم نہیں انتفاء حکم کو عند عدمہما۔

اسی طرح مجوزہ غیر حاملہ کے نفقہ کا مسئلہ اُمہ کتابیہ کے ساتھ ناکح کے مسئلہ کی طرح ہے کہ ہمارے نزدیک اس کا نفقہ واجب ہے جیسا کہ اُمہ کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں، منشأ خلاف دونوں مسئلوں ایک ہی ہے یعنی ترتب الحکم علی الوصف مستلزم ہوتا ہے انتفاء حکم کو عند عدم الوصف یا نہیں کما مرّ انفاً۔

اسی طرح اس قسم کے اجماع کے نظائر میں سے ایک نظیر یہ بھی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر اجنبیہ کا طلاق یا اجنبی کا عتاق اس کے ملک یا سبب ملک کے ساتھ معلق کیا جائے تو تعلیق صحیح ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح نہیں تو ہمارے ہاں تعلیق الطلاق بالملک او بسبب الملک کا حکم ایک ہے جو کہ صحت ہے اور شوافع کے نزدیک بھی دونوں کا حکم ایک ہے جو کہ عدم صحت ہے اور مسأ خلاف بھی ایک ہے اور وہ یہ کہ معلق بالشرط فی الحال سبب ہوتا ہے حکم کا، یا عند وجود الشرط سبب بنتا ہے۔ شوافع کے نزدیک فی الحال سبب ہوتا ہے لیکن عدم الشرط مانع ہوتا ہے ثبوت حکم کے لئے اور ہمارے نزدیک عند وجود الشرط سبب ہوتا ہے اس سے پہلے نہیں اور تعلیق بالشرط علت اور سبب کو علۃ اور سبب بننے نہیں دیتا۔ لہٰذا ان کے نزدیک فی الحال صلاحیت محل للطلاق او العتاق ضروری ہے ورنہ کلام باطل ہوگا اور ہمارے نزدیک عند وجود الشرط یہ صلاحیت ضروری ہے نہ کہ فی الحال، تو بہر حال ہمارا اور شوافع کا اجماع ہے اس پر کہ عتاق تعلیق کے باب میں طلاق کی طرح ہے اور دونوں فریق میں سے کوئی قائل بالفصل نہیں ہے کہ طلاق کا الگ حکم بتلاتا ہو اور عتاق کا الگ۔

اجماع غریب کی دوسری قسم (جو کہ حجت نہیں ہے) کے لئے نظیر یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ قئ بالفصل ناقض وضو ہے تو بیع فاسد مفید للملک ہونا چاہیے، یا قتلِ عمد موجب قصاص ہونا چاہیے لعدم القائل۔ یا شوافع کہیں کہ قئ غیر ناقض ہے تو مس المرءۃ ناقض ہونا چاہیے لعدم القائل بالفصل۔

یہ استدلال بالا جماع غلط ہے اس لئے کہ اس میں مسأ خلاف ایک نہیں ہے، قئ کے مسئلہ میں مسأ خلاف یہ ہے کہ خروج نجس من غیر السبیلین ناقض وضو ہے اور یہ قئ میں موجود ہے مس مرأۃ میں نہیں، اور بیع فاسد کے مسئلہ میں مسأ خلاف نہی عن الامور الشرعیہ کا موجب مشروعیت ہونا چاہیے یا موجب قبح و بطلان ہونا، اور موجب قتل عمد کے بارہ میں مسأ خلاف یہ ہے کہ کیا قتل عمد فی نفسہٖ موجب قود ہے، یا موجب ہوتا ہے قود یا دیت کا۔ اور مس المرأۃ کے

File Adress

بارے میں مسماً خلاف نص میں مذکور لفظ ''مس'' ہے کہ اس سے جماع مراد ہے یا مطلق جسم کے حصے کا لگنا تو مسماً خلاف ان تمام اختلافی مسئلوں میں الگ الگ ہوا، ایک نہیں رہا۔

اجماع غریب کی اس دوسری قسم کے حجت نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے، اس لئے کہ مثلاً اگر بدلائل ثابت ہوجائے کہ قئ ناقض وضو ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوجائے گا کہ ہمارا یہ اصل صحیح ہے کہ خروج نجس من غیر سبیلین ناقض ہے، لیکن بیع فاسد کا حکم چونکہ اس اصل پر متفرع نہیں ہے بلکہ دوسرے اصل پر متفرع ہے، لہٰذا اس فرع یا اس کے اصل کی صحت سے اس دوسرے فرع یا اس کے اصل کی صحت لازم نہیں۔

کماھو بین لا یخفی و اللہ سبحانہ تعالی اعلم۔

File Adress:

(۲۲)

تحقیق ان المجاز خلف عن الحقیقة

۱۔ زیر بحث مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان جو اختلافات ہے، اسے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے بطور تمہید چند امور کا ذہن نشین ہونا ضروری ہے۔ یہ امور چار ہیں اور سب کے سب اتفاقی ہیں۔

اول: یہ کہ حقیقت اصل ہے اور مجاز اس کی فرع اور خلف ہے، اس لئے کہ حقیقت موضوع ہے اور مجاز غیر موضوع، حقیقت اپنی جگہ پر ثابت ہے اور مجاز غیر کی جگہ پر آیا ہے۔ حقیقت محتاج قرینہ نہیں اور مجاز قرینہ کا محتاج ہے۔

دوم: یہ کہ خلف کا تصور بغیر اصل کے ناممکن ہے، اس لئے کہ خلفیت امور اضافیہ میں سے ہے اور اضافیات کی شان یہی ہوتی ہے کہ منتسبین کے بغیر ان کا تصور نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ابوت اور ابنیت ہے۔

سوم: یہ کہ جب تک حقیقت متعذر نہ ہو، مجاز کی طرف رجوع صحیح نہیں کریں گے، ورنہ

ترجیح مرجوح لازم آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک جمع بین الحقیقۃ والمجاز ناجائز ہے۔

چہارم: یہ کہ حقیقت اور مجاز الفاظ کے عوارض میں سے ہیں، جیسا کہ دونوں کی تعریف سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان امور پر اتفاق کے بعد ہمارے ائمہ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ مجاز کی خلفیت کی جہت کیا ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ نے جہت خلفیت لفظ اور تکلم کو قرار دیا ہے اور صاحبینؒ نے معنی اور حکم کو، اور امور اربعہ مذکور میں سے امر ثانی کے تقاضہ کے مطابق امام صاحبؒ نے صحت مجاز کے لئے حقیقت کی لفظی صحت کو شرط قرار دیا اور صاحبینؒ نے اصل کے حکم و معنی کی صحت اور امکان کو۔

پھر امام ابوحنیفہ کے کلام کے شارحین نے آپ کی کلام کی دو توجیہیں ذکر کیں:

اول یہ کہ مجاز باعتبار تکلم کے حقیقت کا خلف ہوتا ہے بایں معنی کہ معنی مراد کی ادائیگی کے لئے جو عبارت موضوع ہے، (جو کہ اصل و حقیقت ہے) اس کے بجائے غیر موضوع عبارت (جو کہ مجاز ہے) استعمال کرتے ہیں، مثلاً: 'هذا اسد' جو کہ مجازاً استعمال ہو، خلف ہے: هذا شجاع کا۔ اور هذا ابنی جب کہ 'عتق' کے لئے استعمال ہو، خلف ہے: هذا حر کا۔

دوسرا یہ کہ مجاز کے حقیقت کے خلف ہونے کا معنی یہ ہے کہ مثلاً: هذا اسد کا حیوان مفترس پر اطلاق ہو تو حقیقت اور اصل ہے، اور جل شجاع پر جب اس کا اطلاق ہو تو مجاز اور خلف ہے۔ اسی طرح هذا ابنی مراداً به ثبوت النسب اصل ہے۔ اور هذا ابنی مراداً به الحریة اس کا خلف ہے۔ دوسرے الفاظ میں پہلی توجیہ کے مطابق امام صاحبؒ کے اس قول "المجاز خلف عن الحقیقه فی التکلم" میں حقیقت سے وہ لفظ مراد ہے، جو مستعار کے لئے وضع ہے، اور دوسری توجیہ کے مطابق حقیقت سے مستعار منہ کی حقیقت مراد ہے، یعنی

وہ لفظ جو مستعار منہ کے لئے موضوع ہے۔فی نفسہٖ دونوں توجیہیں ممکن ہیں،لیکن محققین حضرات نے دو وجوہات کی بنا پر دوسری توجیہ کو اختیار کیا:

ایک تو اس لئے کہ اگر حقیقت کی مراد وہی ہو جو کہ پہلی توجیہ میں ذکر ہے۔تو ہمارے ائمہ کا اختلاف جہت خلفیت کی تعیین تک محدود نہ رہتا، بلکہ حقیقت کی تعیین میں بھی اختلاف ہوتا۔دوسرا یہ کہ "ھذا ابنی لاکبر سنا"میں یہ کہنا پھر صحیح نہ ہوتا کہ یہاں اصل متصور اور ممکن نہیں۔اس لئے کہ بنا بر توجیہ اول اصل تو یہاں ھذا حر [redacted] .اور اس کے لفظاً معناً صحیح ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا،اور اسی طرح اس اختلاف پر متفرع دوسرے مسائل کی تفریع بھی صحیح نہ ہوتی ہے اور نہ صاحبینؒ کے اختلاف کی گنجائش ہوتی۔

۳۔صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مجاز کے صحت کے لئے یہ ضروری ہے، کہ اصل عربیت کے اعتبار سے صحیح ہو،اور عقلاً ممکن بھی ہو،یعنی لفظاً ومعناً اصل کی استقامت ضروری ہے اور صاحبینؒ کے ہاں بھی امکان حکم کے ساتھ صحت تکلم شرط ہے۔فرق اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ اصل کے امکان کے قائل ہیں، چاہئے بشخصہٖ ہو یا بنوعہٖ اور صاحبینؒ کے ہاں اصل کا بشخصہٖ امکان ضروری ہے۔مثلاً'ھذا ابنی لاکبر سنا'امام صاحبؒ کے نزدیک مستقیم المعنی کلام ہے،اس لئے کہ اگر یہ لفظ اس غلام کا والد یا کوئی کبیر السن یولدھو لمثلہ استعمال کرتا ہے،تو اس کے صحت میں کلام نہیں،لیکن صاحبینؒ چونکہ بشخصہٖ اسی کلام کی صحت کے قائل ہے، جو کہ محض قائل نے مخصوص محل میں استعمال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بشخصہٖ یہ قول صحیح المعنی نہیں ہے۔

یہ تشریح اگر چہ معذرتی معلوم ہوتی ہے،مگر اصحاب نظر پر مخفی نہیں کہ بعض محققین کے کلام سے اس کا استنباط ہوسکتا ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو،جب ان دو اصلین پر ہمارے ائمہ کا اتفاق تسلیم کیا جائے کہ حقیقت ومجاز لفظ کے عوارض میں ہے،اور خلف کا تصور اصل کے بغیر ناممکن ہے،تو مذکور بالا تشریح کو لازماً ماننا پڑے گا۔فتبصر و تشکر و لاتکن من الغافلین۔

حسب قول مشہور صاحبینؒ کا جو مذہب ہے، اس پر کئی طرح کا استدلال کیا گیا ہے:

(۱) حکم اور معنی چونکہ مقاصد میں سے ہے، الفاظ اور عبارات تو صرف ذرائع اور وسائل ہے، اس لئے مقصود اولی بالاعتبار ہونا چاہیے۔

(۲) مجاز میں ذہن کا انتقال ملزوم سے لازم کی طرف ہوتا ہے اور لازم موقوف ہوتا ہے اپنے ملزوم پر۔ اگر موقوف علیہ ممکن نہ ہو تو موقوف کا امکان باقی نہیں رہے گا۔

(۳) صاحبینؒ نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ اس کے لئے نظائر موجود ہیں، من جملہ ان نظائر کے یمین کا مسئلہ ہے کہ یمین کا انعقاد اگر اصل کے لئے جو کہ 'بر' ہے، ممکن ہے، تو اس کا انعقاد خلف کے لئے جو کفارہ ہے، ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً حلف علی مس السماء کی صورت میں 'السماء' چونکہ ذاتاً ممکن ہے، اس لئے یمین کا انعقاد صحیح ہوا، لیکن عادۃً 'بر' چونکہ متعذر ہے، اس لئے کفارہ جو کہ خلف ہے، لازم آئے گا۔ اور یمین غموس میں چونکہ اصل ممکن نہیں ہے، اس لئے کفارہ بھی اس سے لازم نہیں آتا۔

امام صاحبؒ کی طرف سے بھی کئی دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) حقیقت اور مجاز لفظ کے عوارض میں سے ہے۔ اس لئے خلفیت اور اصالت (جو کہ حقیقت اور مجاز کے اوصاف ہیں) میں لفظ ہی کا اعتبار ہوگا۔ ان قائم بالشئ قائم بذلک الشئ۔

(۲) مجاز اور مستعار میں انتقال ہوتا ہے، یعنی مستعار منہ سے لفظ کو نقل کیا جاتا ہے، مستعار لہ کی طرف اور انتقال الفاظ ہی کا ممکن ہے، معانی اور احکام کا نہیں۔ کما لا یخفی علی اللبیب۔

(۳) قرآن کریم میں ایسے بکثرت مجازات وارد ہوئے ہیں، جن میں اصل کے حکم کا قطعاً امکان نہیں، مثلاً "بل یداہ مبسوطتٰن" اگر اصل کے حکم کا امکان مجاز کے صحت کے لئے ضروری ہے، تو پھر یہ مجازات کیسے ہیں؟

File Adress

(۴)ھذا اسد لرجل شجاع کے صحت پر تمام اہل لغت کا اجماع ہے، حالانکہ یہاں اصل کا معنی یقیناً ممکن نہیں۔

(۵)امام صاحبؒ کے اختیار فرمودہ مسلک کے لئے نظائر موجود ہیں، مثلاً: صحت نماز کا مدار قرأت پر ہے، اور قرأت لفظ کے عوارض میں سے ہے، باوجود معنی کے مقصود ہونے کے صرف معنی پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوگی۔

اور مختار امام صاحب ہی کا مذہب ہے، مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر۔

رہے صاحبین کے وجوہ استدلال تو ان میں سے وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ مقصود ہر جگہ اولی بالاعتبار نہیں ہوتا۔ صرف وہیں ہوتا ہے جس لحاظ اور حیثیت سے وہ مقصود ہے۔ مثلاً: عقیدہ وعمل وغیرہ

وجہ ثانی کا جواب یہ ہے کہ انتقال الی اللازم ملزوم کے فہم پر موقوف ہے اس کے ارادے پر نہیں حتی کہ اس کا امکان ضروری ہوجائے۔

اور وجہ ثالث کا جواب یہ ہے کہ "مس سماء" اگر ممکن ہے تو غیر حالف کے لیے نہ کہ حالف کے لیے، پس انعقاد یمین کیسے صحیح ہو۔ ھذا ابنی لا کبر سنا بھی تو صحیح ہے، قائل مذکور کے علاوہ غیر کی نسبت۔ پھر وہاں اس امکان اور صحت کا اعتبار نہیں کیا، تو یہ نظیر علیکم ہے لکم نہیں اور لنا ہے علینا نہیں۔

☆☆☆

(۲۳)

حجیت اقوال صحابہؓ

یہ تحریر حضرت الاستاد مولانا اورکزئی شہیدؒ نے درجہ خامسہ میں دوران تعلیم لکھی تھی، بندہ نے اسے آپ کی درسی کاپی سے نقل کیا ہے، یہ آپ کے ذوق تحقیق کے ابتدائی نقوش ہیں۔ (مرتب)

یہ لطیف نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ سنت رسول صلی اللہ عنہ وسلم سے متعلق امام شاطبیؒ نے جو تعمیم کی ہے وہی تعمیم سنت خلفا کے متعلق بھی کی جائے گی، یعنی خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے اقوال وافعال اور وہ طریقے جن پر وہ چل پڑے، سنت ہیں اور ہمارے لئے واجب الاتباع اور حجت ہیں۔ چاہے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے اقوال وافعال ہمارے لئے حجت نہیں، حجت بس صرف قرآن وحدیث ہے، صحابہؓ کے اقوال وافعال کو کتاب وسنت کی روشنی میں پرکھیں گے جو موافق ہو قبول کریں گے اور جو موافق نہ ہو رد کردیں گے، یہ غلط ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال ہمارے لئے حجت اور واجب العمل ہیں، چاہے

قرآن میں ذکر ہوں یا نہ ہوں، اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت اور صحابہؓ کے اقوال و افعال ہمارے لئے لازم الاتباع اور حجت ہیں اور جس طرح سنت رسول پر کسی کو نقد و تبصرے کا حق حاصل نہیں اسی طرح سنت خلفاء اور اقوال و افعال صحابہؓ پر بھی کسی کو پرکھنے، تنقید و تبصرے کا حق حاصل نہیں۔ ان پر تنقید اور تبصرہ خود خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے انہیں ہمارے لئے ذریعہ ہدایت ٹھہرایا ہے، اس کے بعد کسی دوسرے کو تنقید و تبصرے کا حق ہی نہیں پہنچتا۔

اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ صحابہؓ کے اقوال و افعال حجت ہیں یا نہیں تو اہل سنت والجماعت کا متفقہ یہ مسلک ہے کہ صحابہؓ کرام کے اقوال و افعال ہمارے لئے حجت ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب 'ازالۃ الخفاء' میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کے اور خلفائے راشدین کے اقوال و افعال دین میں سے ہیں اور دین کیلئے تتمہ اور تکملہ ہیں اور اس پر اس آیہ کریمہ استدلال فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا الآية [نور: ۵۵]

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت استخلاف خلفا کے حق میں وارد ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ ان کیلئے دین کی تمکین کرے گا اور اسے خلفا کے ذریعہ مضبوط فرمائے گا، تو یہ آیت واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ خلفائے راشدین کے فیصلے دین کے اجزاء ہیں، اور اس کے مکملات اور متممات میں سے ہیں اور الذی ارتضیٰ لھم میں اس دین کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا جو خلفا کے عہد میں ان کے فیصلوں اور اقوال و افعال سے پایہ تکمیل کو پہنچے گا تو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پسندیدہ دین کو ناپسند کرے وہ خود ناپسندیدہ ہے۔ یہاں تک تو خلیفہ کے فرض منصبی اور منشائے خلافت کا بیان

تھا یعنی تمکین دین۔ اس کے بعد استخلاف کا نتیجہ بیان فرمایا کہ مسلمانوں کا خوف امن سے بدل دے گا اور کفار کا امن خوف سے بدل دے گا۔ اس کے بعد خلفا کے اوصاف کو بیان فرمایا ہے کہ "یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" وہ خالص میری ہی عبادت میں مصروف رہیں گے اور ذرہ برابر شرک میرے ساتھ نہیں کریں گے، وہ اتنے مخلص ہیں کہ ان میں کسی بھی قسم کے شرک کا شائبہ نہیں، کیونکہ شیئاً نکرہ ہے اور سیاق نفی میں واقع ہوئی ہے اور آیت کے فیصلے کے متعلق حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ وعدہ استخلاف اور خلیفہ کے فرائض اور اوصاف کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ" کہ استخلاف اور خلافت راشدہ کا قیام اور خلفائے راشدین کا پیدا کرنا میری عظیم نعمت ہے اور میرے اس عظیم نعمت کے جو ناشکری کریں گے وہی فاسق ہیں پس جو لوگ سرے سے خلفائے راشدین کے منکر ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں اور جو ان کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ ان سے نچلے درجہ کے فاسق، کفر دون کفر و فسق دون فسق۔

خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے اقوال و افعال کے حجت ہونے پر ایک دلیل تو مذکورہ آیت کریمہ ہے، دوسری دلیل اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں ان الفاظ سے روایت کی گئی ہے: علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین من بعدی۔ فرمایا: لازم ہے تمہارے اوپر میری سنت پہ عمل کرنا اور میرے بعد کے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ پر عمل کرنا۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفا کی سنت کو بھی ہمارے لئے واجب العمل ٹھہرایا۔

قرآن و حدیث میں عموماً یہ قانون ہے کہ جب ایک حکم کو بیان کیا جاتا ہے تو اس حکم کی لم اور علت پر تنبیہ کی جاتی ہے، چنانچہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجوب اتباع کے حکم میں خلفا کو بھی شامل کر دیا چونکہ نبی کی ذات علی الاطلاق بلا دلیل واجب الاطاعت ہوتی ہے اس لئے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'یا' ضمیر متکلم سے تعبیر کیا

،اور آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ضمائر کی دلالت ذوات مجردہ پر ہوتی ہے۔ جب کہ خلفا کی تعبیر چار صفات کے ذریعہ سے کی: (۱) خلفا (۲) راشدین (۳) مہدیین اور (۴) من بعدی۔ اور یہ بھی ایک قاعدہ ہے کہ جب ایک مشتق اور موصوف بصفۃ پر ایک حکم لگایا جاتا ہے تو اس مشتق کا مبدا اور مأخذ اشتقاق اور اس موصوف کا وہ صفت حکم کی علت ہوتا ہے جیسا کہ 'اکرمو العالم' میں 'اکرام' کے حکم کیلئے علت ذات عالم کا وصف علم ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حرف عطف کے ذریعے خلفائے راشدین کے اتباع کے لزوم اور اطاعت کے وجوب کا حکم ان پر لگایا تو انہیں ان چار اوصاف سے موصوف کر دیا:

پہلی علت:.....یعنی یہ بتلایا کہ خلفا کا اتباع اس لئے واجب ہے کہ وہ نبی کے جانشین اور نائب ہیں۔ جس طرح انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خلفا ہوتے ہیں اسی بنا پر میری سنت کا اتباع تمہیں کرنا ہے، اسی طرح ان حضرات کا اتباع بھی تمہیں کرنا ہوگا، جو میری جانشینی کے وصف سے متصف ہوں۔

دوسری علت:.....دوسری دلیل اور علت یہ بیان فرمائی کہ یہ حضرات 'راشدین' یعنی اصحاب رشد و ہدایت ہیں، راشد کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات:۷) تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلایا کہ راشد کے اوصاف یہ ہیں کہ ایمان ان کو محبوب ہو اور اس کے دل میں راسخ اور مزین ہو اور کفر و فسوق و عصیان سے نفرت ہو۔ اولئک ھم الراشدون اور ان جیسے مقامات میں علما اور ائمہ بلاغت کا اختلاف ہے جمہور علما کہتے ہیں کہ یہاں قصر بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، یعنی راشدین یہی لوگ ہی ہیں اور راشد کا مفہوم انہی پر مقصور اور انہی میں منحصر ہے اور امام عبدالقاہر جرجانیؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کے کلام سے مقصود عینیت اور اتحاد کا بیان کرنا ہوتا ہے، عینیت اور اتحاد سے مراد یہ ہے کہ سامع نے پہلے سے ایک لفظ سنا ہو اور اس کا مفہوم بھی سمجھا ہو مگر اس کے مصداق کو نہ

دیکھا ہے تو متکلم اس کلام کے ذریعے سے سامع کو بتلانا چاہتا ہے کہ اس لفظ اور مفہوم کا مصداق یہ ہے جیسے راشد کا لفظ ہم نے سنا اور اس کا معنیٰ سمجھا ہے مگر مصداق کا علم نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اولئک الآیۃ، یعنی یہی لوگ 'جو ان صفات سے متصف اور ان اوصاف کے حامل ہیں' راشدین ہیں، اگر راشدین کے مصداق دیکھنا ہو تو اس جماعت کو دیکھ لو۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے کتاب 'صراط مستقیم' میں لکھا ہے کہ راشد اور رشید اسے کہتے ہیں کہ جس کو توفیق خداوندی کشاں کشاں خیر کی جانب لے جائے اور شر سے محفوظ رکھے تو صحابہ کی اطاعت اس لیے لازم ہے کہ وہ راشد ہیں۔

تیسری علت..... یہ بیان فرمائی کہ 'وہ مہدی ہیں'۔ ایک مہدی ہوتا ہے اور ایک مہتدی، مہدی اور مہتدی میں فرق ہے۔ مہتدی باب افتعال سے ہے اور افتعال کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں فاعل اس باب کے مأخذ کا حصول اپنے لئے اپنے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے، تو مہتدی وہ ہے جو اپنے اختیار اور ارادے سے ہدایت کو اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہو اور مہدی وہ ہے جس کو ہدایت دی گئی ہو اور دی جاتی ہو، وہ چاہے یا نہ چاہے، اسے گردن سے پکڑ کر ہدایت کی طرف لے جایا جا رہا ہو اور ہدایت دینے والا خود ذات الٰہی ہے تو معلوم ہوا کہ مہدی مہتدی سے بڑھ کر اعلیٰ درجے پر فائز ہے، مہدی کو ہدایت دی جاتی ہے لنفسہٖ یا لغیرہٖ، اور قرآن کہتا ہے: اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (یٰسین: ۲۱) یعنی پیغمبر کے صحابی اور قاصد جو تمہارے پاس آئے ہیں ان کا اتباع اس لئے کرو کہ وہ مخلص ہیں تم سے کسی قسم کے اجر کے طالب نہیں اور اس لئے کہ وہ مہتدی ہیں، پس جب مہتدی کا اتباع واجب ہے تو مہدی کا اتباع بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔

چوتھی علت:..... چوتھی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ خلفاء میرے بعد ہیں، میری رحلت کے بعد میرا کام یہ پورا کر کے رہیں گے اور چونکہ یہ میرے جانشین اور نائب ہیں اس لئے ان کا رتبہ میرے رتبہ کے بعد ہے، تو جس طرح میرا اتباع تم پر لازم ہے اسی طرح میرے اتباع

File Adress:

کے بعد ان کا اتباع تم پر واجب ہے۔

بعض لوگ غلط فہمی سے دھوکہ دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر صحابہ کرامؓ کا اتباع بھی نبی کی طرح واجب ہو جائے تو اس سے نبی اور صحابی کے درمیان فرق نہ رہے گا اور نبی اور صحابی برابر ہو جائیں گے، حالانکہ دو چیزوں کے اشتراک فی الحکم سے اشتراک فی الرتبہ لازم نہیں آتا، قرآن مجید میں اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُوْل [نور: ۵۴] یہاں وجوب اطاعت کے حکم میں رسول کو اللہ کے ساتھ شریک کیا گیا ہے، کیا اس سے اشتراک اور تساوی فی الرتبہ ثابت ہو سکتا ہے؟ اسی طرح امنو باللہ و رسولہ و الملٰئکۃ الخ میں وجوب ایمان کے حکم اللہ، رسول اور ملائکہ اور یوم آخر سب برابر ہیں؟ مگر کیا یہ سب رتبے کے لحاظ سے بھی برابر ہیں؟ نہیں۔ تو اس طرح اگر صحابہؓ وجوب اتباع کے حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوں تو اس سے رتبے میں برابری کیونکر لازم آئے اور یہ تو ابوداؤد وغیرہ کی روایت تھی، بعض روایات میں یوں آیا ہے: " اقتدوا من بعدی ابابی بکر و عمر "یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے نام لے کر ان کے اتباع کا حکم دیا ہے، تو اس روایت سے معلوم ہوتا ہے اور صحابہ کا اتباع تو دلیل کے ساتھ کیا کرو مگر ابو بکر و عمر جو حکم دیں اس سے بلا دلیل قبول کرو۔ الغرض جس طرح کتاب اللہ کے مفاہیم کی تعیین میں سنت رسول کی ضرورت ہے، اسی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول کے معانی صحیح طور پر صحابہؓ کے اقوال اور اعمال ہی کے ذریعہ سے سمجھے جا سکتے ہیں ان کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین عطا کیا گیا اور آپ سے پھر ہمیں ملا تو اس میں دو واسطے ہیں ایک واسطہ ہے نبی سے اوپر کی طرف اور ایک ہے نیچے کی طرف، اوپر کی طرف حضرت جبریلؑ ہیں اور نیچے حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، اگر اوپر والے واسطے کو مطعون کیا جائے تو دین ہی ختم ہوتا ہے اور اگر نیچے والا ساقط کیا جائے تو دین کا عہد نبوت میں انحصار لازم آتا ہے، نیز صحابہ کرامؓ دین کے ہم تک پہنچنے کے وسائط ہیں، اگر ان پر جرح و تنقید کر کے انہیں نا قابل اعتبار بنایا جائے تو سارا دین ہی نا قابل اعتبار رہ

File Adress

جائے گا، یہ ایک بہت ہی خطرناک فتنہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ علم کیا ہے؟ تو ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے جواب میں کہا کہ "ماجاء نامن اللہ" اور ایک روایت میں ہے: "ماجاء نامن اللہ و الرسول و الصحابہ" روایت ثانی کی رو سے دین کا علم وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ عنہ وسلم اور اقوال و اعمال صحابہؓ سے ہمیں حاصل ہو، تو معلوم ہوا کہ دین کی تکمیل صحابہؓ کے دور میں ہوگئی۔

کلام

(۲۴)

مسئلہ صفات باری تعالیٰ

قال عز اسمہ:

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (الم سجدہ: ۴)

یہاں چند مباحث ہیں، جن کا جاننا ضروری ہیں:

اولا: یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور اس قسم کی آیتوں کے بارے میں علما کے دو مذہب ہیں:

۱۔ تفویض ۲۔ تاویل

۱۔ پہلا مسلک اسلم ہے، اور اقرب الی الحکمت ہے، اسلم اس لئے ہے کہ تفویض میں سکوت ہے، یا زیادہ سے زیادہ لاعلمی کا اعتراف ہے، جب کہ تاویل میں کذب وہ بھی علی اللہ کا احتمال ہے، اور بصورت خطا جہل مرکب میں پھنسنا ہے، اور اقرب الی الحکمت اس لئے ہے، کہ

جب کسی انسانی تالیف کے بارے میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے تمام مندرجات کے جاننے اور مؤلف کی مرادات کے پالینے کا دعویٰ کرے، تو کتاب اللہ جو تمام علوم وحکم کا جامع ہے کے بارے میں اس قسم کا دعویٰ کون کرسکتا ہے، اس آیت کریمہ کے بارے میں مسلک تفویض والوں کا کہنا ہے، کہ استواء حق تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن ہمیں اس کی کیفیت کا علم نہیں، ہاں دوسرے نصوص کی روشنی میں ہم ضرور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ استواء، جلوس اور استقرار بمعنی تمکن کے معنی میں نہیں۔

۲۔ مسلک تاویل والے حضرات کا آپس میں اختلاف ہے، تجسیم اور تشبیہ کے قائلین اور ان کے ہم نوا بعض نام نہاد محدثین کا مسلک یہ ہے کہ استواء استقرار وتمکن کے معنی میں ہے اور یہ جمہور متکلمین اور علماء اہل سنت کے نزدیک استواء یا تو بمعنی استیلاء ہے، کما فی قول الشاعر:

قداستوی بشر علی العراق

من غیرسیف ودم مهراق

گویا یہ کنایہ ہے، حق جل شانہ کے ملک الکل اور سلطان الکل علی الاطلاق ہونے سے یا بمعنی استقرار ہے، لیکن استقرار ہر چیز کا اس کی شان کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ مثلاً: استقر زید علی السریر و استقر رأیه علی کذا یا استقر علی الملک۔

اللہ جل شانہ کا استقرار بمعنی تمکن کے نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ مکانیت سے منزہ ہے، جس پر دلیل مندرجہ ذیل نصوص ہیں:

۱۔ ان اللہ لغنی عن العٰلمین، مکین کا وجود مکان پر موقوف ہوتا ہے اور موقوف موقوف علیہ کا محتاج ہوا کرتا ہے، حالانکہ مکان چاہے عرش ہو یا فرش وہ عالمین میں سے ہے، اور حق تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔

۲۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَه ۔ [القصص: ۸۸] عرش بھی شی ہے تو وہ بھی

فانی ہوکر رہے گا، ایسی صورت میں حق تعالیٰ کے لیے لامکانیت ثابت ہوگی اور جس صفت کا ثبوت حق تعالیٰ کے لئے جائز اور ممکن ہو، وہ اس کے لئے بالفعل وعلی سبیل الوجوب ثابت ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ کے لئے لامکانیت ثابت ہوئی۔

۳۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ۔ اگر علیٰ کا استعمال استیلا، الذات علی الذات کے لئے ہے، تو مع کا استعمال اقتران الذات مع الذات کے لئے ہوتا ہے۔ جب اللہ رب العزت کے بارے میں جب یہ منتفی ہے تو وہ بھی منتفی ہوگی۔

۴۔ اس آیت میں ہے: ثم استوی علی العرش۔ 'ثم' تراخی کے لئے ہوتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عرش پر متمکن ہوئے، بعد اس کے وہ اس پر متمکن نہ تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ قبل التمکن وہ کسی مکان میں تھے، یا نہیں اگر تھے تو اس مکان کی ازلیت اور قدم لازم آتا ہے، جبکہ ازلی اور قدیم وحدہ لاشریک ہے۔ نیز انتقال لازم آتا ہے، من مکان الی مکان، جو حدوث کو مستلزم ہے، ورنہ تمام اجسام کو قدیم ماننا پڑے گا، کیونکہ ان کے حدوث پر ان کا تغیر من حال الی حال دلیل ہے۔

اور اگر کسی مکان میں نہیں تھے، تو مکان کا لامکان ہونا لازم آتا ہے، جو بداہت عقل کے خلاف ہے، علی کل حال استقرار بمعنی تمکن کا عقیدہ فاسد ہے، بدعت ہے، بلکہ مفضی الی الکفر ہے۔ والعیاذ باللہ۔

File Adress:

(۲۵)

التوسل بالانبیاء والاولیاء والصالحین

دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام اور صلحاء واولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی..... اس طریقہ پر کہ کہے: یا اللہ! میں بوسیلہ فلان بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآوری چاہتا ہوں۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں:

پہلی تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا جیسے مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا اور یہ ایسے شخص کے حق میں جائز ہے جس سے دعا کی درخواست ممکن ہے اور یہ امکان میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں، پس یہ معنی توسل کا زندہ کے ساتھ خاص ہے۔

تیسری تفسیر یہ کہ اللہ تعالی سے دعا کرنا اس کی مقبول مخلوق کی برکت سے اور اس کو

جمہور علماء نے جائز رکھا ہے اور ابن تیمیہؒ اور ان کے اتباع نے منع کیا ہے، اس خیال سے کہ کسی نے علماء میں سے اس کو ذکر نہیں کیا کہ توسل یا استشفاء کسی نبی یا صالح کے وسیلہ سے ان کی وفات یا غیر حاضری کی حالت میں مشروع ہے جیسا کہ ان کے رسالہ ''زیارۃ القبور'' میں یہ تقریر مذکور ہے۔

جوازِ توسل کے بارہ میں علامہ شوکانیؒ کی بھی یہی تحقیق ہے، (یعنی علامہ شوکانی بھی توسل بالذوات کو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے جائز سمجھتے ہیں۔)

چونکہ ابن تیمیہؒ کے معتقدین علامہ شوکانیؒ کو بھی حجت مانتے ہیں، لہٰذا اس کو نقل کرنا نافع معلوم ہوا: بوادر النوادر ۵۹۷ کے حاشیہ پر یہ تحقیق موجود ہے۔ (۱) ملاحظہ فرمایئے اور بوادر النوادر میں یہ تحقیق (ترجمہ قاضی شوکانیؒ) سے لی گئی ہے۔

(۱) رہی یہ بات کہ انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی شخص کو بطور وسیلہ پیش کرے تو اس میں شیخ عزالدین عبدالسلام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بطور وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں، ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا جائز ہوگا لیکن بشرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو جو توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں پیش کی جاتی ہیں، شاید حدیث توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ عزالدین کی مراد ہو حدیث جو نسائی نے اپنے سنن اور ترمذی نے اپنی صحیح اور ابن ماجہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں باسند نقل کی ہے کہ ایک اندھا دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اندھا ہو گیا ہوں، میرے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ میں بینا ہو جاؤں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو پھر یہ دعا کرو۔ اے اللہ! میں تیرے نبی کے طفیل تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد میں اپنی بینائی واپس کرانے میں تجھے (خدا کے دربار میں) سفارشی پیش کرتا ہوں، اے اللہ! میرے حق میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ازیں بعد بھی اگر تمہیں کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی طرح مجھے وسیلہ بناؤ (اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اور آنکھوں کے لئے دعا کی) تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بینا کر دیا۔

File Adress:

علماء حدیث مذکورہ بالا حدیث کا مطلب دو طرح بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اس حدیث میں توسل کا مطلب وہی ہے جو حضرت عمر فاروقؓ نے بیان کیا ہے کہ اے اللہ! جب قحط پڑ جاتا تو ہم تیرے نبی کو دربار میں وسیلہ پیش کیا کرتے تھے پس تو ہم پر بارش کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ کی حدیث صحیح بخاری وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بارش کی دعا کے وقت صحابہ کرام آپ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے

.....

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کے چچا عباسؓ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا تو صحابہ کے توسل بالنبی کا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح طلب باراں کیا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے تو اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے لئے خدا کے دربار میں وسیلہ ہوتے کہ سفارشی بھی ہوتے اور ان کے لئے دعا بھی فرماتے۔

اور دوسرا مطلب حدیث توسل بالنبی کا یہ ہے (جو قاضی شوکانی کا مذہب ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ سے توسل جائز تھا اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا، یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ جب حضرت فاروقؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے بھی اس کا خلاف نہیں کیا، میرے خیال میں جواز توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ عزالدین کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔

اس عدم تخصیص کی دو دلیلیں ہیں: پہلے تو وہی صحابہؓ کا اجماع جس سے ہم مطلع کر چکے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ارباب فضل اور کمال کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا دراصل یہ مطلب ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے، کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے کے قابل ہی تب ہوتا ہے

جبکہ وہ اعمال صالحہ کرے تو گویا جب کوئی شخص یوں کہے، کہ اے اللہ! میں فلاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں، تو اس کا وسیلہ بننا بلحاظ کمال کے ہوگا اور نیک عمل کو وسیلہ بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسا مسلم و بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین شخصوں کا قصہ بیان کیا جو فارس میں تھے اور غار کے منہ پر پتھر آ گیا تھا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے بڑے عمل کو وسیلہ بنایا اور پتھر غار سے ہٹ گیا تو اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز ہوتا یا شرک ہوتا جس طرح عزالدین وغیرہ سخت گیر لوگ کہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان تین آدمیوں کی دعا قبول نہ کرتے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصہ

بیان کرنے کے بعد ان کے فعل توسل کو ضرور ناجائز قرار دیتے (قاضی مرحوم توسل کو ثابت کر کے اب منکرین توسل کے دلائل کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب واضح ہو گیا کہ توسل جائز ہے تو) اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً "مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی" اور "فلاتدعوا مع اللہ احدا" اور "لہ دعوۃ الحق والذین تدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیء" ہمارے دعوے جواز توسل بالنبی والصالحین کے لئے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کے لئے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزاع اور امتناع توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں کیونکہ مشرکوں کے اس قول سے "مانعبدھم الا الخ" صاف یہ واضح ہے کہ مشرک قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جو شخص بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر کہ خدا کے دربار میں اس کی عزت ہے اس کو وسیلہ بناتا ہے اسی طرح یہ آیت "فلاتدعوا مع اللہ الخ" جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں تو صرف یوں کہا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو بوجہ کمال وسیلہ بناتا ہے جس طرح ان غار والے تین اشخاص نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا تھا اور اسی طرح آیت "والذین یدعون من دونہ الخ" جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ مشرک تو ان کو بلاتے تھے سو ان کی سنتے نہیں تھے جو ان کی سنتے نہیں تھے اور خدا جو ان کی سنتا ہے اس کو نہیں بلاتے لیکن کسی بزرگ کو وسیلہ بنانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ کو بلاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں بلاتا۔ ہمارے کلام سابق سے منکرین توسل کے تمام دلائل

کی بھی قلعی کھل جاتی ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ان دلائل کو منع توسل سے دور کا بھی واسطہ نہیں مثلاً ان کا یہ استدلال کہ ''یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ'' جواز توسل کے منافی نہیں کیونکہ اس آیت میں صرف یہ بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کو سب اختیارات اللہ تعالیٰ کو ہوں گے اور کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہوگا لیکن جو شخص کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے اس کا تو کبھی یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ یہ بزرگ اختیارات اخروی میں خدا کا شریک ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ غیر اللہ کو امر آخرت میں کچھ اختیار ہے اس کو تو ہم بھی گمراہ سمجھتے ہیں لیکن متوسلین کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی طرح منکرین توسل کا آیت ''لیس لک من الامر شیء قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا'' سے

استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ ان آیتوں میں تو اس کی تصریح ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امر اللہ میں کوئی دخل نہیں ہوگا اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں تو دوسرے کے نفع ونقصان کے کس طرح مالک ہو سکتے ہیں؟ لیکن کسی نبی یا ولی یا عالم کے توسل کے عدم جواز میں ان آیتوں کا کیا دخل؟ متوسل کا تو یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کو امر آخرت یا نفع نقصان میں کوئی اختیار ہے توسل کا انکار نبی کریم کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت کا انکار قرآن کا انکار ہے ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود یعنی شفاعت عظمیٰ کے اعزاز سے مشرف فرمایا ہے اور مخلوق کو یہ ہدایت کی ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے اسی شرف عظیم کی درخواست کیا کریں اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مقام محمود کی درخواست کیا کرو، آپ کو دیا جائے گا اور امت کی سفارش کرو تمہاری سفارش مقبول ہوگی۔ ہاں شفاعت کا حق اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگا پھر خاص اس کو جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں اسی طرح منکرین توسل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ اے فلان بن فلاں! میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں پیش کرتا۔ جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ جب کسی کو اللہ تعالیٰ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو میں اس کا خلاف نہیں کر سکتا اور یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ توسل ناجائز ہے کیونکہ توسل کا یہ عقیدہ تو نہیں ہوتا کہ وسیلہ امر اللہ میں دخیل ہے بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ اختیار کلی صرف

اللہ تعالیٰ کو ہے اور میں اسی سے درخواست کرتا ہوں۔ ہاں کسی ایسے بزرگ کو جس کے طفیل دعا قبول ہو سفارشی بناتا ہوں اور وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ (از: مرتب)

(۲۶)

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند قبرہ

یہ تحریر ایک عرب عالم دین شیخ عبداللہ بن زیدال محمود کے فتویٰ کا جواب ہے، ذیل میں پہلے شیخ کا فتویٰ اور پھر حضرت الاستاذ کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

فی حق من یقول ان النبی ﷺ یسمع کلامنا

الجواب عن هذا الرجل الذی یقول: ان النبی ﷺ یسمع سلام کل المصلین علیه وخاصة یوم الجمعة ولیلتها۔

اقول: ان الصلاة انما شرعت علی النبی ﷺ لانها دعاء۔ فصلاة الخلق علیه هو دعاء وتضرع منهم الی الله، ولهذا قال: اسألوا لی الوسیلة، فانها منزلة فی

الجنة لاتكون الا لنبي من الانبياء، فارجو ان اكون صاحبها۔ واخبر:بان صلاتكم معروضة عليَّ۔

وهذا من عالم الغيب الذى لا نعرف عن كيفيته وصفته، وانما نعتقد اعتقاداً جازما بانه توفى الى رحمة الله، وانه لايعلم المغيبات مما سيقع بعد وفاته كماحكى الله عن نبى الله عيسى: "وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتنى كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد"۔ وهكذا النبي ﷺ لا يعرف مايقع على امته من بعده ولا مايقولون او يفعلون۔ يقول الله تعالى:"وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افئن مت فهم الخالدون۔ انك ميت وانهم ميتون"۔

فالاشتغال بهذه الاعمال والاقوال هو نوع من الضلال۔ يقول الله تعالى:"وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" اى الدين القويم الموصل بصاحبه الى سلوك الصراط المستقيم ثم الى الجنات النعيم۔۔۔ فليس من عقائد اهل السنة ان محمدا بعد موته انه يعلم ماتقابله امته بل هذا كذب وافتراء۔۔۔ وقد شرعت الصلاة عليه وكونها من اجل الطاعات وافضل القربات ومن صلى عليه مرة صلى الله عليه بها عشرا والصلاة من امته دعاء له۔ لان الذى يدعى له لا يدعى من دون الله۔

اما دعوى من يقول: ان الرسول يسمع سلامنا عليه فى الصلوة او عند القبر فان هذا مردود بقوله سبحانه:"اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ"۔ واما الحديث الذى فيه: بانه عليه السلام يرد على كل من يسلم عليه فهذا موضوع لانه مخالف عن النصوص القرآنية القطعية۔

رئيس المحاكم الشرعية والشئون الدينية

عبدالله بن زيد آل محمود

الجواب:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لانبى بعده وعلى اله وصحبه وجميع من اتبع عهده۔

اما بعد! فقد طالعنا جواب الشيخ عبد الله بن زيد رئيس المحاكم الشرعية، فى حق من يقول: ان النبى ﷺ يسمع سلامنا۔ فوجدناه غير صواب، قد زل قدم المجيب وزاغ قلمه، والذى اجمعت الامة عليه قاطبة سلفها وخلفها ان النبى ﷺ يسمع من غير واسطة سلام المسلمين وصلاة المصلين عند قبره الشريف وبواسطة عرض الملك من سائر بقاع الارض، وليس هذا من علم الغيب فى شىء۔ ومعتقد اهل الحق ان عامة الاموات يتنعمون او يعذبون فى قبورهم ويجلسون للسوال وهذا المعتقد ثابت بنصوص الكتاب والسنة لكثرتها وشهرتها، لانحتاج الى سردها امام اهل العلم والخبرة ولا يكون الميت كالجماد لايدرک ولا يحس كما زعمت الكرامية والمعتزلة وغيرهم من احزاب الضلال۔ هذا فى عامة الاموات واما الشهداء فقد نص الكتاب العزيز بحياتهم وانهم يرزقون ويستبشرون فما ظنک بالانبياء عليهم الصلاة والسلام؟

(۱)۔۔۔وقد روى ابو داؤد رحمہ اللہ: ۱/ ۲۷۹، والامام احمد رحمہ اللہ فى مسنده: ۲/ ۵۲۷، والطبرانى رحمہ اللہ والبيهقى رحمہ اللہ كما فى القول البديع للسخاوى: رحمہ اللہ ص: ۱۷۱ عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ مرفوعاً:

"مامن احد يسلم علىَّ الا رد الله علىَّ روحى حتى ارد عليه السلام اه"

قال شيخ الاسلام الحافظ ابن تيمية رحمہ اللہ فى فتاواه: ۴/ ۳۶۱: هو حديث جيد۔ وقال شيخ الاسلام حافظ الدنيا ابن حجر رحمہ اللہ فى فتح البارى: ۳/ ۲۷۹: رواته

ثقات۔وقال الحافظ ابن کثیر ؒ فی تفسیرہ ۳/۵۱۴: صححہ النووی فی "الاذکار" وصححہ الامام السمہودی ؒ فی "وفاء الوفاء" ۲/۴۰۳۔

(۲)۔۔۔وروی ابن ابی شیبۃ ؒ فی مصنفہ: ۲/۵۱۶، والدارمی ؒ فی سننہ، ص: ۱۹۵، وابو داؤد ؒ: ۱/۱۵۰، والنسائی ؒ: ۱/۱۵۴، وابن ماجہ ؒ: ص: ۷۷، والحاکم ؒ فی المستدرک: ۱/۲۷۸، وابن حبان ؒ فی صحیحہ کما فی الموارد: ص: ۱۴۶، عن اوس بن اوس ؓ فی حدیث طویل:

"فان صلاتکم معروضۃ علیّ"۔

وقد صححہ ابن خزیمۃ ؒ وابن حبان ؒ والدار قطنی ؒ والنووی ؒ کما فی التفسیر للحافظ ؒ ابن کثیر ؒ: ۳/۵۱۴ وصححہ فی العمدۃ وابن القیم ؒ فی کتاب الروح وغیرہم۔

(۳)۔۔۔وروی الحافظ ابو الشیخ ؒ باسنادہ عن ابی ہریرۃ ؓ مرفوعاً:

"من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ"۔

کما فی جلاء الافہام، ص: ۱۹، للحافظ ابن القیم ؒ وقال: غریب جداً اھ، وقال سید الحافظ شیخ الاسلام ابن حجر ؒ فی الفتح: ۶/۳۵۲، والسخاوی ؒ فی القول البدیع: ۱۱۶، والمحدث القاری ؒ فی المرقاۃ: ۲/۱۰، والنواب صدیق حسن خان البوفالی فی دلیل الطالب، ص: ۸۴۴: سندہ جید۔

(۴)۔۔۔وروی البزار ؒ فی مسندہ عن ابن مسعود ؓ مرفوعاً:

"حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم، ووفاتی خیر لکم تعرض اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ" الحدیث کما فی مجمع الزوائد: ۹/۲۴ وغیرہ۔

قال الهیثمی: رجالہ رجال الصحیح، وصححہ ایضاً السیوطی فی الخصائص: ۲/۲۸، قال الزرقانی فی شرح المواہب، ۵/۳۳۷: سندہ جید، والمراد من الاعمال المعروضة بعضها او المراد من العرض العرض الاجمالی فلا ینافی ماورد فی الصحیح:

"انک لاتدری ما احدثوا بعدک"۔

وقد ورد عرض الاعمال علی اقارب المیت فی حدیث انس رضی اللہ عنہ وجابر رضی اللہ عنہ عند الامام احمد رحمہ اللہ، ۳/۱۶۵ والطیالسی رحمہ اللہ، ص: ۲۴۸ وغیرہما۔

(۵)۔۔۔وروی الامام احمد رحمہ اللہ فی مسندہ: ۳/۱۴۸ ومسلم رحمہ اللہ: ۲/۲۶۸ وغیرہما عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً: "مررت علی موسی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ" اھ۔

(۶)۔۔۔وروی الامام ابو یعلی رحمہ اللہ فی مسندہ عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً:

"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" اھ

کما فی المجمع: ۸/۲۱۱، والفتح: ۶/۳۷۶، وشفاء السقام، ص: ۱۳۴، وحیاة الانبیاء للبیہقی رحمہ اللہ، قال الہیثمی رحمہ اللہ والسمہودی رحمہ اللہ: رجال ابی یعلی ثقات، وصححہ البیہقی رحمہ اللہ فی جزئہ والسبکی رحمہ اللہ فی شفاء السقام والعزیزی رحمہ اللہ فی السراج المنیر: ۲/۳۴، والمناوی رحمہ اللہ فی فیض القدیر: ۳/۱۸۴، والشوکانی رحمہ اللہ فی تحفة الذاکرین، ص: ۲۸، والمحدث القاری رحمہ اللہ فی المرقاة: ۲/۲۱۲۔

(۷)۔۔۔وروی ابن ماجہ، ص: ۱۱۹، باسنادہ عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل: "فنبی اللہ حی یرزق" اھ۔

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ فی التہذیب: ۳/۳۹۸، والزرقانی رحمہ اللہ فی شرح

File Adress:

المواهب: ۳۳۶/۵، والدميرى ﷺ كما فى فيض القدير: ۸۷/۲، والعزيزى ﷺ فى السراج المنير: ۲۹۰/۱ رجاله ثقات۔ وقال المنذرى ﷺ ووافقه ميرك ﷺ والقارى ﷺ: اسناده جيد كما فى المرقاة: ۱۱۲/۲، وكذا الشوكانى ﷺ كما فى نيل الاوطار: ۲۶۴/۳ السمهودى ﷺ وغيرهم۔

(۸)۔۔۔ وروى الشيخان ﷺ وغيرهما من ائمة الحديث عدة احاديث من رواية عمر ﷺ، وابنه عبدالله ﷺ، وابى طلحة ﷺ وانس ﷺ و عثمان ﷺ وعائشة ﷺ وعمرو بن العاص ﷺ وابن عباس ﷺ وابى امامة ﷺ وابى هريرة ﷺ وغيرهم من الصحابة ﷺ فى سماع الموتى واستيناسهم بالاحياء ومعرفتهم لهم وليس المجال مجال البسط الموضوع قد افرده الائمة ﷺ بالتاليف۔

وهذه الاحاديث لاتخالف عن النصوص فانها (النصوص) تدل على وقوع الموت لا دوامه وتدل على نفى سماع الموتى المعتاد لا السماع المطلق كما صرحه ابن تيمية ﷺ فى فتاواه او المراد من الموتى ومن فى القبور الكفار الاحياء فلاصلة لها بالموضوع كما ذهب اليه جمع من المحققين من اهل التفسير، الاحاديث التى كادت تتواتر الا المجازف الخراص۔ والله يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

كتبه الفقير الى الله محمد امين عفا الله عنه۔ ۷ شوال ۱۴۰۴ هج

File Adress:

(۲۷)

کتاب ''ایمانِ ابوطالب'' کا تنقیدی جائزہ

چند دن پہلے میرے محترم دوست جناب حاجی محمد امین صاحب (شاہی محلہ) ہنگو نے ایک کتاب ''ایمانِ ابوطالب'' برائے مطالعہ بھیج دی اور بعد از ملاقات خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کے مندرجات کا جائزہ لیا جائے۔ کتاب چونکہ خرافات کا پلندہ ہے۔ مصنف جناب صائم چشتی صاحب نے جہل وحماقت کے ساتھ غدر وخیانت کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ نیز موضوع بھی ناخوشگوار تھا اور فقیر کی عدیم الفرصتی اس پر مستزاد تھی، اس لئے معذرت کی، مگر انہوں نے اصرار فرمایا اور بتلایا کی بعض حلقے اس کتاب کے مندرجات سے اپنے باطل نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس لئے مجبوراً چند سطور حقیقتِ حال کو منکشف کرنے کی غرض سے لکھنے پڑے۔ واللہ تعالی ھو الموفق۔

ناظرین کرام! اس تاریک دور میں جس سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق فتنوں کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے، یکے بعد دیگرے کوئی نہ کوئی دجال اٹھ کر امت کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہتا ہے۔ ان فتنوں اور ان کے سرغنوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سرچشمہ کتاب وسنت کی تعلیمات سے انحراف اور سلفِ صالحین یعنی صحابہ کرامؓ وتابعین وتبع تابعین کی تشریحات کو نظر انداز کرنا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ ہر پیش آمدہ معاملہ میں مذکور بالا مصادرِ ہدایت سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جناب ابو طالب کے کفر واسلام کا مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا، اس لئے کہ کتاب وسنت کے صاف وشفاف آئینہ میں اس کا حکم بالکل واضح تھا، اور سلفِ صالحین نے اس بارہ میں کوئی ابہام نہیں رہنے دیا اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ فقیر اس موضوع پر کچھ لکھنا ایسا تصور کرتا ہے جیسے کہ کسی بدیہی حقیقت کا نظری بنانے کی کوشش ہو۔ اہل السنت تو اہل السنت ہیں اہل تشیع کا ایک طبقہ زیدیہ (جو نسبتاً زیادہ اعتدال پسند اور معقول رویہ رکھتے ہیں) بھی امامیہ کے خلاف ابو طالب کے اسلام و ایمان کے قائل نہیں۔ اہل السنۃ کے مسلک سے تعلق رکھنے والے بعض اہل علم کی کتابوں میں اگر ایسی کوئی روایت پائی جاتی ہے تو وہ محض ندرت پسندی اور عجائب وغرائب سے دلچسپی اور ہر قسم کی روایات رطب ہو یا یابس جمع کرنے کے شوق میں غلو کا نتیجہ ہے۔

اس تمہید کے بعد جب ہم بظاہر سنی بباطن رافضی مصنف صائم چشتی کی کتاب کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کے آٹھ/۸ ابواب میں سے دوسرا باب موضوع سے غیر متعلق ہے۔ اور پہلے باب کے علاوہ باقی ابواب میں ابو طالب کے کفر کے بارے میں نصوص قرآنیہ وحدیثیہ میں تحریفات، تلبیسات اور رکیک تاویلات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

باب پنجم میں جسے کتاب کی جان کہنا چاہیے چند عبارات وروایات کا سہارا لیا گیا ہے جس کی حقیقت ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

File Adress

ابوطالب کے ایمان کے بارے میں سب سے پہلی دلیل فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب یہ قول ہے: "کل الخیر ارجو من ربی" جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوال: "اترجو لابی طالب؟" کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔(۱)

(۱) صائم چشتی نے اسے طبقات ابن سعد: ج/۱،ص/۱۲۱، خصائص کبریٰ: ج/۱،ص/۲۱۵ تفسیر مراح لبید: ج/۲،ص/۱۴۷۔ اسنی المطالب فی نجات ابی طالب: ص/۱۲ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔از: مرتب

صائم صاحب کی اس سب سے بڑی دلیل کے کئی جوابات ہیں:

اولاً: (صائم صاحب کی زبان میں) اسحاق بن عبداللہ تابعی ہیں، انہوں نے تصریح نہیں کی کہ یہ مکالمہ ان سے کس نے بیان کیا تو روایت میں انقطاع کا احتمال ہے۔

ثانیاً: صائم ہی کے بے جا استعمال کردہ ہتھیار جرح وتنقید کے مطابق ثابت، حماد جو اس روایت کے سند میں ہیں اس پر کلام ہوا ہے کمافی التھذیب۔

ثالثاً: یہ روایت طبقات ابن سعد سے لی گئی ہے جو صدیوں تک یورپین کے ہاں مخطوطہ کی صورت میں رہی اور پھر چھپی بھی سب سے پہلے لیڈن سے، جب کہ "طبقات" تاریخ ہی کی کتاب ہے جس کی روایت پر عقائد تو کیا اعمال کی بنیاد بھی نہیں رکھی جاسکتی۔

رابعاً: "کل الخیر ارجو من ربی" مجمل ہے جس کی تفصیل دوسری روایت میں "لعله تنفعه شفاعتی یوم القیامة فیجعل فی ضحضاح من النار" (الحدیث) سے کی گئی ہے جس کے بعد کوئی باشعور، متدین شخص اس روایت سے ابو طالب صاحب کے ایمان پر استدلال کی جسارت نہیں کرسکتا۔ پھر اگر ابن اسحاق کی روایت دربارۂ اسلام ابی طالب جس پر صائم صاحب ایمان لے آتے ہیں صحیح ہے تو حضرت عباسؓ کے اس استفسار کا کیا مطلب؟ ہر مسلمان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مسلم ہے تو مسلم ابوطالب کے لئے حضرت

File Adress:

عباسؓ کیوں تردد میں ہیں؟

صائم صاحب دوسری دلیل مدارج النبوۃ وغیرہ کے حوالہ سے یہ روایت ہے:

''ونیز آوردہ کہ سید عالم ہمراہ جنازہ ابوطالب می رفت'' الخ

اس کے بھی متعدد جوابات ہیں:

اولاً: خود شیخ عبدالحق اسی مدارج النبوۃ: ۲/ ۴۸ پر لکھتے ہیں:

''با آنکہ صحیح حدیث اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفرا۔''

اور ص: ۴۹ پر بھی لکھا:

''در روضۃ الاحباب نیز اخبار موت ابوطالب بر کفر آوردہ۔''

کیا اس کے بعد مدارج کی مذکورہ روایت قابل توجہ ہوسکتی؟

ثانیاً: ''ہمراہ جنازہ می رفت'' کے الفاظ محل نظر ہیں، اس لئے کہ اصل روایت میں ''عارض جنازۃ ابی طالب'' کے الفاظ ہیں۔(۱)

''خدا ترا جزائے خیر دہاد'' کا مطلب جناب ابوطالب کا اسلام نکالنا چشتیانہ اجتہاد ہے جو نصوص صریحہ کے خلاف ہے **فھو مردود علیہ۔**

ثالثاً: اس روایت کے رواۃ کون ہیں؟ تاریخ خمیس، سیرۃ حلبیہ، مدارج النبوۃ سب تاریخ کی کتابیں ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ: ج/ ۱ میں اس کو جس سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اس پر انہوں نے خود کلام کیا ہے۔

رابعاً: آپ کے مداحین کے قول (۲) کے بقول جب اس اعتقادی مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید نہیں کی جاسکتی تو ایسی ضعیف بے سروپا روایات پر کیسے اس کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

صائم صاحب کی تیسری دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے۔(۳)

اولاً: جواباً عرض ہے کہ یہ روایت محدث تمامؒ نے اپنے ''فوائد'' میں ذکر کی اور خود ہی فرمایا: فی

File Adress:

اسنادہ الولید بن سلمۃ منکر الحدیث۔

(۱) بروایت ابن عباس، سیرت حلبیہ: ج/ ۲، ص: ۴۷۔ تاریخ الخمیس: ج/ ۱، ص/ ۳۰۱۔

(۲) اس عبارت سے امام صاحب کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو فقہ الاکبر میں منقول ہے، جسے کتاب کے مقدمے میں یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کی تقلید نہیں کی جاسکتی۔

(۳): اذا کان یوم القیامۃ شفعت لابی و امی و عمی ابو طالب و اخ لی کان فی الجاھلیۃ اورده محب الطبری ھو الاخ له عن رضاعة۔ (مسالک الخصائص، للسیوطی: ص/ ۳۱۔ مراح لبید للنووی: ص: ۱۴۷، سیرت حلبیہ: ص/ ۴۷)۔ از: مرتب

خصائص میں اس کی نسبت ابن عساکرؒ کی طرف بھی کی گئی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے پھر علامہ سیوطیؒ نے خصائص میں اس کے بعد خطیب اور ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی اس جیسی حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے: "لیکونوا من بعد البعث ھباءً"۔

اور خود خطیبؒ ہی نے پھر اس کے رواۃ پر جرح کی۔ اگر ابو طالب صاحب مشرف با اسلام ہوتے تو اس کے غبار بن جانے کی سفارش کا کیا معنی؟

ثانیاً: اس طرح گری پڑی روایات ہنود وغیرہ اقوام کے عقائد کی بنیاد تو بن سکتی ہے اسلام اور مسلمانوں کا دامن اس سے پاک ہے۔ والحمدللہ

صائم صاحب کی چوتھی دلیل حضرت علیؓ کی طرف منسوب اشعار ہیں، جب کہ اس پورے دیوان کے بارے میں اہل علم کا فیصلہ ہے کہ من گھڑت ہے۔ خود ان اشعار کی رکاکت بھی شہادت دے رہے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ جیسے فصیح و بلیغ ہاشمی کا کلام نہیں ہوسکتا۔

چشتی صاحب کی پانچویں دلیل حضرت خواجہ نظام الدین صاحبؒ کا ملفوظ ہے جب کہ خود چشتی صاحب کے اعتراف کے مطابق حضرت خواجہ صاحبؒ سے فوادالفؤاد میں اس کے خلاف منقول ہے۔

صائم صاحب کی چھٹی دلیل علامہ قرطبیؒ کی عبارت ہے جسے تذکرہ قرطبی کے حوالے

File Adress:

سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی عبارت کو علامہ شعرانیؒ کے حوالہ سے نقل کر کے ساتویں دلیل کے طور پر پیش کیا گیا جب کہ علامہ حقیؒ کے دعوی کی بنیاد بھی بعینہ یہی عبارت ہے۔

حالانکہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ خود تذکرۂ قرطبی کس نوعیت کی کتاب ہے۔ بلا مبالغہ اس کتاب کا اکثر حصہ واہیات وحکایات پر مشتمل ہے، پھر سلمہ بن سعید کون ہے اور سلمہ بن سعید سے اس اسطورہ کی روایت کرنے والے کون ہیں؟ قرطبیؒ تک کم از کم دس واسطے ہونے چاہئیں۔ ان دس رواۃ کا کیا حال ہے؟ ایسی مجہولات پر بے شک رضاخانی یا رافضی عقیدہ استوار ہوسکتا ہے، اسلامی ہرگز نہیں۔

علاوہ برین قرطبیؒ کی مستند تالیف آپ کی شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ اپنی تفسیر میں نہ صرف یہ کہ قاضی ابوبکر بن العربی کے ان الفاظ: "وقد شاهد موته كافرا"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو کافر مرتے ہوئے دیکھا"

(البداية: ۱۳۵/۳، الخصائص الكبرى: ۸۷/۱، الجامع لاحكام القرآن للقرطبي: ۲۷۵/۸)

کو نقل فرمایا، بلکہ صاویؒ کی ابوطالب صاحب کی وفات کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا:

"ظاهر حالة المرء يحكم عليه بها وهذه شفاعة في تخفيف العذاب لا في الخروج من النار على مابيناه في كتاب التذكرة۔"

"یعنی موت کے وقت انسان کی ظاہری حالت جو کچھ ہو اسی کے مطابق اس پر حکم اسلام یا کفر کا جنتی ہونے یا دوزخی ہونے کا لگے گا۔۔۔۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت میں ابوطالب کے لئے شفاعت تخفیف عذاب کے لئے ہوگی نہ کہ دوزخ کی آگ سے نکلنے کے لئے جیسے کہ ہم نے اپنی کتاب کا تذکرہ میں اس کو واضح کیا ہے"۔

افسوس ہے کہ فی الحال "تذکرہ" میرے سامنے نہیں، ۱۹۶۹ء میں مطالعہ کیا تھا، قرطبیؒ کے مندرجہ بالا الفاظ بتلاتے ہیں کہ انہوں نے خود تذکرہ میں اس روایت کو قبول نہیں کیا بلکہ

اس کے خلاف صحیح احادیث وآثار کو ترجیح دی اور یہی ان کی علمی شخصیت اور مسلکی اعتقاد کا تقاضا ہے۔

اس تفصیل کے بعد علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے صائم صاحب نے پھیرا پھیری سے کام لیتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ کی روایت پھر ذکر کی، جس کا جواب پہلے ایک مرتبہ دیا جاچکا ہے۔ پندرھویں صدی کے اس سامری کی جادوگری کی حقیقت امید ہے ناظرین پر عیاں ہوچکی ہوگی کہ کس طرح وہ ایک ہی بات کو متعدد شخصیات کی طرف منسوب کر کے عامۃ الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ متعدد دلائل ہیں۔ اس دجل کے ساتھ پھر یہ خیانت بھی کہ اسی شخصیت کی اس بات کے بارے میں اپنی رائے کو چھپاتے ہیں، واقعی بدعتی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہودی احبار کی پوری پوری نقالی کرے۔

صائم صاحب کی ساتویں دلیل امام رازیؒ کی عبارت ہے:

"لادلالة ظاهرها على كفر ابی طالب"

یہ کس نوعیت کی دلیل ہے محتاج تبصرہ نہیں، جسے اللہ تعالیٰ کچھ علمی ذوق اور نورِ بصیرت عطا فرمائی ہے وہ اس عبارت سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام موصوفؒ کی اس عبارت سے نہ صرف کفر ابی طالب کا پتہ چلتا ہے بلکہ وہ اس دعوی پر آیت مذکورہ کی مطلق دلالت کی نفی بھی نہیں کرتے، صرف اس کے ظاہر کے دال نہ ہونے کی بات کرتے ہیں۔ مگر صائم صاحب بے چارے جب آدمی ہی دوسرے وادی کے ہیں، وہ دلیل ومدلول میں ربط وتعلق کیا جانیں؟ جب کہ یہی رازیؒ فخر ملت دوسری جگہ اپنی تفسیر میں اس شیعی ذہنیت کی کھل کر تردید کر چکے ہیں جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

رہی ملا معین کاشفی کی بات تو وہ بے چارے خود موضوع سخن ہیں کہ وہ مسلکاً کون ہیں؟ گلابی قسم کے سنی اسے کہیں یا اس قسم کے رافضی؟ میرا خیال ہے کہ شیخ مجدی بھی کاشفی صاحب کی اس تاویل "واما از غایت خلوص نتواست کہ اہل مجلس را شنواند" کو بے انتہا داد دے چکے

ہوں گے، جبکہ صائم صاحب اپنی بے مثل بلادت کی وجہ سے جب اس جملہ کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکے تو مطلب کیا سمجھے ہوں گے، ورنہ تحسین و آفرین کے کتنے ڈونگرے برسائے۔

چشتی صاحب کی آٹھویں دلیل حضرت شیخ عبدالحقؒ کی بعض عبارات ہیں، قطع نظر اس سے کہ شیخ صاحبؒ کے تفردات کی محققینِ اہل سنت کی نظر میں کیا حیثیت ہے اور عبارات مذکورہ میں ذکر شدہ دعوی اور دلیل میں کیا وزن ہے؟ ہم اس سے پہلے خود شیخ صاحبؒ ہی کی زبانی اسی مدارج النبوۃ سے نقل کر چکے ہیں کہ ابوطالب کی موت بحالت کفر واقع ہوئی۔

پنجاب کے سامری نما گوے کی نویں دلیل صاویؒ کی عبارت ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ فنِ حدیث میں فردوس دیلمی کی مسند کا حوالہ جس طرح حدیث کی ضعف کی کافی شہادت ہے، اسی طرح علم تفسیر میں صاویؒ کا حوالہ روایت کے ضعف کا گواہ ہے۔ پھر علامہ صاویؒ نے "قیل" کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے جو تمریض اور ضعف کا پتہ دیتی ہے اور اس ضعف کو موصوف نے مزید یہ کہہ کر واضح کیا کہ اس قول کے قائلین بعض صوفیہ ہیں، جب کہ وضع حدیث میں سب سے زیادہ بدنام یہی طبقہ ہے۔ مصطلح الحدیث پر لکھی گئی درجنوں کتابوں کے حوالے اس سلسلہ میں دیئے جاسکتے ہیں۔ ''زینی دحلان'' جس کی تالیفات بریلویت کی سب سے مضبوط حصار ہیں، کا حوالہ یا یوسف نبہانیؒ کی شہادت مصادرہ علی المطلوب کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔ زینی دحلان صاحب نے قرطبیؒ کا حوالہ دے کر خود اپنے دعوی اور دلیل کی قلعی کھول دی ہے۔ علامہ قرطبیؒ کی تفسیر کا حوالہ ابھی ابھی گزر چکا کہ وہ ابوطالب صاحب کے اسلام لے آنے کے قائل نہیں۔

آخری حوالہ یا دسویں دلیل علامہ شبلیؒ کا قول ہے۔ اولاً تو ہم چشتی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اس 'مؤرخ اسلام' صاحب نے معجزات مصطفویہ کے بارے میں جو 'تحقیق' کی ہے، کیا وہ بھی آپ کے لیے قابل قبول ہے یا بس پوری سیرت میں یہی ایک حوالہ آپ کو پسند آیا، پھر شبلی صاحب ابن اسحاق کے حوالہ سے ابوطالب کے اسلام کی بات کرتے ہیں جس کے بارے میں مقتدائے اہل السنت، امام دارالہجرۃ امام مالکؒ نے فرمایا:

File Adress:

''کہ میں مقام وحجر کے درمیان کھڑے ہوکر حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ ابن اسحاق دجاجلہ میں سے ایک دجال ہیں''۔

وہی ابن اسحاق جس پر تقریباً ایک درجن الزامات محدثین نے لگائے ہیں جن میں سے ایک الزام رفض کا بھی ہے، پھر جو روایت ہے وہ بقول شبلی صاحبؒ کے منقطع ہے، جب کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح کی روایت زیادہ سے زیادہ مرسل صحابی ہے جو باجماع امت بشمول امام شافعیؒ کے حجت ہیں۔ لہٰذا شبلی کا یہ کہنا:

''لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاریؒ کی یہ روایت چندان قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود تھے تو روایت مرسل ہے اھ'' باختصار۔

بالکل لغو اور مردود ہے۔

اولاً: تو مرسل صحابی بالاجماع حجت ہے، پھر صحیحین کے ائمہ فن کے نقد فرمودہ روایات کے علاوہ جن میں سے یہ حدیث نہیں ہے، باقی روایات کے صحیح ہونے پر امت کا اتفاق ہے، اس لئے شبلی کے کلام میں دوہرے اجماع کی مخالفت ہے۔

ثانیاً: مسیب کے موجود نہ ہونے کی بات شبلی کی خانہ زاد ہے، اس وقت تک اسلام نہ لے آنے سے ان کے موجود نہ ہونے کا کیا جوڑ؟ کیا ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ اس وقت مسلمان تھے؟ ہم شبلی کی اس بات کے بارے میں پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔

علامہ عینیؒ یا کسی اور صاحب نے اگر یہ کہا تو یہ محض ان کی تخمین ہے، کوئی تاریخی شہادت اس پر کوئی شخص پیش نہیں کرسکتا کہ حضرت مسیبؓ اس وقت موجود نہیں تھے۔ بظاہر سیاق حدیث یہی بتلاتا ہے کہ حضرت مسیبؓ خود اس وقت موجود تھے۔ مکہ معظمہ کا واقعہ ہے، جناب ابوطالب قریش کے سربرآوردہ شخصیت کا انتقال کا حادثہ ہے اور حضرت مسیبؓ مکی ہیں، قریشی ہیں، مخزومی ہیں، جب کہ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی مخزومی ہی ہیں، معاصرت پائی جاتی ہے

تو جمہور کے مسلک کے مطابق کیوں نہ اس کو اتصال پر محمول کیا جائے جیسا کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے، علامہ عینیؒ کو ویسے حافظ موصوفؒ کے کمالات عیوب نظر آتے ہیں:

وَلَا یجرِ مِنکُم شَنَانُ قَومٍ عَلٰی اَنْ لَّا تعدِلُوا۔

مجھے تعجب ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب اور صحیح بخاری کو ہم پلہ بنانے والا شخص اور ابن اسحاق کی منقطع روایت کی مرسل صحابیؓ (جو کہ افضل التابعین سعید بن المسیبؒ کے والد ہیں) کا ہم وزن قرار دینے والا صاحب، عالم بلکہ محقق کیسے سمجھا جاتا ہے۔

اور حضرت مسیبؓ کو مسلمۃ الفتح میں سے قرار دینا بھی محل نظر ہے۔ رہی یادش بخیر رضا خانی امت کے حکیم مفتی احمد یار خان کی بات کہ

''فتوی کفر کے لیے یقین چاہیے، ابو طالب کی کفر پر موت بھی احادیث سے ثابت ہے جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور پھر اس میں بڑے بڑے علماء کا اختلاف ہے''۔

تو یہ مفتی صاحب کی جہالت کا نادرۂ روزگار نمونہ ہے۔ ابو طالب کا کفر تو مسلمہ حقیقت ہے، آپ جو ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ان کے اسلام لے آنے کے لیے مار رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے کفر پر کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ اصول فقہ اور علم الخاصہ میں مذکور ہے۔ پھر عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جھوٹے دعویداروں اور خوفِ خدا اور حیا سے عاری اجارہ داروں کی گستاخی اور جسارت ملاحظہ ہو کہ یہ مان کر کہ کفر ابو طالب کی موت احادیث سے ثابت مان کر یقین نہ کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ صحیح حدیث تو اپنی جگہ، ضعیف حدیث بھی بڑے سے بڑے شخص کی رائے سے فقیہ الامۃ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ وزنی ہے۔ تو یہ بڑے بڑے علماء (جن کی حقیقت عیاں ہے) کے اختلاف کی کیا حیثیت ہے صحیح حدیث کے مقابلے میں؟ مشرکین مکہ اور کفار عرب میں سے ابولہب کے علاوہ آخر کس کا کفر منصوص ہے۔ اس کے علاوہ مفتی احمد یار خان کے منطق کے مطابق کسی کے کفر پر یقین اگر احادیث کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا تو آخر انہی احادیث کی بنیاد پر کسی کے ایمان و اسلام پر یقین کس طرح کیا جا

File Adress:

سکتا ہے؟ جب کہ مؤمن کو کافر قرار دینا جس طرح جرم ہے کافر کو مؤمن قرار دینا بھی ویسا ہی جرم ہے۔ تمہارے اعلیٰ حضرت سینکڑوں فتاوی میں لکھ چکے ہیں کہ کافر کو کافر نہ کہنا بلکہ اس کے کفر میں توقف اور تردد کرنا بھی کفر ہے۔

ایک دلیل صائم صاحب کی مراح لبید یا تفسیر نووی کا حوالہ ہے۔ یہ مشہور محدث نووی نہیں ہے، بلکہ ''جاوی'' کی نسبت سے مشہور ۱۳۱۵ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ ہدیۃ العارفین وغیرہ سے معلوم ہوا کہ تفسیر یا مراح لبید نامی کوئی کتاب ان کی تالیفات میں نہیں اور ''فروع الشیعۃ'' کے نام سے ایک تالیف ان کی ہے تو شافعی ہونے کے بوجود معلوم ہوتا ہے، رفض کے جراثیم سے خالی نہیں۔ پھر صوفی ہے، اس لیے ان کی عبارت قابل التفات نہیں سمجھی گئی۔

یہ تھی صائم چشتی کی وہ علمی پونجی جس کی بنیاد پر وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری اور دیگر صحاح کی احادیث کی تکذیب وتردید پر آمادہ ہوئے اور سلف صالحین کی تفاسیر کا مضحکہ اڑا کر نصوص قرآنیہ میں تحریف کے لیے کمربستہ ہوئے اور امت مسلمہ کے معتمد ائمہ دین کے اجماعی مسلک سے منحرف ہوئے۔ علم وتحقیق کے میزان میں آپ نے اس کا وزن دیکھ لیا۔

آیئے! ذرا ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کا جائزہ لے لیں:

قرن اول میں جن حضرات کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا ان میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے اشخاص ہیں جو اعراب تھے اور قبل از اسلام معاشرہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور بعد از اسلام بھی شرف صحبت کی عظمت اپنی جگہ پر، کوئی خاص نمایاں کارنامے ان کے منقول نہیں ہوئے۔ لیکن ان کا اسلام قبول فرمانا متنازع فیہ رہا اور نہ مخفی رہا۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ جناب ابو طالب جو بقول صائم کبھی کافر ومشرک ہی نہیں رہے، شروع ہی سے مسلمان تھے یا بقول بعضے آخر میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور وہ جناب عبد المطلب کے بعد مکہ معظمہ کی سب سے بااثر شخصیت ہیں، قریش کے قبیلہ کے اپنے وقت میں سب سے بڑے سردار خانوادۂ بنی ہاشم کے مطاع اور واجب الاحترام بزرگ ہیں۔ سید ولد

آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوار ومحبوب چچا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم محسن ہیں۔ خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علیؓ کے والد مکرم ہیں، حسنین کریمینؓ کے محترم دادا ہیں۔ سید الشہداء اسد اللہ حمزہؓ اور سیدنا حضرت عباسؓ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے قابل احترام بھائی ہیں۔ قرنِ اول میں آپ کے خاندان کے افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جبکہ آپ کے اپنے صاحبزادے اور پھر پوتے مسند خلافت پر فائز ہوتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں آپ کی نسل سے محدثین، مفسرین، مؤرخین، فقہاء، صوفیاء پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیت کا اسلام پیارے بھتیجے (جو کہ نبی الانبیاء ہیں) پر بھی مخفی نہیں رہا، اپنے فرزندِ ارجمند اور پوتوں ونواسوں پر بھی مخفی نہ رہا اور پوری امت کو اس کا علم نہ ہو سکا، بجز ابن اسحاق کے اور اسی قبیل کے دو تین اور خود متنازع فیہا شخصیات کے۔ شرق وغرب میں تقریباً ہر جامع مسجد کے منبر پر ہزاروں افراد کے سامنے خطبہ میں ابو عمارہ سیدنا حمزہؓ، ابو الفضل سیدنا عباسؓ کا نام تو سننے میں آتا ہے لیکن ابو طالب عبد مناف کا نام سننے میں نہیں آتا۔ بالفرض امت کے ایک حلقہ کو اگر ان سے کد تھا تو دوسرا حلقہ تو ان کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد ابو طالب صاحب کے کفر سے انکار کو بدیہیات سے انکار ہی قرار دیا جائے گا۔ آخر اس سے بڑھ کر شقی شخص کون ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن اور بزرگوار چچا (جسے ایک حد تک محسنِ اسلام کہا جا سکتا ہے) کے کافر اور جہنمی ہونے کا متمنی ہو یا بوجود اس کے مسلمان ہونے کے اُسے کافر بنانے پر مصر ہو۔ صاف بات ہے یا تو روافض کی طرح قرنِ اول کے تمام مسلمانوں کو شقی، منافق، دشمنِ نبوت وخاندانِ نبوت قرار دینا ہوگا۔ یہاں چند کی استثناء کی گنجائش بھی نہیں، اس لئے کہ خود سیدنا علیؓ، سیدنا عمارؓ، سیدنا سلمانؓ، سیدنا مقدادؓ، سیدنا الحسنؓ، سیدنا الحسینؓ بھی ابو طالب کے ایمان واسلام کے بارے میں خاموش ہیں یا پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابو طالب صاحب اپنے تمام تر فضائل ومناقب کے باوجود نعمتِ ایمان سے محروم رہے تھے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کی بڑی تعداد یہودیوں کی دانستہ یا نادانستہ اتباع کرتی ہوئی نسب پرستی کے مہلک مرض میں مبتلا ہو چکی ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی قرابت کا رشتہ جہاں جہاں پہنچا ہوا ہے وہاں وہ کسی بھی قسم کے عیب اور کمزوری کو ناقابل تصور سمجھتے ہیں۔ اسی کا شاخسانہ ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام وامہات طیبات کے ایمان کا عقیدہ گھڑ لیا گیا اور پھر "علی ملة الاشیاخ" یا "علی ملة عبد المطلب" سے ابوطالب کی ایمان واسلام کے عقیدہ کی خمیر اٹھائی گئی اور روایت پرستی کے نتیجہ میں اکاذیب واباطیل کے مجموعہ میں جسے تاریخ کا نام دیا جاتا ہے، پائی جانی والی گلی سڑی روایات، گری پڑی حکایات کا سہارا لیا گیا اور اس طرح رافضیت کے زہر کو جو درحقیقت یہودیت کا چربہ ہے، امت مسلمہ کے جسد میں داخل کرنے کی سعی کی گئی۔ شیعوں کے ائمہ ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور وہ سب کے سب ابوطالب صاحب کی اولاد میں ہیں، بھلا ان کے نزدیک اس پر کفر کا سایہ کس طرح پڑ سکتا ہے۔

نیم رافضی چشتی صاحب کی کاوش کو اس زاویہ سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔

File Adress:

(۲۸)

مسٹر غلام احمد پرویز کے عقائد و نظریات

وبعد! دین اسلام خداوند متعال کا سچا دین ہے اور ان کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ نعمت انسانیت کو ملی اور آپ ہی نے اپنے کردار و گفتار کے ذریعہ اس کی تفسیر کی، مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق یہ دین تا قرب قیامت اپنی جامعیت اور کمال کے ساتھ باقی رہے گا۔ اعداء اسلام نے اسے ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر مشیت ایزدی کے سامنے ان کا ہر حربہ بے اثر ثابت ہوا۔ برصغیر میں دین اسلام کے خلاف متعدد تحریکیں اٹھیں ان میں خطرناک تحریکیں وہ رہیں جو دین کا نام لے کر دین کے خلاف مصروف پیکار رہیں، اس قسم کی تحریکوں میں زیادہ شہرت ماضی قریب کے دو فتنوں کو

حاصل ہوئی ایک قادیانیت دوسرا پرویزیت، قادیانیوں نے ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ پر ضرب لگا کر دین حق کی پوری عمارت کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش کی اور پرویزیوں نے نبوت اور رسالت کی حقیقت کا انکار کر کے اس عمارت کو مسمار کرنا چاہا، علماء حق جو دین کے محافظ ہیں ہر دور میں اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان فتنوں کے خلاف سینہ سپر رہے، اپنے اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں بلکہ دار و رسن کو چومنے تک بار ہا نوبت پہنچی اور اسلامی تاریخ کا شاید سب سے بڑھ کر روشن باب یہی ہے۔

فتنۂ قادیانیت کی تدفین کی طرح علماء حق نے فتنۂ پرویزیت کے استیصال کا بھی انتظام فرمایا، تاکہ عامۃ المسلمین ان ایمان کے ڈاکوں سے محفوظ رہیں الحمدللہ تعالیٰ انہیں اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیابی نصیب ہوئی اور یہ فتنہ فرو ہوا تاہم علمائے امت کے پرویز کے بارے میں واضح اور متفقہ فتوی کفر کے باوجود بھی انہوں نے اپنے کفریہ نظریات کی ترویج جاری رکھی چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی کہ علماء امت کے متفقہ فتوی کو ایک بار پھر سامنے لایا جائے "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ"۔ مفصل فتوی نظام العلماء کے مقامی اکابر کے پاس موجود ہے جو حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ہم صرف اس کے بعض اہم حصوں کو افادۂ عام کے لئے شائع کر رہے ہیں، فتوی پڑھنے سے پہلے یہ چند حقائق ضرور ملحوظِ خاطر رہیں:

۱..... کسی مدعیٔ اسلام پر کفر کا فتوی احتیاط کا متقاضی ہے اس لئے خدا ترس علماء نے اس ناگوار فریضہ کے ادائیگی کے وقت ہمیشہ احتیاط کے دامن کو پوری قوت کے ساتھ تھامے رکھا۔

۲..... مسلمان بننے اور رہنے کے لئے صرف عقائد اسلامیہ کا اعتقاد ہی کافی نہیں بلکہ غیر اسلامی عقائد سے براءۃ اور ان کے بطلان کا عقیدہ بھی ضروری ہے، سلب و ایجاب اور نفی و اثبات دونوں لائن ساتھ ہی چلتے ہیں، اسلام کے دین فطرت ہونے کا تقاضا تب پورا ہو سکتا

ہے کہ حق کو حق ماننے کے ساتھ باطل کو باطل مانا جائے، جیسا کہ اسلام کو کفر اور مسلم کو کافر کہنا اور سمجھنا بدترین جرم اور بلاشبہ کفر ہے اسی طرح کفر کو اسلام سمجھنا اور کافر کو مسلم سمجھنا بھی بدترین جرم اور یقینی کفر ہے۔

۳..... عام طور پر علماء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا مشغلہ ہی فتوی تکفیر ہے اور لوگوں کو کافر بنانا ہے، جاننا چاہیے کہ علمائے دین کا ہمہ وقتی وظیفہ لوگوں کو مسلمان بنانا اور اسلام پر قائم رکھنا ہے، وہ اپنے فتوی سے کسی کو کافر بناتے نہیں بلکہ جو کافر ہو گیا ہے اسے لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ یہ کافر ہے، کیا چور اور ڈاکو کی نشاندہی کرنا کسی بھی قانون کے رو سے جرم قرار دیا جاسکتا ہے یا کسی معاشرہ میں اس کو معیوب سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر چور، ڈاکو کی نشاندہی ملک وملت کے ہر وفادار کا فریضہ ہے تو غدار دین وملت کی نشاندہی کرنا اس سے بڑھ کر فریضہ ہے۔

۴..... غلطی اور لغزش سے کوئی بشر مستثنی نہیں، مفتیان دین بھی اس کلیہ سے بالاتر نہیں ہیں مگر بعض افراد کی شخصی اور وقتی طور پر غلطی کرنے پر فتوی کا دروازہ تو بند نہیں کیا جاسکتا اور نہ بعض غیر محتاط حلقوں کے فتوی نویسی میں لغزش سے فقہائے امت کے تمام فتاوی پر اعتماد ختم ہو سکتا ہے۔ ایسا سمجھنے والا یقینا خود فریبی کا شکار ہے اور پرلے درجے کی حماقت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ آخر بعض ڈاکٹروں، جج حضرات، انجنیئر صاحبان کی غلطی کی وجہ سے یہ سارے شعبے ناقابل اعتماد بن گئے ہیں اور ان حضرات کی ہر رائی قابل رد ہے۔

۵..... صحیح اسلامی نظام حکومت ہو، تو اس قسم کے ملحدوں کے بارے میں صرف فتوی کفر دینے سے شرعی تقاضے پورے نہیں ہوتے بلکہ فہمائش کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی صورت میں ان کی گردن اڑانے کا حکم ہے، فیصلہ نبوی پر حرف زنی کرنے والے کے لئے امت کے شہرۂ آفاق عادل حکمران سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہی علاج تجویز ہی نہیں فرمایا بلکہ اس پر عمل بھی فرما چکے۔

مشتے نمونہ از خروارے طور پر ذیل میں ہم پرویز کے عقائد اور بالمقابل علماء امت کا

شرعی فیصلہ نقل کرتے ہیں۔

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

''قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ ورسول کا نام آیا ہے اس سے مراد مرکز، نظام حکومت اور مسلمانوں کا امام ہے۔''[معارف القرآن از پرویز ج ر ۴۔ص ر ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۳۰، ۶۳۱]

شرعی فیصلہ:

''یہ کھلی ہوئی تحریف اور الحاد ہے، لفظ ''اللہ'' اور ''رسول'' کی دلالت اپنے معنی پر ظاہر اور قطعی ہے، اسے چھوڑ کر دوسرے معنی مراد لینا الحاد وزندقہ کے سوا کچھ نہیں، لفظ کی دلالت اپنے معنی پر لغوی ہوتی ہے یا عرفی یا اصطلاحی ''اللہ'' اور ''رسول'' کی دلالت مرکز ملت پر ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں، قرآن کریم اس زبان میں نازل ہوا ہے جو عرب میں بولی سمجھی جاتی تھی، یہ زبان آج بھی زندہ ہے، اللہ ورسول کے الفاظ اس میں قدیم سے مستعمل چلے آتے ہیں، پرویز نے اللہ اور رسول کا جو مفہوم اپنے ذہن سے متعین کیا ہے اس کے ثبوت میں عربی نظم ونثر کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا اور نہ عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی مسلمان نے اس کے یہ معنی سمجھے۔''

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

''اللہ ورسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے، رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت کرائے، رسول کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ وہ اس قانون کو انسانوں تک پہنچانے والا ہے۔ اسے حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے، بہ حیثیت مرکز ملت آپ کی اطاعت فرض تھی، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت کا حکم نہیں۔''[معارف

File Adress:

القرآن: ج/۴ ص/۶۱۶۔۶۳۱۔۶۸۶۔اسلامی نظام: ص/۸۶۔۱۱۰۔۱۱۱۔۱۱۲۔سلیم کے نام خط: ج/۲ ص/۳۴۔۱۰۳۔۱۲۰۔مقام حدیث: ج/۱ ص/۱۹]

شرعی فیصلہ:

''ان عبارات میں تحریف اور الحاد و زندقہ کی بدترین مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اسلام کی اساس اولین ہے جس پر دین کی پوری عمارت قائم ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں اس کا مکرر بتاکید حکم دیا گیا ہے اور اس سے انحراف کو کفر قرار دیا ارشاد ہے:

''قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ [آل عمران ۳۲]''

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح اطاعت رسول بھی دین کے مسلمات میں سے ہے، رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت ہے اور یہ تمام امتوں کا مشترکہ اور متفقہ وظیفہ رہا ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ [نساء: ۶۴]''

اور رسول کی اطاعت کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو سکتی ہے:

''وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [نساء: ۸۱]''

اور اتباع رسول ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار ہے:

''وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا [نور: ۵۴]''

بلکہ مدار ایمان ہے:

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [نساء: ۶۵]''

رسول کے فیصلہ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں:

File Adress:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ[احزاب:۳۶]"

رسول کے حکم سے سرتابی عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے:

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔[النور:۶۳]"

اور جہنم کو ٹھکانا بناتی ہے:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا[نساء:۱۱۵]"۔

رسول کو صرف پیغام رسانی سمجھنا بھی قطعاً کفر ہے، اس سے ان حیثیات کا انکار لازم آتا ہے جو قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ رسول کو دی ہیں۔ قرآنی تصریحات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم، مزکی، شارح کتاب الٰہی، امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی اور حکم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل تھے اور امت کے لئے ہر شعبہ میں آپ کی زندگی قابل تقلید بلکہ واجب الاتباع نمونہ ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [احزاب:۲۱]"

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

"قرآن کریم کے احکام وراثت، قرضہ، صدقہ خیرات، زکوۃ وغیرہ دائمی نہیں بلکہ عبوری دور کے لئے ہیں۔ ہر دور کی شریعت وہ ہے جسے اس عہد کا مرکز ملت اور مجلس شوری مرتب و مدون کرے، مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ شریعت کے ہر باب میں حتی کہ عبادات مثلاً نماز وغیرہ میں رد وبدل کرے۔" (نظام ربوبیت: ص ر ۲۵۔ ۱۶۷، ومقام حدیث: ج ر ا ص ر ۳۹۱۔ ۴۲۴، وج ر ۲ ص ر ۲۹۲۔ ۲۹۳، وقرآنی فیصلے: ص ر ۱۴۔ ۱۵، سلیم کے نام دوسرا

خط: ج ۱/ص ۲۴)

شرعی فیصلہ:

''یہ بھی کفر صریح ہے قرآنی احکام کی ابدیت قطعی ہے ان کے وقتی ہونے کے متعلق تصریح تو کجا اشارہ تک موجود نہیں: ''وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ [انعام:۱۱۵]''

شرائع میں ردوبدل صرف نبی اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرسکتا ہے، یہ حق کسی مرکز ملت مجلس شوریٰ کو دیدینا درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے اور الحاد وزندقہ ہے۔ قرآن کریم نے صاف صاف غیر مبہم الفاظ میں دین اسلام کے ابدی ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا:

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ [مائدہ:۳]

''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ [آل عمران:۸۵]

اس صاف اور صریح اعلان کے بعد کیسے اس کا امکان باقی رہ سکتا ہے کہ قرآنی احکام ملت اور عبوری دور کے لئے ہیں۔ پرویز کی کفریات میں اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اس کی تکفیر کے لئے بس یہی بات ہی کافی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ پرویز دراصل اشتراکی اور کمیونسٹ ذہن رکھتا ہے، قرآنی احکام مثلاً زکوۃ، صدقہ، وراثت وغیرہ سے کمیونزم کی جڑ کٹتی ہے اس لئے وہ ان احکام کو عبوری دور کے لئے ماننے پر مجبور ہوگیا، جبکہ قاعدہ ہے کہ برائی برائی کو جنم دیتی ہے۔ ایک کفر کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہزار بار کافر بننا لازمی ہے۔''

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

File Adress

''حدیث عجمی سازش اور جھوٹ ہے جو مسلمانوں کا مذہب ہے، تعلیمات نبویہ کا استہزا ہے۔''[مقام حدیث:۱/۴۲۱، ۲/۱۲۵]

شرعی فیصلہ:

''حدیث کو عجمی سازش کہہ کر انکار سنت کرنا کفر محض ہے۔ نصوص قطعیہ اور امت کے غیر منقطع تعامل وتوارث سے اس کا حجت ہونا ثابت ہے:

''وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ[نحل:۴۴]''اور

''مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ [الحشر:۵]''اور

''قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ[التحریم:۳]

وغیرہ نصوص سے سنت کے حجت اور وحی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے، اس موضوع پر مبسوط اور مفصل کتابیں لکھی گئی ہیں، تفصیلات کے لئے ان کا مطالعہ کیا جائے۔ محققین امت کی تصریحات موجود ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک سنت ثابتہ کا استخفاف کرنا، مذاق اڑانا سراسر کفر ہے۔''

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

''آج جو اسلام دنیا میں رائج ہے وہ مجوسیت وغیرہ مذاہب باطلہ کی نظریات کا مجموعہ ہے، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔''[سلیم کے نام پندرھواں خط:ص/۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶، ۲۷، ۶۶۔ قرآنی فیصلے:ص/۱۹۰۔ سلیم کے نام اٹھارواں خط:۲/۱۵۔ سلیم کے نام سینتیسواں خط:۳/۱۹۷۔۱۹۹]

شرعی فیصلہ:

''یہ بھی صریح کفر ہے کیونکہ اس طرح اسلامی عقائد، اعمال، اخلاق الغرض پورے دین کو زمانۂ جاہلیت کا دین بتلایا جارہا ہے، اور سارے مسلمانوں کو بشمول صحابہؓ، تابعینؒ، فقہا، اولیا سب کو کافر کہا جارہا ہے۔ ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا۔ دین کے ہر شعبہ میں تحریف کا عقیدہ قرآن پاک کی تکذیب ہے۔ ارشاد ہے:

''اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَ وَاِنَّالَهٗ لَحٰ ☐ فِظُوْن۔ [الحجر: ۹]

یہ وعدۂ حفاظت صرف قرآن پاک کے الفاظ کے لئے نہیں بلکہ اس کے معانی و مفہومات کو بھی شامل ہے، اور پوری امت کو گمراہ قرار دینا بھی قرآن مجید کا انکار ہے:

''کُنْتُمْ خَیْرَاُمَّةٍاُخْرِجَتْ لِلنَّاس [اٰل عمران: ۱۱۰]''،

''وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًالِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاس [البقرة ۱۴۳]''

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ [النساء: ۱۱۵]

حضرت الاستاذ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ دین کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پوری امت چودہ سو سال سے اس ''غلط موقف'' کی پیروی کررہی ہو جو صحابہ و تابعین سے مروی ہے، اس کا لازمی نتیجہ تو یہ ہے کہ خود صحابہ کرام یا ان سے نقل کرنے والے تابعین بھی معاذ اللہ ''اسلام'' کی جگہ ''مجوسیت'' کی تبلیغ و تعلیم کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے ان کو 'خیر امت'، 'امت وسط' اور سبیل مومنین کا علم بردار کہہ کر ان کی راہ سے روگردانی کفر قرار دی ہے۔

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

''خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کی نوامیس کی

اطاعت ہے۔'' [معارف القرآن: ۴/ ۴۲۰]

شرعی فیصلہ:

''اللہ تعالیٰ چند اخلاقی صفات کا نام نہیں بلکہ وہ ذات متصف بجمیع المحامد ہے جس کی توصیف وتعریف سے قرآن بھرا پڑا ہے، سارے ادیان سماویہ کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی ذات کے ماننے پر ہے، جس طرح اس کی صفات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کی ذات پر بھی، پرویز کی مذکورہ عبارت میں اللہ تعالیٰ سے صریح انکار ہے، اور اپنی اس عبارت کی تردید یا اس سے برأت کا اعلان پرویز نے کبھی نہیں کیا۔''

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

''جبرئیل انکشاف حقیقت کی روشنی کا نام ہے، فرشتے نفسیاتی محرکات ہیں یا کائناتی قوتیں، جنت اور جہنم مقامات نہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔ آدم کا کوئی شخصی وجود نہیں بلکہ اس سے مراد نوع انسانی ہے انسان کی پیدائش آدم وحوا سے نہیں بلکہ ڈارون کے نظریۂ ارتقا کے مطابق ہوئی ہے۔'' [ابلیس وآدم: ص/ ۶۳، ۶۴، ۲۸۳۔ لغات القرآن: ۱/ ۲۱۴، ۲۴۴، ۴۴۹]

شرعی فیصلہ:

''قرآن حکیم میں وارد مذکورہ حقائق کی وہ تشریح جو پرویز نے کی ہے سراسر کفر والحاد ہے۔ قرآن مجید کی بے شمار نصوص سے اس کی تردید ہوتی ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ معانی سے انحراف لازم آتا ہے، یہ ایک ایسا کفر ہے جس کے سمجھنے کے لئے زیادہ علم کی ضرورت نہیں۔ اس بدیہی کفر کا احساس ہر صحیح العقیدہ عام مسلمان بھی کرسکتا ہے، اہل تعلیم کی تصریح کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے انکار کفر ہے تو اس کے وجود سے انکار تو بدترین کفر ہوگا، نسل انسانی کی ابتدا حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے نہ ماننا بھی قرآن پاک کی

شہادت کو رد کرنا ہے:

''یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً [نساء: ۱]''۔

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

نماز 'پوجا پاٹ'، روزہ 'برت'، حج 'یاترا'، صدقۂ فطر 'ڈاک ٹکٹ'، زکوٰۃ 'ٹیکس' ہے۔ قرآن مجید سے پانچ نمازیں نہیں بلکہ صرف دو نمازیں ثابت ہوتی ہیں، حج بین الاقوامی 'کانفرنس' اور قربانی شرکا کانفرنس کے لئے صرف 'راشن' ہے۔'' [قرآنی فیصلے: ص/ ۱۲، ۲۶، ۲۷، ۳۷، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۵، ۵۶، ۶۳، ۶۷، ۶۵، لغات القرآن: ۲/ ۴۷۴۔ ۳/ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴، معارف القرآن: ۴/ ۳۲۸۔ نظام ربوبیت: ص ۸۷، رسالہ قربانی: ص/ ۳، سلیم کے نام: ج/ ۱ ص ۷۷، ۷۸]

اس گمراہ کن عبارت کی رد میں رقم طراز ہیں:

''اسلامی عبادات کے بارہ میں ایسا کہنا سراسر کفر اور ارکان اسلام کا استخفاف ہے:

'قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ [توبہ: ۶۵]''

نصوص قطعیہ قرآنیہ میں تحریف اور ان سے کھلا ہوا انکار ہے، امت کے اجماعی متواتر مسلک کو رد کرنا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اصولی عبادات میں سے ہیں ارکان دین ہیں، صدقۃ الفطر واجبی عبادت ہے، قربانی سنت ابراہیمی ہونے کی وجہ سے قدیم اور اہم ترین عبادت ہے ان عبادات کا انکار اور تمسخر اور مفہومات میں رد و بدل کفر در کفر کے دبیز ظلمانی طبقات ہیں۔''

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز کا کہنا ہے:

File Adress:

''قرآن مجید کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور معراج کا انکار اور قرآن کی تلاوت عہد سحر کی یادگار ہے۔'' [معارف القرآن: ۴/۷۳۱۔۷۳۶، سلیم کے نام: ۳/ ۶۳۔۹۱۔۹۲، قرآنی فیصلے ص/ ۱۰۴]

شرعی فیصلہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے علاوہ بھی بہت سارے حسی معجزات دیے گئے، اسلامی عقائد کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ قرآن حکیم نے بھی متعدد حسی معجزات کا ذکر فرمایا، اس لئے حسی معجزات سے انکار اسلامی عقیدہ سے انحراف اور کفر ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کو عہد سحر کی یادگار کہنا بھی الحاد و زندقہ ہے تلاوت کلام پاک ایک مستقل عبادت ہے خود قرآن نے اس کا حکم دیا:

''اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ [عنکبوت: ۴۵]''

اور پیغمبرانہ فرائض میں سے ایک فریضہ ہے:

''یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ مِنْ آیَاتِہٖ''۔

''وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً''۔

''فَاقْرَأُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ''۔

کفریات پرویز:

غلام احمد پرویز حرام اشیا کو چار میں محصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صرف چار چیزیں حرام ہیں: مردار، بہتا خون، لحم خنزیر، اور غیر اللہ کی طرف منسوب چیزیں باقی حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں۔'' [طلوع اسلام مئی ۵۲، ص/ ۶۹]

شرعی فیصلہ:

''یہ دعوی بھی کھلی گمراہی ہے، کیونکہ یہ ان تمام محرمات کے انکار پر مشتمل ہے جن کی

File Adress:

حرمت صریح قرآن وحدیث میں وارد ہے کیونکہ کتا، بلی، شیر، گیدڑ، بندر، سانپ، شراب، پیشاب، براز وغیرہ سب چیزیں حلال ہوجاتی ہیں۔"

File Adress

(۲۹)

مسئلہ عصمت انبیاء: مولانا مودودی صاحب کے افکار کا جائزہ

مولانا داؤد صاحب کے خطوط کے تناظر میں

اہل سنت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد عصمت لازم اور دائم ہے جبکہ تفہیمات حصہ دوئم میں مودودی صاحب نے عصمت کے لزوم اور دوام کی نفی کی ہے۔

اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام کی جماعت موصوف بالعدل ہے اور ان پر جرح وتنقید جائز نہیں، جبکہ مودودی صاحب کی خلافت وملوکیت اس نظریہ وعقیدہ کے خلاف عبارات سے لبریز ہے۔

عصمت انبیاء کے متعلق مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات میں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہوجائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیا سے بھی ہوسکتی ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہوجانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیا کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں''۔ (تفہیمات حصہ دوم، ص:۵۶، طبع حادی عشر ۸۴ء)

ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کردیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے''۔ (تفہیم القرآن جلد:۳، ص:۱۳۳، طبع اول ۶۲ء)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں لکھا:

''ان سے جو فعل صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمان روا کو زیب نہ دیتا تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد

File Adress:

:۴،ص:۳۲۷،طبع گیارہواں ۸۱ء)

حضرت یوسف وحضرت یونس وحضرت نوح وغیرہ جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کی تحریریں ان کی تالیفات میں موجود ہیں، یہ اوراق نقل کے متحمل نہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں بھی مودودی صاحب کی عبارتیں ڈھکی چھپی نہیں کم از کم خلافت وملوکیت تو ہر جگہ دستیاب ہے۔ حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر نہایت مکروہ بدعت کے ارتکاب (ص:۱۷۴)، مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صریح خلاف ورزی (ص:۱۷۴)، استلحاق زیاد کے سلسلہ میں شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی (ص:۱۷۵) اور اپنے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے (ص:۱۷۹) وغیرہ کے الزامات صریحاً عقیدۂ عدالت اور 'کف اللسان عن ذکرھم الا بخیر' کے عقیدہ کے منافی ہیں، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت مغیرہؓ وغیرہ اکابر کے خلاف زبان درازی اس کے علاوہ ہے قلت فرصت تفصیل سے مانع ہے۔

مودودی صاحب نے تفہیمات کی عبارت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حفاظت خداوندی کے اٹھائے جانے پر تصریح کی ہے، حفاظت عصمت سے اولاً تو اعم ہے ورنہ مساوی ہونے میں تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ دونوں صورتوں میں حفاظت کا رفع ہونا عصمت کے رفع ہوجانے کو مستلزم ہے۔ استلزام رفع الاعم رفع الاخص واستلزام رفع المساوي رفع مثلہ نبوت کے بعد نبی کا معصوم نہ ہونا چاہے ایک لمحہ کے لئے کیوں نہ ہو اجماع کے خلاف ہے۔ جیسا کہ عصمت حاصل ہونے کے بعد اس کا منفک ہوجانا خلاف اجماع ہے اور مودودی صاحب تفہیمات کی محولہ عبارت میں ان دونوں اجماعی عقیدوں سے انحراف کر چکے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت سے متعلق تین امور ہیں:

File Adress:

اول اینکہ اس کا حصول قبل از نبوت ہوتا ہے یا بعد از نبوت؟

دوم: عصمت انہیں کن امور سے حاصل ہے؟

سوم: عصمت انہیں حاصل ہوجانے کے بعد ان سے منفک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

امر اول کے بارے میں محققین اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ انہیں عصمت قبل از نبوت بھی حاصل ہے اور بعد از نبوت بھی، پیدائش سے لے کر انتقال فرمانے تک وہ معاصی سے معصوم رہتے ہیں اور اہل علم کے بہت سے حلقوں کی رائے یہ ہے کہ عصمت نبوت کا خاصہ ہے اس لئے نبوت کے ساتھ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتی ہے گویا نبوت سے پہلے عصمت کا حصول تو مختلف فیہ ہوا اور بعد از نبوت عصمت کے ثبوت پر اجماع منعقد ہے۔

امر دوم کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ عصمت صرف کبائر سے انہیں حاصل ہے اور بعض کا قول ہے کہ صغائر کے ارتکاب سے بھی وہ معصوم ہیں، اکابر حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ صغائر و کبائر دونوں قسم کے معاصی و ذنوب سے انہیں عصمت حاصل ہے اور یہی امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ جیسے ائمہ کا مذہب ہے اور اہل تشیع و روافض کے نزدیک وہ زلات سے بھی معصوم ہیں۔ جب کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ عصمت زلات سے تحفظ نہیں دیتی۔ یعنی زلات سے محفوظ نہ ہونے پر اہل سنت کا اجماع ہے اور زلت سے مراد زلت عن الطاعۃ الی المعصیۃ نہیں بلکہ من الافضل الی الفاضل مراد ہے۔

امر سوم کے بارے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ عصمت حاصل ہوجانے کے بعد پھر منفک نہیں ہوسکتی اور وہ علیٰ وجہ اللزوم والدوام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل رہتی ہے گو لزوم کی نوعیت میں تفصیل ہے کہ عقلی ہے یا سمعی لیکن نفس لزوم پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ شیعہ حضرات کے نزدیک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطور تقیہ، معاصی تو کیا کفر کا صدور بھی عیاذاً باللہ ہوسکتا ہے۔ یہ ہے عصمت کے مسئلہ کی کچھ تفصیل جو کلام، اصول فقہ اور تفسیر کی قابل اعتماد کتب سے لی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی

File Adress:

عصمت اجماعی امر ہے اور عصمت کے حصول کے بعد چاہے قبل از نبوت ہو یا بعد از نبوت پھر انفاک کا عدم جواز جس کی تعبیر لزوم اور دوام کے ساتھ کی جاتی ہے، اجماعی مسئلہ ہے اور اسی طرح زلات سے معصوم نہ ہونا بھی مجمع علیہ عند اہل السنۃ ہے۔ اس تنقیح کے بعد ہم اپنا الزام دہراتے ہیں کہ مودودی صاحب نے نبوت کے بعد ارتفاع عصمت کا نظریہ پیش کر کے اجماع کے خلاف کیا ہے۔ صرف اجماع ہی نہیں بلکہ دوہرے اجماع کی خلاف ورزی کی، بلکہ اگر مودودی صاحب کے بعض نادان دوستوں کی بات قبول کی جائے کہ مودودی صاحب ایک دو لغزشوں کو مستثنیٰ کر کے دیگر زلات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کے قائل ہیں تو اس طرح شیعیت کا مزید قرب تو حاصل کر لیں گے مگر عصمت کے مسئلے میں اہل سنت، اہل حق کے ایک تیسرے اجماع کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے۔

ذاتی طور پر میرا عقیدہ علامہ ابن حزمؒ، قاضی ابوبکر العربی شیخ اکبرؒ، علامہ شعرانیؒ، عارف دباغ، علامہ محدث قاریؒ، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور دیگر محققین کی طرح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت اور بعد از نبوت ہر معصیت سے صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو پاک اور معصوم ہیں لیکن مودودی صاحب پر ہم یہ گرفت نہیں کر رہے ہیں کہ آپ نے محققین کے مسلک کے خلاف عندیہ دیا ہے بلکہ ہمارا اعتراض یہ ہے کہ معصوم بننے کے بعد عصمت کے انفکاک اور حفاظت خداوندی کے بعض اوقات اٹھائے جانے کا نظریہ پوری امت مسلمہ کے سلف سے موروثی اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے لیے عصمت کے لزوم اور دوام کا جو بندہ نے اپنا عقیدہ بیان کیا اسی حقیقت کی طرف مشہور عارف باللہ کاشف الحقائق الشیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ نے متوجہ فرمانا چاہا ہے:

"ان المنع من المعصية ذاتي في الانبياء عرضي في الاولياء يمكن زواله في الاولياء ولايمكن زواله في الانبياء وسره ماسبق وهو ان خير الانبياء من ذواتهم

File Adress:

وخیرالاولیاء من غیرذواتھم فعصمة الانبیاء ذاتیة وعصمة الاولیاء عرضیة "الخ(الابریز،ص:۳۸۰)

نیزفرماتے ہیں:

اما ذات الولی فانھا کسائر الذوات بخلاف الانبیاء فانھم جبلوا علی غیر المعصیة وعلی معرفة اللہ تعالی وتقواہ الخ(ابریز،ص:۳۸۰)

اسی عقیدہ کی تلقین ایک اور عظیم مصلح وعارف باللہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بایں الفاظ فرماتے ہیں کہ "انبیاء واجب العصمۃ اند ونزدیک فقرا اولیا ہم لکن انبیاء واجب العصمۃ اند واولیاء جائز العصمۃ۔ (فوائد الفواد،ص:۶۳)

اوراسی پاکیزہ عقیدہ کی تشریح خاتمہ المتکلمین، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض تالیفات میں 'بما لامزید علیہ' کی ہے۔حضرت نانوتویؒ کی تشریح سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اہل سنت کے ائمہ کا اختلاف صرف تعبیری ہے اورنزاع لفظی کی حیثیت رکھتا ہے۔درحقیقت سب کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کے قائل ہیں،صغائر سے بھی اور کبائر سے بھی،قبل ازنبوت بھی اور بعد ازنبوت بھی۔اسی کو علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۴۵۲ھ)' جو قاضی عضدالدینؒ، سید شریفؒ،علامہ تفتازانیؒ اورامام فخرالدین رازیؒ سے بھی زمانا متقدم ہے'، نے 'الفصل' میں باستثنائے چند افراد پوری امت کا عقیدہ قرار دیا ہیں۔چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وذھب جمیع أھل الاسلام من أھل السنة والمعتزلہ والنجاریہ والخوارج والشیعة الی (وفي الاصل "الا" ولایخفی فسادہ) أنہ لایجوز البتة أن یقع من نبی اصلا معصیة بعمد لا صغیرة ولا کبیرة۔" (الفصل جلد:۴،ص:۲)

اورفرماتے ہیں:

وھذا القول الذي ندین اللہ تعالی بہ ولا یحل لاحد ان یدین بسواہ۔ (ایضا)

آگے چل کر عصمت انبیا پر قرآن وسنت سے براہین قاہرہ پیش کرنے کے بعد بحث کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

"فصح أنه عليه السلام لم يعص قط بكبيرة ولا بصغيرة لا قبل النبوة ولا بعدها ولا هم قط لمعصية صغرت او كبرت لا قبل النبوة ولا بعدها۔" الخ (الفصل فی الملل والاہواء والنحل، ج: ۴، ص: ۳۱)

مولانا داؤد صاحب نے لوازم کی تقسیم کا سہارا لیا اور اپنے ایک خط میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مودودی صاحب عصمت کو لازم تو مانتے ہیں لیکن لوازم صفات میں سے نہ کہ لوازم ذات میں سے، اس لیے کہ لوازم ذات تو ذات سے کسی ظرف میں منفک نہیں ہو سکتے، تو عصمت دونوں صورتوں میں یکساں طور پر ثابت ہوگی۔ مولانا کی یہ تاویل بوجوہ فاسد ہے:

اول: اس لیے کہ عصمت کو منطقی معنی میں لوازم ذات میں سے کسی نے نہیں مانا تو نفی تحصیل حاصل ہے۔

دوم: تفہیمات کی اس عبارت کا سیاق ہے کہ "اوریا کی بیوی کے متعلق حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب باتیں بعض اہل علم اس لیے صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ عقیدہ عصمت کے منافی ہیں"۔

مودودی صاحب ان اہل علم کی رائے کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان حضرات نے شاید غور نہیں کیا کہ عصمت دراصل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لوازم ذات میں سے نہیں"۔ الخ

مذکورہ اہل علم پر مودودی صاحب کا یہ رد تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ لوازم ذات کو عام لیا جائے یعنی وہ لوازم جو کسی کے ذات اور شخص کے ساتھ ہمیشہ کے لئے لگے ہوں چاہے باقتضائے ذات ہوں یا باقتضائے غیر۔ ورنہ اہل علم مذکورین کہہ سکتے ہیں کہ عصمت اگر لوازم وجود میں سے ہے۔ تب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب باتوں کے منافی ہے تو لوازم ذات میں نہ ہونے کا ہماری رائے پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کما لا یخفی

سوم: عصمت کے لوازم صفات میں سے ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ بتوسط صفات، صفات کی طرح ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ واسطہ فی الثبوت صفت نبوت ہی ہو سکتی ہے، جیسا کہ مودودی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے: ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا۔'' (تفہیمات)

اور واسطہ فی الثبوت بکلا قسمیہ کی صورت میں ذوالواسطہ موصوف بالوصف حقیقتاً ہوا کرتا ہے۔ بنابریں متصف بالعصمۃ نبی کی ذات سمجھی جائے گی، نبوت علت اتصاف ہے اور نبی کے ساتھ نبوت کے لزوم میں تو کلام نہیں اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ معلول کا اپنی علت سے تخلف محال ہے۔ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ عصمت نبی کی ذات کے ساتھ لازم ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوازم صفات کے ہوں، یعنی صفات کے ساتھ قائم ہوں۔ اس صورت میں ایک تو قیام العرض بالعرض کا استحالہ لازم آتا ہے۔ دوسرا اس صفت مثلاً نبوت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ ذات کے ساتھ 'لازم غیر منفک' ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کفی بہ کفرا صریحا و بواحا اور اگر اثبات میں ہے تو ''لازم اللازم لازم'' کے کلیہ کے مطابق عصمت بھی ذات کے لوازم میں سے ہو گئی۔

لوازم صفات کا ایک تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے جو کہ انتہائی مستبعد ہے مگر علمی اصطلاحات سے بے خبر ان بزرجمہروں سے مستبعد نہیں کہ یہی ان کی مراد ہو۔ وہ یہ کہ یہ لوازم تخلیقی و طبعی نہیں ہیں، بلکہ عطائی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ذاتیات نہیں عرضیات ہیں، جیسا کہ مودودی صاحب کی پچھلی عبارت میں ''اللہ نے۔۔۔۔ محفوظ فرمایا ہے'' اور اگلی عبارت ''ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہو جائے'' کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور مولانا داؤد صاحب نے اپنے خط میں صراحتاً لکھا کہ ''عصمت عطائی چیز ہوتی ہے، نہ تخلیقی و طبعی۔'' تو عصمت کے لوازم ذات یعنی ذاتیات میں سے ہونا تو مسلم ہے لیکن

File Adress

ذاتیات پر لوازم کا اطلاق تحریف فی الاصطلاح ہے۔ لازم قسم ہی عرض کی ہے، اس صورت میں عموم القسم من المقسم کے فساد کا لزوم بین ہے۔ نیز عصمت کا عطائی ہونا تو اس کے لزوم کے ساتھ منافی نہیں، حتی کہ مودودی صاحب کا اہل علم مذکورین پر رد صحیح ہو جائے۔ علاوہ ازیں جب آپ کا گروہ حفاظت خداوندی کے بالفعل اٹھ جانے کی بات کرتا ہے اور چھوٹے میاں لکھتے ہیں کہ ''عصمت عطائی چیز ہوتی ہے نہ کہ تخلیقی وطبعی تو پھر عصمت منفک کیوں نہیں ہوسکتی، کیا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عصمت نبی کی ذات کے ساتھ لازم علی الدوام رہتی ہے''۔

تو باوجود انفکاک اور ارتفاع کے لزوم کہاں رہا؟ لوازم صفات قرار دینے کے بعد پھر اس کے اٹھ جانے کی بات اور منفک ہوجانے پر اصرار ایک طرف اگر لزوم کے معنی سے جاہل ہونے کی دلیل ہے، تو دوسری طرف تضاد بیانی کا ایک شاہکار نمونہ بھی ہے۔ خدا کے بندے سباحت کا فن سیکھے بغیر سمندر میں کھودنے کا نتیجہ ہلاکت ہی ہوتا ہے۔ ان کو کس حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ علمی مباحث میں حصہ لو اور اس سے بھی بڑھ کر منطقیانہ اور فلسفیانہ زبان میں بات کرو۔

خلق اللہ للحروب رجالا
ورجالا للقصعة والثرید
چودربستہ باشد چہ داند کسے
کہ جوہر فروش است یا پیلہ ور

کاش مرشد سعدیؒ کی وصیت ہی قبول کرتے۔

چہارم: تفہیمات کی اس عبارت کا سیاق بھی بتلا رہا ہے کہ مودودی صاحب عصمت کو لازم ہی نہیں مانتے اس لئے اگلی عبارت میں انہوں نے عصمت کے لوازم ذات میں سے نہ ہونے پر تفریع کی ہے کہ 'ان کی مزعومہ حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ہر نبی سے کبھی کبھی یہ حفاظت اٹھالی گئی ہے'۔ یہ تفریع تب ہی صحیح ہوسکتی ہے کہ لوازم سے مطلق لوازم مراد لیے

File Adress:

جائیں اور ذات بمعنی شخص ہو، نہ بمعنی ماہیت وطبیعت، ورنہ اگر عصمت لازم وجود ہو تو تب بھی اس کے ارتفاع اور انفکاک کا امکان کہاں؟

پنجم: اس لیے کہ 'تفہیمات' منطق اور فلسفہ کے نصاب کی کتاب نہیں بلکہ عامۃ الناس کے افادہ کے لئے اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ 'اردو محاورات' میں ذات کا لفظ شاذ و نادر ہی شاید کہیں ماہیت اور طبیعت کے معنی میں استعمال ہو۔ عموماً یہ لفظ شخص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہ میرا ذاتی کام ہے۔ یہ آپ کا ذاتی مکان ہے۔ یہ میری ذاتی چیزیں ہے۔ ان کی ذات کو نشانہ بنایا۔ ان کی ذات سے مجھے کد نہیں وغیر ذالک سینکڑوں محاورے اس کے شہود عدل ہیں اور کبھی ذات نسل ونسب کا معنی بھی دیتا ہے۔ مودودی صاحب نے اس عبارت میں یہ لفظ یقینا عام محاورہ کے مطابق شخص کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ نہ کہ ماہیت کے معنی میں، جیسا کہ مودودی صاحب کے کلام کے سیاق وسباق سے ہم نے پہلے یہ بات واضح کردی ہے۔

ششم: آپ نے اپنی تاویل کے لئے جو دلیل دی ہے کہ ''عصمت اگر ان کی ذات کے لئے مانی جائے تو ضروری امر ہے کہ عصمت دونوں حالتوں میں یکساں طور پر بالاتفاق ثابت ہو''۔ یہ دلیل ہی بودی اور فاسد ہے۔ محققین اہل حق جو عصمت کو قبل از نبوت وبعد از نبوت یکساں طور پر ثابت مانتے ہیں وہ اگر عصمت کو آپ کے فہم کے مطابق ذات کے لئے لازم مان لیتے ہیں تو ان پر آپ کے الزام کا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ آپ کی یہ دلیل تو صرف ان حضرات کے خلاف ایک حد تک کارگر ثابت ہو سکتی ہے، جو عصمت کو وصف نبوت کا خاصہ لازمہ سمجھتے ہیں، نہ کہ ان حضرات کے خلاف جو نبوت کی طرح عصمت بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواص لازمہ میں سے شمار کرتے ہیں۔

بزعم خویش اپنی منطق دانی اور درحقیقت اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جب تک آپ یہ متعین نہ کرلیں کہ 'لزوم بین بمعنی الاخص' ہے تو 'مشروط عامہ' کیسے بنے گا؟'' سبحان اللہ! مشروط عامہ کے وجود کو لزوم کے بین بمعنی الاخص ہونے کے ساتھ مشروط

File Adress:

کرنے کی تحقیق انیق کی خبر پا کر ابن سینا سے لے کر مولانا فضل امامؒ تک مناطقہ کی ارواح کا کیا حال ہوا ہوگا، کیونکہ ان حضرات نے مشروط عامہ کے تحقق کے لئے ضرورت وصفی کو کافی قرار دیا ہے۔ چاہے فی زمان الوصف ہو یا بشرط الوصف یا لاجل الوصف ہو، ان کے نزدیک تو مشروط میں لزوم کا بین ہونا بھی ضروری نہیں، چہ جائیکہ بمعنی الاخص ہو۔

آگے چل کر مولوی داؤد صاحب اپنے خط میں اپنے امام (مولانا مودودی) کا واضح تضاد پر مشتمل نظریہ بڑے فخر وطمطراق کے ساتھ نقل کرتے ہوئے عقل ودانش کا منہ چڑا کر لکھتے ہیں کہ

> ''انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدائش سے لیکر مرتے دم تک کبائر وصغائر، لغزشوں اور مکروہات سے محفوظ ومصئون ہیں لیکن یہ صیانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی ہے۔ ہاں! اس کی حکمت کا تقاضا ہو تو کوئی فعل سرزد ہونے دیتا ہے۔''

جاننے والے جانتے ہیں کہ از روئے مفہوم ومدلول مودودی صاحب اور مولانا کے اس کلام کا پہلا جز سلب کلی پر مشتمل ہے اور آخر حصہ میں ایجاب جزئی کا ذکر ہے، اجتماع نقیضین کا یہ اعجوبہ دیکھئے کتنی ڈھٹائی کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے پھر عطائی ہونے کے ساتھ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ سلب بھی ہو جائے۔

لوازم کی بحث کے خاتمہ میں ہم جناب مولانا داؤد سے استفسار کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالفعل ان کے لوازم ذات میں سے ہے، یا لوازم صفات میں سے۔ اگر لوازم ذات میں سے ہے تو بقول آپ کے قبل از نبوت بھی ان کو نبی ماننا پڑے گا، وھل ھذا الا القول بالمتنافیین لا یمکن ان یتفوہ بہ عاقل۔ اگر لوازم ذات میں سے نہیں لوازم صفات میں سے ہے اور عطائی چیز ہے، نہ کہ تخلیقی وطبعی تو آپ ہی کے الفاظ میں عصمت کی طرح نبوت بھی منفک کیوں نہیں ہوسکتی۔ فماھو جوابکم فھو جوابنا بل جوابنا اسھل وایسر عندمن رزق الفھم للخیر والھم للرشد والحمدللہ

سورۃ اسراء کی آیت کریمہ وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا [الاسراء:۷۴] کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت انفکاک (العصمۃ عن الانبیاء) پر واضح دلالت کرتی ہے، صدق اللہ العظیم۔''

سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت مقام عصمت اور وحی کی عظمت وطہارت کو اجاگر کرنے کی کتنی بڑی اور واضح دلیل ہے، اس کا اندازہ اہل ایمان اس آیت کے ایک ایک لفظ سے لگا سکتے ہیں، مگر بد باطن قسم کے لوگوں کے زیغ میں یہ اضافہ کا سامان بن گئی ہے، یہ آیت کتنی قوت اور شدت کے ساتھ عصمت اور اس کے لزوم وعدم انفکاک پر دال ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں:

اولاً: اہل ایمان حضرات غور فرمائیں کہ آیت کریمہ کی ابتداء ''لولا'' سے ہوئی ہے جو بالاتفاق دال ہوتا ہے، امتناع جزاء پر شرط کے وجود کی وجہ سے جس سے ثابت ہوا کہ جزاء یعنی رکون الیھم ممتنع ہے۔

ثانیاً: ''لو'' کا استعمال ہوتا ہے فرض ممتنع کے لئے جس سے ظاہر ہوا کہ عدم تثبیت اور انفکاک عصمت وانتفاء توفیق ناممکن اور ممتنع ہے، تو تثبیت اور عصمت واجب ہے، اس لئے کہ کسی چیز کے عدم کا امتناع جانب وجود کے وجوب اور ضرورت کو مستلزم ہوتا ہے۔

ثالثاً: ثبیتا باب تفعیل سے ہے جس کا ایک خاصہ تکثیر ہے اور مصدر کو بصورت فعل ذکر فرما چکے ہیں تو معلوم ہوا کہ تثبیت تجددی نہ بھی ہو تو فی الجملہ ثبات طبعی پھر بھی رہے گا۔

رابعاً: ''قد'' کا اضافہ فرمایا ہے، جو کبھی مفید تحقیق ہوتا ہے، اور کبھی مفید تقلیل۔

خامساً: پھر ''کدت'' فرمایا جو بجائے مباشرۃ بالفعل کے قرب اور دنو خبر کے لئے وضع ہے، اور پھر

سادساً: ''ترکن'' ''رکون'' کے مادہ سے خبر لے آئے جس کا معنی کچھ میل اور جھکاؤ ہے پورا نہیں اور مزید

File Adress:

سابعاً: مبالغہ فی التقلیل کے لئے ''شیا'' کا ذکر فرمایا اور

ثامناً: وہ بھی منکر برائے تحقیر اور تقلیل اور

تاسعاً: پھر اسے قلیلا [redacted] کے ساتھ تاکید مزید کے طور پر موصوف بنایا اور پھر

عاشراً: اس اقل قلیل 'رکون' کی تعبیر کے لئے حق یہ ہے کہ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں، یہ قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب بلاغت ہے کہ اس نے 'رکون' کے اس جزء لایتجزی کی تعبیر پیش کی۔ اس درجہ کا 'رکون' عامۃ الناس کے حق میں اصغر الصغائر کا درجہ بھی نہیں رکھتا، مگر سبحان اللہ! ساحت نبوت کی طہارت، ردائے رسالت کی نظافت، پیغمبرانہ کردار کے شفاف آئینہ کی صفائی اور نزاکت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ یہ نظر نہ آنے والا چھینٹا اور ذرا سا لطیف سا دھند بھی ناقابل برداشت ہے اور ارتکاب کی صورت میں صرف وعید ہی نہیں شدید ترین تہدید سنائی جارہی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ

اور اس پر مستزاد گیارہویں وجہ دلالت یقینی طور پر وعید مذکور فی الآیۃ کے وقوع کا محال ہونا ہے، اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنت اور انعام کا غیر مشروط وعدہ ہے اور اس کی خبر بھی دی گئی ہے اور خلف فی الوعد عند اہل سنت قاطبۃً محال عقلی ہے، جیسا کہ کذب فی خبرہ تعالیٰ ممتنع ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ وعید تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے۔

اور بارہویں تاکید اس پوری مضمون کو قسم محذوف کے ساتھ مقرون کر کے ذکر فرمایا ہے، جس پر ''لقد کان'' کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔ راسخ الایمان حضرات کے بعد اب ہم اپنے کلام کا رخ ذرا دوسرے طائفہ کی طرف موڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت 'انفکاک' پر دال ہے تو انفکاک کے بعد اس پر مرتب جزاء یعنی 'رکون الیہم' ضرور واقع ہوگا۔ ورنہ عیاذاً باللہ یہ شرطیہ کاذب ثابت ہوجائے گا اور اس جزاء کے وقوع کی صورت میں سزائے مذکور کا وجود میں آنا ضروری ہے، ورنہ کذب فی الخبر وخلف فی القول لازم آئے گا۔ تعالی اللہ عما یقولون ویفترون علوا کبیرا کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا، اور

سزائے مذکور کے وقوع کا دعویٰ بدترین کافر بھی نہیں کرسکتا۔ فتبالکم انی تصرفون"

رہا یہ کہنا کہ اگر عصمت انبیاء کے لیے لازم ہے تو پھر "عصی آدم ربہ فغوی" کی کیا توجیہ کریں گے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ 'عصی' کا لفظ یہاں 'زلۃ' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام ابوالبرکات نسفیؒ 'کشف الاسرار شرح المنار' (ج:۲،ص:۹۳) پر تحریر فرماتے ہیں:

قد تسمی الزلۃ معصیۃ مجازا۔

علامہ خفاجیؒ نے تفسیر بیضاوی پر اپنے حواشی (ج:۶،ص:۲۳۲) میں تصریح کی ہے:

"قد یطلق کل منہما علی الآخر"

اور 'زلۃ کی 'عصیان' کے لفظ کے ساتھ تعبیر کی حکمت قاضی بیضاوی اپنی تفسیر (ج:۶، ص:۲۳۲ بہامش الخفاجی) پر اور خطیب المفسرین علامہ ابوالسعود الحنفی اپنی تفسیر (ج:۷، ص:۶۲ علی ہامش الکبیر) پر یہ بیان فرماتے ہیں:

واللفظ لابی السعود "وفي وصفه عليه السلام بالعصيان والغواية مع صغر زلة تعظيم لها وزجر بليغ لاولاده عن امثالها" الخ

شیخ اسماعیل حقیؒ اپنی تفسیر روح البیان (ج:۵،ص:۴۳۸) پر رقمطراز ہیں:

"فاطلاق اسم المعصية على الزلة مجاز لان الانبياء عليهم السلام معصومون من الكبائر والصغائر لامن الزلات عندنا" الخ

عمدۃ المفسرین علامہ آلوسیؒ روح المعانی (ج:۵،ص:۳۱۲،طبع بولاق) میں تحریر فرماتے ہیں:

"والاحوط نظرا الی مقام آدم علیہ السلام ان یقال ان صدورہا ما ذکر منہ کان قبل النبوۃ وکان سہوا او عن تاویل الا انہ عظم الامر علیہ وعظم لدیہ نظرا الی علو شانہ ومزید فضل اللہ تعالی علیہ واحسانہ قد شاع حسنات الابرار سیئات المقربین۔" الخ

File Adress

اور اسی توجیہ کی تائید میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حق جل مجدہ کے ساتھ مکالمہ نقل فرمانے کے بعد مزید درافشانی کرتے ہیں:

"وعلی الزلات لا ینبغي لاحد ان ینسب الیه العصیان الیوم وان یخبر بذالک الا ان یکون تالیا لما تضمن ذالک اورواياله عن رسول الله واما ان یکون مبتدا من قبل نفسه فلا۔"

مذکورہ بالا عبارت میں علامہ موصوفؒ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے فعل کو قبل از نبوت قرار دیا ہے، وہ بھی سہواً یا تاویلاً جو زلۃ ہی کہلاتا ہے، یا خطائی الاجتہاد اور "عصیٰ" کی تعبیر کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے علوشان پر دلیل بنایا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے آہ و بکا کو اللہ تعالیٰ کے مزید فضل و احسان کے حصول کا سبب ٹھہرایا ہے۔

مفسرین کی مندرجہ عبارات سے جو مشت نمونہ از خروار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ 'عصیٰ' سے مراد 'زلۃ' ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء اصول، اصول فقہ کی کتابوں میں انبیاء علیہم السلام سے زلات کی صدور کی بحث میں اس آیت کو ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور حنفی محقق اور امام فخر الاسلام بزدویؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب کے (ص: ۲۶۷) پر زلات کے ضمن میں یہ آیت لائے ہیں اور ان کے عظیم شارح راس المحققین علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والعصیان ترک الامر وارتکاب المنهی الا انه کان عمدا کان ذنبا وان کان خطائ کان زلة"۔

اور مزید تائید کے امام شمس الائمہ سرخسیؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

"والمعصیة عن الاطلاق انما یتناول مایقصده المباشر بعینه وان کان قد اطلق الشرع ذالک علی الزلة مجازا۔"

اور 'زلۃ' کے لفظ میں بھی چونکہ ایک احتمال ایسا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر ایمان کے

ڈاکو اہل ایمان کے ایمان پر ڈاکہ ڈال سکتے تھے۔اس لئے آگے امام المسلمین اما ابوالحسن الاشعریؒ کا قول نقل کیا ہے:

"ولیس معنی الزلة أنهم زلوا عن الحق الی الباطل وعن الطاعة الی المعصیة ولکن معناها الزلل عن الافضل الی الفاضل ومن الاصوب الی الصواب۔وکانوا یعاتبون لجلال قدرهم ومنزلتهم ومکانتهم من اللہ۔" (کشف الاسرار، ج:۳،ص:۳۰۰)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ سمرقند نے احتیاطاً وتادباً انبیا کے افعال پر 'زلة' کے لفظ کا اطلاق بھی مناسب نہیں سمجھا، چنانچہ فقیہ شہیر اور مفسر کبیر امام ابوالبرکات نسفیؒ اپنی تفسیر مدارک التنزیل (ج:۱،ص:۶۶ علی ہامش الخازن) میں فازلهما الشیطان کے تحت فرماتے ہیں:

"وهذا دلیل علی انه یجوز اسم الزلة علی الانبیاء فانه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد وقال مشائخ سمرقند رحمہم اللہ لایطلق اسم الزلة علی افعالهم کما لاتطلق المعصیة وانما یقال فعلوا الفاضل وترکوا الافضل فعوتبوا علیه۔"

اور علامہ عبدالرحمن المحلاوی الحنفیؒ نے اپنی مشہور کتاب 'تسہیل الوصول' (ص:۱۳۹) 'جو بعض مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے' میں لکھا ہے:

"التحقیق أن الانبیاء معصومون لا یصدر عنهم ذنب لا کبیرة ولا صغیرة لا عمدا ولا سهوا قبل النبوة وبعدها وما ورد من ذالک یحمل علی أنهم فعلوه بتاویل أو علی ترک الاولی۔والشارع اطلق اسم المعصیة علی الزلة مجاز فی قوله تعالی :وعصی آدم ربه ،ولیس المعنی أنهم زالوا عن الحق بل زالوا عن الافضل الی الفاضل ویعاتبون به لجلالة قدرهم۔" الخ

امام نسفیؒ شرح المنار (ج:۲،ص:۹۳) پر زلة کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أو من الله تعالى كما قال في آدم عليه السلام: وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ: والمراد هنا الزلة لانه لم يقصد العصيان۔"

امام نسفیؒ اور دوسرے اکابر نے نفی قصد کا ذکر کر کے یہ بتلانا چاہا ہے کہ معصیت کا حقیقی معنی یہاں متعذر ہے۔ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عین منہی عنہ کا قصد وارادہ نہیں کیا تھا، ورنہ عصیان بن جاتا، جو بالاجماع انبیا سے مرفوع اور مسلوب ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم کی تعبیر 'فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ' اس کی تفسیر کے واضح شواہد ہیں، نیز اسی رکوع کے ابتدا میں 'فنسی ولم نجد له عزما' کا ارشاد قوی ترین اور بین قرینہ ہے۔ 'فنسی' پر اکتفا نہیں فرمایا، نہ فقط 'ولم نجد له عزما' پر اقتصار فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ 'نسی' کا بمعنی 'ترک' لینے کا احتمال تھا اور 'عزم' سے ثبات اور صبر کے معنی کی طرف اوہام کے جانے کا راستہ کھلا تھا۔ اب بلاتکلف 'نسیان' سے 'ضد ذکر' ہی معنی متبادر ہے اور 'عزم' سے قصد مخالفت وارادہ عصیان کا معنی۔ تو اس شبہ کا کوئی وزن نہیں رہا کہ آیت اندرین صورت تکرار لازم آتا ہے۔ خصوصاً جب نسیان اور عزم کا مفعول الگ الگ لیا جائے اور نہ یہ کوئی وزنی اعتراض ہے کہ نسیان کی صورت میں اتنا شدید مواخذہ کیوں ہوا۔ اس لیے کہ نسیان پر مواخذہ کا نہ ہونا اس امت کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ "كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا" [بقرة:٢٨٦] کا مفاد ہے اور "رفع عن امتي الخطاء والنسيان" کا مدلول ہے۔ پھر اس امت کے لئے بھی خطا کی صورت میں فی الجملہ مواخذہ موجود ہے: كالكفارة في قتل الخطاء وللبسط مقام آخر۔

علامہ نفسی کی طرح علامہ عبدالعزیز بخاریؒ نے بھی غایۃ التحقیق شرح الحسامی میں (ص:١٩٨) اور علامہ یعقوب بنبانیؒ نے اپنی شرح حسامی (ص:٣٧٢) میں زلۃ کی قسم ثانی 'جس کے زلۃ ہونے کا بیان حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوا ہو' کے لئے 'فعصى آدم ربه' ہی کو بطور مثال ذکر فرمایا ہے۔

ائمہ تفسیر واصول فقہ کے علاوہ ائمہ کلام واصول دین نے بھی 'عصى آدم' پر وارد ہونے

والے زائغین کے شبہ کے جوابات کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانیؒ شرح مقاصد (جلد: ۲، ص: ۱۹۵) پر لکھتے ہیں:

"أو كان زلة سهوا حيث ظن ان المنهي شجرة بعينها وقد قرب فردا آخر من جنسها۔"

صاحب النبراس علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اپنی کتاب کے (ص: ۴۵۴) پر اسی آیت کو بنیاد بنا کر بعض زائغین کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں:

"ان الحق سبحانه وتعالىٰ سمى ترک الافضل منهم معصية لعلو شانهم وعظم رتبتهم ولا يجوز هذه التسمية من غيره لان الملک اذا عاتب وزيره بخطاب خشن لم يجز لسوقي ان يخاطبه بذالک الاسم۔"

اور علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"وهكذا فعل آدم عليه السلام فانه انما اكل من الشجر التي نهاه الله تعالى عنها ناسيا بنص القرآن ومتاولا وقاصدا الى الخير لانه قد رانه يزداد حظوة عند الله تعالىٰ فيكون ملكا مقربا او خالدا فيما هو فيه ابدا۔" الخ (الفصل، ج: ۴، ص: ۴)

علماء سلف وخلف کی ان تصریحات کے بعد 'عصیان' کو حقیقی معنی میں وہی شخص لے سکتا ہے جو مگسی فطرت رکھتا ہو، نظافت اور طہارت کے بجائے غلاظت اور نجاست کا دل دادہ ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ترک افضل جو قیاس واجتہاد سے کام لینے کے بجائے حق جل مجدہ کی طرف رجوع کرنا تھا کہ متعین شجر مراد ہے یا جنس۔ منع قربان سے ہے یا اکل وذوق سے۔ نہی حتمی ہے یا تنزیہ اور اشفاق کے طور پر ہے۔ موقت ہے یا تابیدی ہے۔ اور اختیار فاضل پر (جو قوت اجتہاد کو بروئے کار لانا ہے، جو غیر نبی کے لئے بصورت خطا بھی موجب اجر اور طاعت ہے) عصیان اور غوایۃ کا اطلاق ہوا ہے۔

لسان العرب (ص: ۱۹، ص: ۲۹۸) میں 'عصی' کے مادہ کے استعمال کے جو مواقع

بتلائے گئے ہیں۔اس کے مطابق امر برائے ندب اور نہی برائے تنزیہ کے خلاف پر ''عصیان'' کا اطلاق لغۃً ممکن ہے:

''یقال اشرت علیه فی امر کذا فعصانی و امرته لیشرب الدواء فعصانی''

اور اس کا ایک واضح اور بین قرینہ یہ ہے کہ 'وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ' اور 'فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا' اور 'اَلَمْ اَنْهَكُمَا' کا خطاب حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام دونوں کو تھا، جو فعل سرزد ہوا اس میں بھی دونوں شریک رہے جیسا کہ 'فَاَزَلَّهُمَا، فَاَكَلَا مِنْهَا، فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ، فَدَلّٰهُمَا' کے الفاظ شہادت دے رہے ہیں، بلکہ بعض آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام نے سبقت کی تھی اور پھر اس فعل کے نتائج بھی دونوں کے حق میں یکساں رہے۔جیسا کہ 'فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'۔ 'بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا' اور 'فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ' اور 'قُلْنَا اهْبِطُوْا' کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔اور دونوں نے اپنے فعل کو مساوی طور پر اپنے آپ پر ظلم اور سہواً ہی سہی حد سے تجاوز سمجھا اور رحمت حق کے دامن میں پناہ نہ ملنے کی صورت میں مستحق خسران تصور فرمایا جیسا کہ 'رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا' کے دعائیہ کلمات سے ظاہر ہوتا ہے۔ان تمام حقائق اور امور کے باجود اس آیت میں صرف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان اور غوایۃ کی نسبت علی الخصوص کرنے کی اس کے علاوہ اور کون سی توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ فعل ترک افضل اور خلاف اولیٰ کے درجے میں تھا، جو نبی مقرب کے بلند و بالا مقام اور واقعی و رفیع شان کے پیش نظر حسنات الابرار سیئات المقربین کے اصول پر عصیان اور غوایت کی سخت تعبیر کا از روئے بلاغت تو مستحق ہوسکتا ہے مگر غیر نبی (حضرت حوا) کے اس فعل کو عصیان اور غوایت فرمانا نہ تو واقع کے مطابق ہوتا اور نہ حکمت و بلاغت کا تقاضا تھا اور یہاں دوسری توجیہ کہ 'زوجہ چونکہ زوج کی تابع ہوتی ہے یا تیسری توجیہ یہ کہ 'حرم کے ذکر میں عتاب میں زیادہ شدت پیدا ہوجاتی ہے'، نا قابل توجہ ہے اس لئے کہ جب دوسری تعبیرات میں اس کی تابعیت اور ''يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا'' میں حرم کی عزت و توقیر کا لحاظ نہیں رکھا گیا، تو اس

نسبت میں پھر کیا خصوصیت ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ مجوبین کی بہ نسبت یہ لفظ استعمال ہوا ہے، ورنہ واقفین اسرار کے نزدیک یہ فعل نعت ہی نعت تھا۔ اس کی مزید تشریح اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ عام اذہان اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ جسے شوق ہو 'الفتوحات المکیۃ'، 'الیواقیت والجواہر' اور 'الابریز' جیسی عارفانہ اسفار کی طرف رجوع کرے۔

فقیر کے نزدیک اس شبہ کا سب سے بہتر جواب وہی ہے کہ خود سیدنا آدم علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بوقت مکالمہ عند الحق جل مجدہ دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مذکور ہے۔ یہ وہ جواب ہے جس پر حق جل شانہ نے کسی قسم کے نکیر کا اظہار نہیں فرمایا۔ گویا تقریراً مہر تصدیق ثبت فرمائی اور کائنات کے سب سے بڑے حقائق شناس اور معلم خیر وبرکت وحکمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تین مرتبہ مکرر تصویب فرمادی تو اس کے جواب باصواب ہونے میں کس کا کلام ہوسکتا ہے۔ احادیث نبویہ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے فیصلہ کن اور قاطع شغب جواب بھی یہی ہوسکتا ہے اور ہمارے اکابر صوفیا کے کلمات اس بارے میں اسی جواب کے بازگشت کا حکم رکھتے ہیں، الحاصل! ہمارے اعتقاد کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو عصمت معاصی سے حاصل ہے اور "فعصی" کا مصداق بتصریح اہل علم معصیت نہیں، حتی کہ عصمت کے ساتھ منافی ہو اور رفع عصمت کو مستلزم ہوجائے، جیسا کہ مودودی صاحب کو خبط ہوا۔ اس بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کے اضعافاً مضاعفۃً لکھنے کی مزید گنجائش ہے مگر وقت کی تنگ دامنی کی وجہ سے مزید خامہ فرسائی کی فرصت نہیں، ویسے بھی ارباب فہم وانصاف کے لئے ایک سطر بھی کافی ہوتی ہے جب کہ اصحاب جور واعتساف کے لئے دفتر کے دفتر بے سود ثابت ہوتے ہیں۔

مولانا نے اپنے خط میں عصمت کا معنی بین القوسین "نگرانی" لکھا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نگرانی اور حفاظت میں فرق کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے۔ جبکہ محاورات میں ہر ایک کا

استعمال دوسرے کی جگہ ہو رہا ہے، کم از کم فیروز اللغات ہی کو اٹھا کر دیکھئے کہ نگرانی کی تفسیر حفاظت سے اور حفاظت کی نگرانی سے کر چکے ہیں جبکہ عصمت کی تفسیر پارسائی اور پرہیز گاری سے کی ہے، اور برتقدیر فرق یہ حق آپ کو کس نے دیا کہ عصمت کا معنی نگرانی بتلائیں اور حفاظت اس سے اخص قرار دیں، جبکہ یہ دونوں لفظ عربی زبان کے ہیں اور تمام معتمد علیہ ثقہ اہل لغت عصمت کا اصل معنی ''منعۃ'' یعنی دفاع اور بچاؤ بتلاتے ہیں اور منجملہ اس کے معانی کے لزوق اور لزوب بھی ہے، جو تقریباً لزوم کا معنی دیتا ہے، اور غالبا یہی وجہ ہے کہ ''حفاظت'' جس کا معنی حراست و نگرانی ہے' کی بجائے امت نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے 'عصمت' کا لفظ اختیار کیا، اس لئے کہ حراست اور نگرانی کی صورت میں اس بات کا توہم ہوسکتا ہے کہ نبی مائل بہ معصیت ہو جاتا ہے، مگر نگرانی ایسا کرنے نہیں دیتی، بخلاف بچاؤ اور دفاع کے لفظ کے کہ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ نبی تو اپنی پاکیزہ سرشت اور فطرت کی وجہ سے مائل بہ معصیت نہیں ہو رہا لیکن باہر سے معصیت حملہ آور ہو کر اگر ان کے قریب آنے کی کوشش کرتی ہے، تو لطف خداوندی اس معصیت کو اپنے محبوب و مقرب کے قریب نہیں آنے دیتی بلکہ اس کو دھکیل کر دور پھینک دیتی ہے، سورۃ یوسف میں كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَهٗ عَنِ السُّوْٓءَ کے بجائے لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ کی تعبیر اختیار فرمانے میں اس طرف لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، جسے فخر ملت فخر رازیؒ نے محسوس کیا اور اس پر تنبیہ فرمائی۔ مزید یہ کہ یہ لفظ ساتھ ساتھ لزوم پر لغۃً دال ہے، بخلاف حفاظت کے۔ لغات القرآن پر اپنی لاثانی اور شہرہ آفاق تالیف 'المفردات' کی وجہ سے عالمی شہرت یافتہ، ثقہ اور معتمد علیہ امام لغت علامہ راغبؒ فرماتے ہیں:

عصمة الله الانبياء حفظة اياهم بما خصتم به من صفاء الجوهر ثم بما اولاهم من الفضائل الجسيمة النفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقداهم ثم بانزال السكينة عليهم وبحفظ قلوبهم والتوفيق۔ (تاج العروس، ج:۸، ص:۳۹۹)

File Adress:

اور علامہ منادیؒ وغیرہ نے عصمت کی تفسیر ملکة اجتناب المعاصی مع التمکن منھا سے جو کی ہے تو وہ مجمل ہے، اور علامہ اصفہانیؒ کی تفسیر مفصل ہے، اجمال وتفصیل کے علاوہ کوئی بنیادی اور جوہری فرق دونوں میں نہیں بہرحال ازروئے لغت بھی مولانا کی بات کا بطلان آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہے اور علمائے دین کی اصطلاح کے بارے بھی مولانا کا فرق ممکن نہیں اس لیے کہ محفوظ کا اطلاق غیر انبیاء پر بلانکیر ہوتا ہے، جب کہ عصمت کا اطلاق غیر انبیاء پر نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت نے ائمہ اثنا عشریہ پر معصوم کا اطلاق کرنے سے انکار کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے لغزشیں بارادہ خداوند تعالیٰ ہوئی ہے، نہ کہ مشیت خدواندی سے، اور پھر اپنے جہل مرکب کی بنا پر مجھے مخاطب کررہے ہو کہ ارادہ خداوندی اور مشیت خداوندی میں فرق تو آپ کو بخوبی معلوم ہوگا۔ قلم چاہتا ہے کہ دین اور علم کی اس غربت اور مظلومیت پر ماتم ہی کرتا رہے، قرآن حکیم کی تقریباً ڈھائی سو نصوص میں مصرح صفت مشیت کو یہ لوگ کس طرح تختۂ مشق ستم بنا رہے ہیں۔ قرآن حکیم کی نصوص محکمہ صریحہ ہیں:

وَمَاتَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ [الدھر: ۳۰]

وَمَاتَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ☐۔ [التکویر: ۲۹]

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ط وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ [الانعام: ۳۹]

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ [الزمر: ۲۳]

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔ [القصص: ۶۸]

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ۔ [الحج: ۱۸]

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ [الحج: ۱۴]

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ ☐ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ☐۔ [آل عمران: ۲۶]

File Adress:

بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ [النساء:۴۹]

مَا زَکّٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ [الانعام:۱۱۱]

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا۔ [الانعام:۱۰۷]

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْا۔ [ ]

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا۔ [الکہف:۲۳]

اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ شہادت قرآن مجید ہی نے نقل فرمادی:

وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا۔ [الاعراف:۸۹]

قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۔ [ابراھیم:۱۱]

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا۔ [الکہف:۶۹]

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ [الصافات:۱۰۲]

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ [القصص:۲۷]

کہاں تک لکھتا جاؤں۔ یہ آیات قرآنیہ، حجج فرقانیہ، براہین قطعیہ، پوری صراحت کے ساتھ ثابت کررہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی مشیت کے بغیر راہیابی یا گمراہی، لغزش ہونا یا لغزش سے بچنا وغیرہ اعمال وافعال تو درکنار کسی فعل کا ارادہ ومشیت بھی ممکن نہیں۔ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لغزشوں کے صدور کو مشیت خداوندی کے بغیر کہنا، کیا ان نصوص صریحہ کی تکذیب کے مترادف نہیں۔ تو اس کفر بواح وصراح کا ارتکاب بقائمی ہوش وحواس کوئی مسلمان کرسکتا ہے؟ رہی مشیت الٰہی اور ارادہ الٰہی میں فرق کی بات۔ تو اس امت مسلمہ میں کرامیہ کے علاوہ کوئی نہیں کرتا اور کرامیہ بھی یہ فرق کرتے ہیں کہ مشیت کو ازلی اور ارادہ کو صفت حادثہ مانتے ہیں، جو آپ کے مدعا سے کوسوں دور ہے، صرف مخلوق کے ارادہ ومشیت میں فقہا نے فرق کیا

ہے کہ ارادہ میں تراخی ممکن ہے اور مشیت میں نہیں جس پر طلاق کے کچھ مسائل متفرع ہیں ۔خالق جل وعلی کی مشیت وارادہ کو وہ بھی ایک مانتے ہیں اس سلسلے میں ائمہ کلام وفقہ کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

والارادة والمشية وهما عبارتان عن صفة في الحي توجب الخ (شرح عقائد نسفی ص:۱۱۳)

یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ ارادہ ومشیت ایک ہی صف کے دو نام ہیں اس لئے علامہ نسفیؒ نیچے لکھتے ہیں:

وهما مترادفان۔

اور علامہ احمد جندیؒ شرح عقائد کی شرح (ص ۱۱۷) میں لکھتے ہیں:

لافرق بين المشية والارادة الا عند الكرامية۔

اور خود علامہ تفتازانیؒ شرح مقاصد (جلد:۲،ص:۹۶) پر لکھتے ہیں:

ولا فرق بين المشية والارادة الا عند الكرامية۔

اور علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ نبراس کے (ص:۲۱۰) پر تحریر فرماتے ہیں :

لفظان مترادفان لغة واصطلاحا عند الجمهور وزعمت الكرامية ان الارادة صفة حادثة والمشية صفة قديمة۔

محقق شہیر علامہ علی القاریؒ کا شرح فقہ اکبر (ص:۲۲) پر ارشاد ہے:

وهي (ايالارادة) والمشية واحدة عندنا في حق الله تعالى اما في جانب العباد فيفترقان۔

علامہ زبیدیؒ کی تاج العروس (ج:۱،ص:۸۳) پر یہ تحقیق ہے:

قال الجوهري رحمه الله المشية الارادة ومثله في المصباح والمحكم واكثر المتكلمين لم يفرقوا بينهما۔

امام راغب اصفہانی المفردات (ص: ۲۷۳) پر رقمطراز ہیں:

المشية عند اكثر المتكلمين كالارادة سواء وعند بعضهم ان المشية في الاصل ايجاد الشئ واصابته فمن الله الايجاد ومن الناس الاصابة وفي العرف تستعمل موضع الارادة باختصار ما۔

امام بخاری نے کتاب التوحید میں یہ ترجمہ لکھا: باب المشية والارادة اور اس باب میں تقریباً ۱۶ راحادیث نبویہ اور چار آیات قرآنیہ لائے، اسی باب کے شرح میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر حضرت امام شافعیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

المشية ارادة الله وقد علم الله خلقه ان المشية له دونهم الخ (فتح الباری، ج: ۱۳، ص: ۳۸۴)

صحیح بخاری کے ایک اور مالکی المذہب شارح علامہ ابن بطالؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

غرض البخاري اثبات المشية والارادة وهما بمعنى واحد الخ (فتح الباری، ج: ۱۳، ص: ۳۷۵)

اور خاتمۃ المحققین کمال الدین ابن الہمام فتح القدیر شرح الہدایہ (ج: ۳، ص: ۴۲۴) پر لکھتے ہیں:

المشية والارادة في صفة العباد مختلفان وفي صفة الله تعالى مترادفان۔

علامہ اکمل الدین بابرتی کا عنایہ شرح الہدایہ (ج: ۳، ص: ۴۳۳ علی ہامش فتح القدیر) پر ارشاد ہے:

فان قيل ذهب علمائنا في اصل الدين الى ان الارادة والمشية واحدة فما هذه التفرقة؟ فالجواب انه يجوز ان يكون بينهما تفرقة بالنسبة الى العباد والتسوية بالنسبة الى الله تعالى لان ماشاء الله كائن لامحالة وكذا مايريده بخلاف العباد۔

اور علامہ جلال الدین کرمانی اپنی شرح کفایہ بذیل فتح القدیر

File Adress:

(ج:۳،ص:۴۳۳) پر یوں درافشاں ہیں:

فان قیل الیس الارادۃ والمشیئۃ شیئان عند اھل السنۃ۔قلنا:جاز أن یکون بینھما تفرقۃ نظراً الینا وتسویۃ نظراً الی ربنا۔

ہم اس بحث کا خاتمہ شہر آفاق محدث وفقیہ ومتکلم امام طحاوی کی عبارت پر کرتے ہیں:

وکل شئی یجری بتقدیرہ ومشیئتہ تنفذ لا مشیۃ العباد الا ماشاء لھم، فما شاء لھم کان ومالم یشالم یکن۔

امام طحاویؒ کے ان ایمان افروز کلمات کی شرح میں متعدد آیات کریمہ کے نقل کرنے کے بعد ان کے شارح لکھتے ہیں:

الی غیر ذالک من الادلۃ علی انہ ما شاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن وکیف یکون فی ملکہ مالا یشاء ومن اضل سبیلا واکفر ممن یزعم ان اللہ شاء الایمان من الکافر والکافر شاء الکفر فغلبت مشیۃ الکافر مشیۃ اللہ تعالی عما یقولون علوا کبیرا۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ،ص:۹۱)

اہل خبر واصحاب نظر جانتے ہیں کہ شارح کی اس عبارت میں 'الایمان' اور 'الکفر' اور 'الکافر' کا ذکر تمثیلاً ہے۔ برائے احتراز نہیں۔''

عدالت صحابہ کے مسئلہ میں بھی مولانا مودودی صاحب جادۂ حق پر قائم نہ رہ سکے، انہوں نے خلافت وملوکیت میں جو کچھ لکھا وہ عدالت صحابہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ عدالت کی تعریف تو آپ ابو یوسفؒ (شرح النقایہ، ج:۲،ص:۲۶۰) امام غزالیؒ (المستصفی، ج:۱،ص:۱۰۷) علامہ ابن حاجبؒ (مختصر الاصول، ج:۲،ص:۶۳) محدث الشرق خطیب بغدادیؒ (الکفایہ فی علوم الروایۃ،ص:۷۸، ۸۲) محقق ابن صلاحؒ وسید الحفاظ زین عراقیؒ (التقیید والایضاح شرح المقدمۃ لابن الصلاح،ص:۱۳۶) شیخ الحنفیہ ابن الملک (شرح المنار، ص:۲۱۴) امام نوویؒ وعلامہ سیوطیؒ (التقریب مع شرح

File Adress:

التدریب، ج:۱،ص:۳۰۰) عمدۃ المحققین سید شریف جرجانی (التعریفات ،ص:۹۸) امام صدر الشریعہؒ (التوضیح، ص:۴۸۳) علامہ تفتازانی (التلویح، ص:۴۷۳) علامہ قاضی عضد (شرح المختصر ج:۲،ص:۶۳) راس المحققین فاضل بہاریؒ و بحر العلومؒ (مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت، ج:۲،ص:۱۵۵) علامہ مرتضی زبیدی (رحمۃ اللہ علیہ تاج العروس ج:۸،ص:۹) علامہ امیر صنعانیؒ (توضیح افکار، ج:۲،ص:۱۱۸) اور مولوی یعقوب (شرح الحسامی، ج:۱،ص:۲۹۳) اور اس طرح کے دیگر سینکڑوں ائمہ دین اور اکابر امت کی زبانی خود ہی سنئے، ان تمام اکابر کی عبارات وتعبیرات میں یہ قدر مشترک ہے کہ عدالت فسق کی ضد ہے اور اس کے تحقق کے لئے اجتناب عن الکبائر وعدم اصرار علی الصغائر شرط ہے۔

خدارا! اگر انصاف کی رتی بھی دل میں رکھتے ہوں تو بتائیں کہ خلافت وملوکیت وغیرہ تالیفات میں حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر جس انداز میں کیا گیا ہے، یہ وہی ذکر خیر ہے جس کی تلقین امام الائمہ فقیہ الامۃ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کی: ولا نذکر احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بخیر (شرح فقہ الاکبر:۸۵)

آخر میں ایک جلیل القدر فقیہ، محدث، متکلم امام اعنی ابا جعفر طحاویؒ کی عبارت پر سلسلہ تحریر ختم کر دیتا ہوں شاید دیدہ عبرت وا ہو اور راہ ہدایت کھل جائے اور

اتر جائے تیرے دل میں میری بات

امام موصوف اپنی مایہ صد ناز تالیف العقیدہ الطحاویہ میں رقمطراز ہیں:

ونحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منھم ولا نتبرأ من احد منھم ونبغض من یبغضھم وبغیر الخیر یذکرھم ولا نذکرھم الا بخیر، وحبھم دین وایمان واحسان۔ وبغضھم کفر ونفاق وطغیان۔ (شرح العقیدہ الطحاویہ:۴۶۶)

مزید ارشاد فرمایا:

ومن حسن القول فی اصحاب رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم وازواجہ الطاھرات من کل دنس وذریاتہ المقدسین من کل رجس فقد بری من النفاق۔ (العقیدۃ الطحاویہ مع شرحہا:۴۹۱)

آگے چل کر حکمت وایمان سے بھرپور گوہر افشانی ہوتی ہے:

وعلماء السلف من السابقین ومن بعدھم من التابعین اھل الخیر والاثر واھل الفقہ والنظر لا یذکرون الا بالجمیل ومن ذکرھم بسوء فھو علی غیر السبیل۔ (ایضا ص:۴۹۲)

اس آخری عبارت کے بعد شارح لکھتے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا [النساء:۱۱۵]

''یہ حقیقت حال بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ فقیر کی تحریر میں نرمی یا گرمی اور لہجہ میں رقت یا شدت کا مدار مخاطب کے رویہ پر ہوتا ہے، جب تک مخاطب انصاف ودیانت کا دامن تھامے رہتا ہے، ہم اسے نرم لب ولہجہ اور ادب واحترام کا مستحق سمجھتے ہیں اور جوں جوں وہ تمرد اور تعنت، تعصب اور تعسف کا راستہ اختیار کرتا جاتا ہے تو ہمارے انداز تخاطب میں فطری طور پر تبدیلی آتی رہی ہے۔

صفحنا عن بني ذهل
وقلنا القوم اخوان
فلما صرح الشر
وامسى وهو عريان
فلم يبق سوى العدوا

File Adress:

ن دناهم کما دانوا

شرفا کا یہی تاریخی کردار رہا ہے اور اس قسم کے معاندین کے بارے میں واغلظ علیھم کی قرآنی تلقین موجود ہے، نیز جب دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص دیدہ ودانستہ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذوات قدسیہ اور نفوس ذکیہ کی درپے آزار ہے، تو بغض فی اللہ، حمیت دینی اور غیرت ایمانی کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے شخص کو کسی قسم کی رورعایت کا مستحق نہ سمجھا جائے۔

مذہبی بحث کو عصری سیاسیات سے بالکل بالاتر رکھیں۔ مولانا صاحب کے نام ہمارے خطوط اس کے شاہد عدل ہیں۔ ہم نے ان سے انتخابات کے موقع پر بھی مطالبہ کیا تھا اور آج بھی ان سے، آپ سے اور پوری جماعت سے ہماری یہ دردمندانہ گزارش ہے کہ آپ حضرات مودودی صاحب کی غلطیوں کو (جو صرف لغزشیں نہیں بلکہ دین کے بعض بنیادی عقائد سے انحراف کے مترادف ہیں) کو غلطیاں تسلیم کرلیں، خلافت وملوکیت جیسی رافضیانہ فکر پھیلانی والی کتاب کی اشاعت روک دیں اور دوسری کتابوں سے جمہور اہل سنت اور اہل حق کے نزدیک قابل گرفت عبارتیں نکال دیں، اپنے دستور سے وہ خطرناک الفاظ نکال دیں جس سے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کی گنجائش پیدا ہوتی ہے اور ان کے معیار حق نہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی اتباع کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ تو کم از کم ہم جیسے سیاسیات اور وقت کے ہنگاموں سے گوشہ نشین رہنے والے لوگوں کو آپ سے کوئی شکایت نہیں رہے گی اور نہ ہماری مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا، آخر اس منصفانہ گزارش کو قبول کرنے سے مانع عصبیت جاہلیہ اور شخصیت پرستی کے علاوہ اور کون سی بات بن سکتی ہے۔ ہمیں اپنے معزز دوست مولانا فضل الرحمان صاحب کی بہت سی پالیسیوں سے اختلاف ہے اور یہ اختلاف ہم نے کبھی چھپایا بھی نہیں، اس طرح دیگر سیاسی جماعتوں کے بہت سے سیاسی فیصلے ہمارے نزدیک غلط ہیں جن میں جماعت اسلامی بھی شامل ہے، جیسا کہ ابن الوقت ارباب اقتدار سے ہمیں اختلاف

File Adress

ہے لیکن ان اختلافات کی بنا پر کبھی بھی ہم نے کسی کو گمراہ کہا ہے، نہ مذہبی لحاظ سے اپنی جماعت سے خارج کیا۔ خود جماعت اسلامی سے وابستہ چند افراد ہمارے علم میں ہیں کہ انہوں نے مودودی صاحب کے غلط نظریات کی نہ صرف یہ کہ مدافعت کبھی نہیں کی بلکہ اپنی براءت کا اظہار کرتے رہے اور مودودی صاحب کی کتابوں سے اب آئندہ ایڈیشنوں میں کافی قابل اعتراض مواد نکال کر دبی زبان سے گویا علماء حق کے مؤقف کی صداقت اور صحت کا اعتراف کیا جانے لگا ہے۔

(۳۰)

ماہنامہ تجلی (دیوبند) کے ایک مضمون پر تنقیدی نظر

کچھ دن پہلے ماہنامہ تجلی دیوبند میں ایک مضمون بعنوان ''دستور جماعت اسلامی'' نظر سے گزرا، چونکہ صاحب مضمون مولانا معین الدین صاحب جیسی شخصیت ہیں جو اپنی جماعت میں ممتاز علمی حیثیت کے مالک ہیں، اس لیے اُسے غور سے پڑھا۔ یہ مضمون اُنہوں نے ایک سائل کے سوال کے جواب میں لکھا ہے، سائل نے اپنے سوال میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت'' سے وہ عبارت لکھی ہے جس میں حضرتؒ نے دستور کی دفعہ ۶ پر علمی انداز میں اصولی گرفت فرمائی ہے اور عصمت انبیاء کے متعلق مودودی صاحب کے نظریہ کو رد کیا ہے۔ مولانا موصوف نے اصل سوال کا جواب دینے سے پہلے نہ معلوم کس مصلحت کے پیش نظر چند ''گزارشات'' سائل کے سامنے پیش کی ہیں اور پھر جواب دینے کی کوشش کی ہے، ہم اولاً مولانا کی پیش کردہ گزارشات

کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں بعد میں ان کے جواب کا مختصر طور پر جائزہ لیں گے، مولانا کی گزارشات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) مودودی صاحب کے خلاف لکھی ہوئی کتب اور مسائل تو مخالفین مطالعہ کرتے ہیں اور مودودی صاحب کی تصنیفات نہیں دیکھتے کہ ان پر حقیقت حال واضح ہو سکے۔

(۲) مودودی صاحب کے خلاف فتوی لکھنے والے حضرات فتوی نویسی میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، سیاق وسباق سے بے نیاز ہو کر بلا تحقیق کفر وضلال کا فتوی دینا ان کا معمول ہے اور اس ضمن میں آپ نے چند مثالیں پیش کی ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتوی قابل اعتناء نہیں۔

(۳) مودودی صاحب پر علماء دیوبند کی طرف سے جو تنقید کی جارہی ہے وہ ایک انتقامی ردعمل ہے جس کا باعث ان حضرات کا اپنے اکابر کے ساتھ نرالا تصور عقیدت ہے حتی کہ اکابر دیوبند کی حیثیت ان کے نزدیک امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ سے بڑھ کر ہے۔

(۴) یہ کیا بات ہے کہ جماعت کا دستور ۱۹۴۱ء میں چھپا، اس وقت سے لے کر ۱۹۵۵ء تک یہ حضرات خاموش رہے، ۱۹۵۵ء سے انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

(۵) مولانا مدنیؒ نے اعتراض کرنے سے پہلے ان عبارات کی تشریح صاحب عبارات سے کیوں طلب نہیں کی؟ نیز مولانا مدنیؒ کے طرز تحریر کو ناپسندیدہ اور نامناسب بتایا ہے۔

مولانا معین الدین کی مذکورہ بالا گزارشات میرے خیال میں محض جذباتی رنگ کی ہیں، حقیقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ پہلی گزارش میں مولانا مودودی کے مخالفین پر علی الاطلاق پر جو الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ ان کی کتب دیکھے بغیر محض ان پر تنقیدی تحریروں کو پڑھتے ہیں، ذاتی طور پر میں یقین دلاتا ہوں کہ ان ساری عبارات کو جن پر ہمارے اکابر نے گرفت فرمائی ہے، میں سیاق وسباق کے ساتھ مودودی صاحب کی تصانیف میں پڑھ چکا ہوں اور میرا یقین ہے کہ ہر وہ شخص جس کی چشم بصیرت پر اندھی عقیدت کی پٹی نہ ہو ان

عبارات کو پڑھ کر وہی نتائج اخذ کرے گا جو ہمارے اکابر نے بیان کئے ہیں۔

دوسری گزارش کے ضمن میں عائد کردہ الزام کے متعلق مولانا کی خدمت میں ہم صرف اس قدر عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ الزام اب فرسودہ ہو چکا ہے اس کو پہلی بار آپ نے پیش نہیں فرمایا ہے بلکہ آپ سے بہت پہلے اس الزام کو قائد قادیان اور اس کے اذناب اور مسٹر پرویز اور ان کے اتباع اور علامہ مشرقی اور ان کے حواری بار بار دہرا چکے ہیں، اب اس الزام کے ذریعہ آپ اہل حق کے فتوی کو بے اثر نہیں بنا سکیں گے، فرق مبتدعہ کا یہ مشترکہ حربہ اب خود بے اثر ہو چکا ہے۔

تیسری گزارش کے متعلق اگر معاف کیا جائے تو عرض کروں گا کہ یہ بھی تلبیس حق کی ایک نہایت رکیک کوشش ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے اپنے مکتوب میں صراحت سے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ مودودی صاحب کے ساتھ ہمارے اختلافات سیاسی بنیاد پر اتنے اہم نہیں بلکہ مذہبی بنیاد پر ہیں اور حضرتؒ کے اتباع نے بھی واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اس کے باوجود اگر ان سارے مذہبی اعتراضات کو ایک سیاسی اختلاف کا نتیجہ ٹھہرانا اور اسے انتقامی ردعمل کہہ کر رد کرنا اگر دجل وتلبیس نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے، اکابر دیوبند نے مودودی صاحب کے نظریات کی تردید کتاب وسنت کے واضح دلائل کی روشنی میں کی ہے، انتقام اور عقیدت کا پہلو ان میں کہیں بھی نظر نہیں آتا، اکابر دیوبند کے ساتھ عقیدت ومحبت ہمارا بے بہا اثاثہ ہے اور ہمیں اس پر فخر بھی ہے اور شکر بھی، ہم ان کے احترام کو نجات اخروی کا ایک ذریعہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود الحمدللہ ہماری عقیدت واحترام اعتدال کی حدود سے باہر نہیں، خدانخواستہ اگر ہمیں اپنے اکابر کا کوئی قول یا فعل شریعت حقہ کے خلاف معلوم ہو جائے تو ہم اس کے انکار میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے اور اگر ان میں سے کوئی انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ وائمہؒ کے خلاف لب کشائی کرتا تو ہم اس سے دستبرداری کا اعلان کرتے، اس کے برعکس آپ اپنے خود ساختہ امام کے ساتھ اپنی عقیدت واحترام کا جائزہ

File Adress

لیجئے، آپ کے واجب الاحترام امام نے بعض انبیاء کی عصمت کو مجروح کیا، صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کو نشانۂ تنقید بنایا، امت مسلمہ کے ائمہ دین اور مجددین کی ذوات پر ناروا حملہ کئے، مگر آپ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ الٹا ان کی حمایت اور تائید کی۔ ہم آپ سے اور جملہ اہل نظر سے اپیل کرتے ہیں کہ انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا ہم نے اکابر کی حیثیت امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ سے بڑھائی ہے یا آپ کے نزدیک مودودی صاحب کا مقام جامع القران سیدنا عثمانؓ ،امین امت سیدنا معاویہؓ وسیدنا عمروؓ ابن العاص وغیرہم ودیگر صحابہ اور ائمہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بلند و بالا ہے۔ مودودی صاحب کے باطل نظریات پر کتاب وسنت کی روشنی میں جب بحث کی جاتی ہے تو آپ کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی ہے اور ساری پروپیگنڈہ مشینری فریضۂ دفاع کیلئے حرکت میں آجاتی ہے۔ اور یہی مودودی صاحب جب انبیاء کی ذوات پر حملہ آور ہوتے ہیں، جھوٹی من گھڑت روایات کی بنا پر صحابہؓ کے نظریات اور پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں، ائمہ دین کے کارناموں کا مضحکہ اڑاتے ہیں، تو یہ وفاداری بشرط استواری کا مصداق بن کر آپ لوگ اس کی جارحیت کے پشت پناہ بنتے ہیں یا کم از کم آپ کی فصیح اور بلیغ زبانیں بند ہوجاتی ہیں اور آپ کی منقار زبان وقلم پر مہر سکوت ثبت ہوجاتی ہے۔

؎ دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

رہا آپ کا چوتھا الزام تو اولا وہ اس لئے مہمل ہے کہ اعتراض بہر حال اعتراض ہوتا ہے، چاہے ۴۱ء میں ہو یا ۵۵ء میں۔ ایک اعتراض کو صرف اس لئے بے وزن ٹھہرانا کہ وہ ۴۱ء کی بجائے ۵۵ء میں اٹھایا گیا ہے، آپ کی نرالی منطق ہے۔

؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ثانیا: ہمارے اکابر کا روز اول سے ہر مدعی اسلام کے متعلق حسن ظن کا رویہ رہا ہے، غلام احمد قادیانی، پرویز اور نیچری وغیرہ غلط افکار کے علمبرداروں کی تکفیر اور تضلیل میں انہوں نے جلد بازی نہیں کی، بعد میں جب ان کے نظریات ان کے سامنے پوری طرح عیاں ہوئے

File Adress

تو نہ صرف یہ کہ علمی دلائل سے ان کے دندان توڑ جوابات دیئے بلکہ عملی میدان میں نکل کر ان میں سب سے بڑے فتنہ قادیانیت کی بیخ اکھاڑ لی۔ مودودی صاحب کے متعلق بھی ان کا یہی تاریخی رویہ برقرار رہا، ایک وقت تک انہوں نے اس امید پر ڈھیل دی کہ شاید راہ راست پر آ جائیں مگر جب مایوس ہوئے تو ایک رہبر امت مجدد کی حیثیت سے امت کو اس فتنہ سے آگاہ کر دیا اور پوری ملت کی راہ نمائی کا حق ادا فرمایا۔

ثالثاً: شیخ الاسلام جیسی عظیم شخصیتوں کے ہاں اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ہر سیاہ شدہ بیاض کا مطالعہ کرتے رہتے۔

پانچویں سوالیہ گزارش کا جواب یہ ہے کہ مودودی صاحب کی عبارات اس درجہ کے دقیق علمی مضامین کے حامل ہی نہیں ہیں جس کو ایک صاحب نظر نہ سمجھے۔ شیخ الاسلام کا علمی مقام تو بہت ہی ارفع ہے، بحمد اللہ ہم جیسے مبتدی طفلان مکتب بھی ان کے فہم کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیا آپ کے نزدیک مودودی صاحب کے عبارات متشابہات کے قبیل سے ہیں جس کے متعلق بس یوں کہا جائے کہ "المودودی اعلم بمرادھا"۔

رہی حضرت مدنیؒ کے انداز گفتگو کے مناسب یا نامناسب ہونے کی بات تو اس کے متعلق ہم آپ کی توجہ قرآن حکیم کی آیات "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ، عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ۔" کی طرف مبذول کرانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ کے اعتراضات کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں کہ "ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ معیار حق کا لفظ اردو میں ذریعہ معرفت حق کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معیار کے معنی کسوٹی کے ہیں۔"

اس عبارت میں مولانا نے تضاد بیانی کا جو نمونہ پیش فرمایا ہے اس کی مثال کسی صاحب علم کے کلام میں بمشکل ملے گی، ابتدائی کلام میں جس چیز کا انکار ہے انتہاء میں اس کا

File Adress:

اقرار ہے صرف تعبیر کا اختلاف ہے، معیر ایک ہی ہے کیونکہ کسوٹی ذریعہ معرفت ہوتی ہے کسی چیز کے جید اور ردی ہونے اور کھرا اور کھوٹا کی پہچان کا آلہ ہوتی ہے، پس ذریعہ معرفت اور کسوٹی ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ عبرت کا مقام ہے کہ جماعتی تعصب کے جوش میں آکر جب ایک صاحب فضل اپنی عقیدت مآب کی حمایت میں کچھ کہتا یا لکھتا ہے، تو وہ کس طرح ایک ہی سطر میں تضاد بیانی کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''حق کی کسوٹی کا مطلب یہ ہے کہ مطاع مطلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں، صحابہ کرام ذریعہ ہدایت اور ذریعہ معرفت حق تو ضرور ہیں، لیکن مطاع مطلق نہیں۔''

اس عبارت میں معیار حق کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے، وہ ارباب فکر و نظر کے نزدیک کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ''معیار حق'' عربی لفظ ہے اور کسی بھی عربی لغت یا محاورہ کی رو سے معیار حق کا مذکور معنی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہ لفظ اردو اور فارسی میں بھی عام استعمال ہوتا ہے اور ہر شخص اس سے ذریعہ معرفت حق ہی کا معنی مراد لیتا ہے، آپ کے بغیر کسی نے اس لفظ کو آپ کے بیان کردہ معنی میں استعمال نہیں کیا اور آپ نے بھی یہاں اس معنی کا اختراع اس لئے کیا ہے کہ اپنے عالی مقام امام کو حضرت مدنیؒ کے ضرب کلیمی سے محفوظ رکھ سکیں۔ جہاں تک حقیقت اور واقعیت کا معاملہ ہے تو آپ اور آپ کے امیر صحابہ کرامؓ کو معیار حق بہ معنی ذریعہ حق تسلیم نہیں کرتے، اس لئے کہ آپ کے نزدیک جب صحابہ کرام قابل تنقید ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعض اقوال اور افعال خلاف حق ہیں جس کی وجہ سے ان پر تنقید روا رکھی گئی ہے اور یقیناً جو حق اور غیر حق کا مجموعہ ہو وہ معرفت حق کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اس طرح آپ کا عقیدہ ہے ''صحابہ کرام کی ذہنی غلامی جائز نہیں، اس کی بنیاد بھی صرف اس بات پر ہے کہ صحابہ کے جملہ اقوال و افعال حق نہ تھے، بلکہ برخلاف حق بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کے سارے افعال و اقوال حق تسلیم کئے جائیں تو پھر ان کی ذہنی غلامی میں قیامت کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ آپ کے عقیدہ کے مطابق ذریعۂ معرفت حق

File Adress:

نہیں بن سکتے۔اس طرح آپ کے امام واضح الفاظ میں بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خودغرضی، اقرباپروری، دغابازی، قومی عصبیت، دنیاطلبی وغیرہ سنگین الزامات عائد کر چکے ہیں اور برملا کہہ چکے ہیں کہ خلافت راشدہ کے فیصلے ہمارے لئے حجت اور سند نہیں اور صحابہ کرام کی پوری جماعت کی عدالت صرف ایک دائرہ یعنی روایت حدیث میں منحصر کر چکے ہیں تو اس کے باوجود ایک پاگل اور خودفریب خوردہ شخص کے علاوہ کون ہوگا جو آپ کی مذکورہ بات پر اعتبار کر سکے، رہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت علی الاطلاق واجب ہونے کے متعلق بحث، تو ہماری مندرجہ بالا معروضات کے بعد اس کا ذکر کرنا بے محل ہوگا، البتہ یہ وضاحت ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حدیث کا درجہ کتاب اللہ کے بعد ہے اور صحابہ کرام کی ہدایات کا رتبہ حدیث نبوی سے نیچے۔تو جس طرح حدیث کو کتاب اللہ کے ساتھ معارضہ کی صورت میں قبول نہیں کیا جاتا، اسی طرح اقوال صحابہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مقابلہ میں چھوڑا جائے گا۔لہٰذا کتاب اللہ کے ساتھ معارضہ کی صورت میں حدیث کا متروک ہونا اگر اس کی حجیت میں قادح نہیں تو کتاب وسنت کے مقابلہ میں قول صحابی کو چھوڑنے سے اس کی حجیت کس طرح ختم ہوسکتی ہے۔مراتب کا فرق ضرور ہے، مگر جہاں تک صحابہ کے نفس اقوال وافعال کی حیثیت کا تعلق ہے، وہ بلاشبہ ہمارے لئے حجت، ذریعۂ ہدایت اور واجب الاتباع ہیں، حقیقی اطاعت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے، کیونکہ حاکم علی الاطلاق وہی ہیں، ''ان الحکم الا اللہ'' اور انبیاء ودیگر پیشوایان دین کی اطاعت بالعرض کی جائے گی۔

مولانا ممدوح نے اپنی تائید کے لئے چند ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں اور سیدنا صدیق ؓ اور سیدنا فاروق ؓ کے واقعات کو تحریر فرمایا ہے، اس کا کافی جواب تو بس یہی ہے کہ جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور فیصلے تمہارے نزدیک حجت نہیں، تو ان کے اور ان کے مابعد ائمہ کے اقوال کا نقل کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا، مگر باجود اس کے ان اقوال کا مطلب ہرگز نہیں کہ اقوال صحابہ حجت نہیں، بلکہ ان کا صحیح مطلب یہ ہے کہ صحابہ کے جو اقوال کتاب

وسنت سے معارض ہوں گے، وہ قابل قبول نہیں، اگر چہ فی نفسہ وہ حجت ہیں اور بقول حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی یہی عمومی طور پر صحابہ اور اہل مذاہب اربعہ کا مسلک ہے، ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء ص: ۳۸، نیز جس کے دامن میں ذرہ برابر انصاف باقی ہو اور حقیقت بینی سے بالکلیہ محروم نہ ہو، وہ حضرت امام اعظمؒ کے قول "اماجاء نا من الصحابۃ اخترنا"، سے کبھی وہ نتیجہ نہیں نکالے گا جو آپ نے اخذ کیا ہے، بلکہ آپ کے عقیدہ کے برعکس حضرت امامؒ نے اپنے اس مختصر سے جملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق صحابہ کرام سے جو کچھ نقل ہوا ہو، ہمیں اس سے باہر جانے کی قطعی اجازت نہیں، ہاں اگر اُن کے اقوال مختلف ہوں تو ہمیں ان میں سے کسی ایک قول کو منتخب کرنے کا حق حاصل ہے۔

مولانا موصوف نے اپنے جواب کے ضمن میں حضرت شیخ مدنیؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ صحابہ اور ائمہ پر تنقید کی جاسکتی ہے مگر ان پر تنقید ان جیسے حاملین علم وتقویٰ کر سکتے ہیں، حضرت کی عبارت کے پہلے حصہ کو اپنا نظریہ قرار دے کر طنزیہ انداز میں بہت کچھ لے دے کی گئی ہے، جو اس قابل نہیں کہ اس کا جواب لکھا جائے اور عبارت کے آخری استثنائیہ جملہ کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا گیا ہے، کہ "یہ واقعات کی صحیح ترجمانی نہیں کیونکہ باوجود اس کے کہ مولانا مدنیؒ کو اعتراف ہے کہ وہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کے پایہ کے آدمی نہیں مگر پھر بھی درس حدیث کے وقت ان حضرات کے مذاہب پر تنقید کرتے ہیں، افسوس ہے کہ مولانا نے یہاں بھی دیانت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر خلط مبحث کر کے حق کو چھپانے کی مذموم کوشش کی ہے، کیا اتنی موٹی بات تمہارے ذہن میں نہیں آئی اور یہ واضح اور روشن حقیقت تمہاری نظر سے اوجھل ہوگئی ہے کہ تنقید ایک علیحدہ چیز ہے، ترجیح اس سے مختلف علیحدہ چیز۔ تنقید کے ذریعہ حق اور باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے، جبکہ ترجیح راجح ومرجوح کے درمیان کی جاتی

File Adress:

ہے۔ یقیناً آپ اس حقیقت سے بے خبر نہ ہوں گے کہ صحابہؓ وائمہ کے اختلافات حق اور باطل کے قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ صواب اور خطا کے قبیل سے ہیں کہ ان کے مقابل کو باطل ٹھہرایا جائے بلکہ ترجیحی ہیں کہ تحقیق اور دلائل کی روشنی میں ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا جائے گا۔ حضرت مدنیؒ دیگر محدثین یا ائمہ کے مذاہب کا ابطال نہیں کرتے بلکہ اپنے مذہب کو راجح ثابت کرتے رہتے ہیں، پس ان کی طرف یہ نسبت کہ وہ ائمہ کے مذاہب پر تنقید کرتے ہیں، ایک غلط اور بے بنیاد بہتان ہے جس کا منشا یا تو غلط فہمی ہے یا کج فہمی۔

آگے عصمت انبیاء کے متعلق حضرت مدنیؒ کے اعتراض سے حواس باختہ ہوکر اپنی تحریف فی الاصطلاح کی قدیم عادت کے موافق رقم طراز ہیں کہ ''مولانا مودودی نے عصمت عن المعاصی کے متعلق نہیں لکھا کہ وہ انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے وہ دائما معصوم ہیں، بلکہ وہ لغزشوں اور خطا اجتہادی سے عصمت اور حفاظت کو اُن کے لوازم ذات میں سے نہیں مانتے، ہم کہتے ہیں کہ مولانا کی یہ تاویل یا تحریف بھی محض فریب دہی پر مبنی ہے، آخر کون نہیں جانتا کہ عصمت ایک اصطلاحی لفظ ہے، جس کا اطلاق اہل علم کے نزدیک عصمت عن المعاصی پر ہی کیا جاتا ہے، ہم اپنی محدود معلومات کی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ عصمت کا اطلاق حفاظت عن الخطاء پر کسی صاحب علم نے آج تک نہیں کیا تو عصمت سے حفاظت عن الخطاء کا معنی لینا ہمارے نزدیک تحریف فی الاصطلاح ہے جو بجائے خود قابل گرفت ہے، خصوصاً جبکہ بغیر کسی قید کے انبیاء سے اس کی نفی کی گئی ہو کہ یہ ایک ملحدانہ عقیدہ کی موہم ہے اور تاویل مندرجہ بالا وجہ کے بغیر بھی کئی وجود سے ناقابل قبول ہے، اصلاً مودودی صاحب نے ابھی تک اپنے کلام کی وضاحت اس طرح نہیں کی، اگر ان کی مراد وہی ہوتی جو آپ نے ذکر کی ہے تو ان کا فرض تھا کہ اپنی پہلی فرصت میں یہ وضاحت کرتے۔

ثانیاً..... مودودی صاحب نے اپنی اس عبارت سے ان علماء کے نظریہ کو رد کردیا ہے کہ وہ عصمت کو انبیاء کی ذوات کے ساتھ دائما لازم مانتے ہیں اور آج تک کسی ایسے عالم کا نام

File Adress:

پیش نہیں جا سکتا جو عصمت عن الخطاء والزلۃ کو انبیاء کے ساتھ لازم ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، بلکہ جمہور کا عقیدہ ہے کہ انبیاء معاصی سے دائماً معصوم ہیں جن سے مودودی صاحب انکار کرکے شذوذ کی مرغوب راہ کو اپنے لئے منتخب کرتے ہیں۔

ثالثاً..... مودودی صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں بعض اولوالعزم انبیاء عظام علیہم السلام کی جانب صراحت کے ساتھ معاصی کی نسبت کی ہے، معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑے گناہ کا مرتکب، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابتداء میں اپنے رب کے متعلق متردد بلکہ مبتلائے شرک، حضرت یونس علیہ السلام کو فریضۂ رسالت میں کوتاہی کرنے کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ (ملاحظہ ہو رسائل ومسائل: حصہ اول، ص: ۳۱۔ تفہیم القران: ج:۱، ص: ۵۵۸۔ تفہیم القران: ج:۲، ص: ۳۱۲۔ ۳۱۳" ترتیب وار)

ان شواہد کے ہوتے ہوئے آپ نے جو عذر لنگ بیان کیا ہے، وہ مدعی ست گواہ چست ہی کا معاملہ نظر آتا ہے، مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر جب یقیناً معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کی عبارت میں عصمت سے عصمت عن المعاصی ہی مراد ہے، تو شیخ العرب والعجم حضرت سید مدنیؒ کا الزام کہ "اس صورت میں ہر حکم نبوی کے متعلق احتمال موجود ہوگا کہ کہیں وہ عصمت وحفاظت کے اُٹھ جانے کے زمانہ کا نہ ہو" بالکل حق اور برمحل ہے، کیونکہ اس صورت میں وحی الٰہی کے وحی الٰہی ہونے میں اشتباہ ہوگا، چہ جائیکہ اس سے حق کا تعین ہو سکے اور اس کے جواب میں جو ہاتھ پاؤں آپ نے مارے ہیں، وہ بے نتیجہ اور لاطائل تطویل کے سوا کچھ نہیں۔

احیاناً ارتفاع عصمت کے لئے مودودی صاحب نے جو خانہ زاد حکمت بیان کی ہے، حضرت مدنیؒ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "انبیاء کو خدا نہ سمجھنے کے لئے لوازم بشریت کافی ہیں، اس مقصد کے لئے ان سے لغزشیں ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس کے جواب میں مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ اعتراض بے محل ہے، کیونکہ لوازم بشریت کے باوجود معین الدین صاحب اجمیری اور سلطان باہو صاحب کے

مقبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے نہ روک سکے، حالانکہ ان میں صرف کمالات ولایت موجود تھے اور حضرات انبیاء میں تو کمالات ولایت کے ساتھ کمالات نبوت بھی موجود ہیں، لہٰذا ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے خطرات لوازم بشریت کے باوجود بطریق اولیٰ موجود ہوتے ہیں۔'' مولانا کا یہ جواب بھی اپنی مثال آپ ہے اور ارباب فکر کے استعجاب کے لئے کافی۔

مولانائے محترم! جماعتی تعصب اور اپنے امیر بے تدبیر کی عقیدت کے پردوں کو چشم انصاف سے ہٹا کر اور ہوش سنبھال کر اپنے جواب پر ایک نظر ڈالئے۔ حضرت مدنیؒ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص کی چشم بصیرت اندھی نہ ہو، نور فطرت بجھا نہ ہو، دل و دماغ مفلوج نہ ہوں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ کھوئی ہو، ان کے نزدیک لوازم بشریت کے ہوتے ہوئے انبیاء کے متعلق الوہیت کا تصور ہی محال ہے، اس کے لئے انبیاء کے خدا نہ ہونے پر بس یہی دلیل کافی ہے کہ وہ صفات بشریہ کے حامل ہیں، رہے وہ لوگ جن کی عقل و فہم سلب ہو چکے ہیں اور دل و دماغ پر مہر شقاوت اور ضلالت ثبت ہو چکی ہے، تو ان کے متعلق کلام نہیں، وہ تو ہزار دلائل کے باوجود اپنے باطل مزعومات پر اصرار کرتے رہیں گے۔ لوازم بشریت سے جب وہ عبرت حاصل نہ کر سکے تو چند لغزشوں کے صدور جیسی دلیل سے اُن کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے، وہ تو 'معین الدین اجمیری صاحبؒ تو بہت بڑے صاحب کمال ہیں' بے جان پتھروں، بے روح درختوں، بے عقل گائے، بے حس مورتیوں کو معبود و مسجود بنائے رکھتے ہیں، اگر چند لغزشوں کے صادر ہونے سے انبیاء کے متعلق عقیدہ الوہیت رکھنے کا خطرہ دور ہو سکتا تھا، تو اس حکیم و علیم ذات نے حضرت اجمیریؒ اور سلطان باہوؒ سے اسی حکمت کے موافق چند لغزشیں کیوں نہیں کرائیں؟ تاکہ اُن کے مقابرہ کو سجدہ گاہ نہ بنالیا جاتا، کیا جہال نے ان حضرات کے مقابر کو اس لیے سجدہ گاہ بنالیا ہے کہ ان میں کمالات ولایت موجود تھے اور لوازم بشریت کے باوجود چند لغزشیں اُن سے صادر نہیں ہوئیں؟ لات و منات، یعوث و یعوق اور کالی دیوی کو کیوں معبود بنایا گیا ہے، کیا اسی لئے کہ اُن سے چند لغزشیں صادر نہ ہوئی تھیں؟

File Adress:

آخر میں ہم ایک گذارش پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں، امید ہے کہ مودودی صاحب یا اُن کے حواری جواب عنایت فرمائیں گے، وہ یہ کہ مودودی صاحب نے ہر نبی سے چند لغزشیں صادر ہونے کا دعوی کیا ہے، ہم اُن سے خاتم انبیاء بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ آخر اُن سے کون سی لغزش صادر ہوئی تھی، حالانکہ ان کے متعلق الوہیت کے اعتقاد کے خطرات سب سے زیادہ ہیں۔

سیاسیات

(۳۱)

خلیجی جنگ اور عالم اسلام کے منفی رویے

خلیجی جنگ کا یہ تیسرا ہفتہ ہے، ملکی اور غیر ملکی پریس میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ در پردہ حقائق کچھ ظاہر ہوئے اور کچھ ظاہر ہونے والے ہیں۔ یہی مسئلہ آج پوری امت مسلمہ کی توجہ کا مرکز بن کر رہ گیا ہے۔ نوے/۹۰ فیصد سے زیادہ مسلم عوام امریکی بربریت کے خلاف مظلوم عراقیوں کے حق میں آواز اٹھا رہے ہیں لیکن بے بس ہیں، اس خونین ڈرامہ اور کویت کے آزادی کے پردہ میں ایک عظیم مسلمان ملک کی کفار ومنافقین کے ہاتھوں تباہی کا تماشہ کرتے ہوئے اپنا خون جگر پی رہے ہیں، جبکہ ان کے حکمران ملی مفادات کے بجائے امریکی مفادات کے تحفظ اور یہودی مقاصد کی تکمیل کے لئے دانستہ یا نا دانستہ کوشش کر رہے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کا یہ کردار زیادہ محل تعجب نہیں، اس لئے کہ اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری ہمیشہ مشروط رہی ہے، اس معاملہ میں بعض اہل علم کا رویہ بے حد

File Adress:

افسوسناک ہے۔ شاید تجاہل ''عالمانہ'' کا اس سے بڑھ کر نمونہ ماضی وحال کے اوراق میں مل سکے۔ مسلمانوں کی رہنمائی کا سب سے بڑا ماٰخذ قرآن حکیم انہیں درس دے رہا ہے کہ:

اہل ایمان والو! مومنوں کے مقابلہ میں کافروں کو اپنا یار ومددگار نہ بنائیں۔ (اٰل عمران)

اور فرماتا ہے:

ایماندارو! اپنے سوا دوسروں کو یعنی کافروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ، وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم جس قدر ہو تکلیف میں پھنسو، ان کی زبانوں سے تمہارے خلاف کینہ وبغض کا ظہار ہوا ہے اور ان کے دلوں میں جو دشمنی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ (ال عمران)

اور فرماتا ہے:

ایماندارو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست ومددگار نہ سمجھنا، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں، تم میں سے جو بھی ان کو دوست ومددگار بنائے گا تو وہ انہیں کے حکم میں ہے۔ (مائدہ)

اور تنبیہ فرمائی کہ:

جو بھی تم میں سے ان کو یار ومددگار بنائے گا تو وہی ظالم ہے۔ (توبہ)

اور فرمایا:

ایسی قوم کو دوست ومددگار نہ بناؤ جن پر خدا کا غضب ہے۔ (ممتحنہ)

اور سمجھایا کہ:

یہ منافقین کی صفت ہے کہ وہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست ومددگار بناتے ہیں جب کہ عزت وغلبہ کا پورا پورا اختیار صرف اللہ جل شأنہ کو حاصل ہے۔ (نسآء)

File Adress:

اور بتلایا کہ:

بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (نسآء)

قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ:

جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو دوست رکھتے ہیں (وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے) اور اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہے گی۔ (مائدہ)

اور تسلی دے رہا ہے:

ایماندارو! کمزور نہ بنو اور نہ گھبراؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر سچے مؤمن بنو گے۔ (ال عمران)

مزید اطمینان دلاتا ہے کہ:

اللہ جل شانہ کافروں کو مسلمانوں پر مسلط ہونے کا راستہ نہیں بنائے گا۔ (نسآء)

اور فرمایا:

صرف اپنے رب ہی کو بڑا سمجھ۔ (مدثر)

اور واضح کیا کہ:

اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنانے والوں کی مثال مکڑی جیسی ہے وہ اپنے لئے گھر بناتی ہے حالانکہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہے۔ (عنکبوت)

قرآن حکیم کے یہ اور ان جیسے درجنوں اور نصوص کو سامنے رکھیے اور پیش آمدہ قضیہ میں قرآن پاک پر ایمان رکھنے والوں کا کردار ملاحظہ کیجیے۔ مسلمان نے خدا کے دشمن ان کے دشمن نصاریٰ و یہود کو اپنا محافظ و معاون بنا رکھا ہے، بلکہ ان کے دامن میں پناہ لے رہا ہے، اپنی بے بسی کا واویلا کرتے ہوئے امریکی قیادت میں اپنی افواج تک دے چکا ہے۔ وقت کے سب سے بڑے طاغوت امریکہ کی ماتحتی بلکہ غلامی برضا و رغبت قبول کر لی ہے۔ امریکن چچا اور انگریز بہادر کی عظمت و کبریائی کے گن گا رہا ہے۔

File Adress:

قرآن حکیم کی ہدایات کے مطابق انسانیت کے سب سے بڑے معلم و رہبر جس سے بڑھ کر اہل ایمان کے لیے کوئی شفیق و مہربان مخلوق میں سے نہیں ہوسکتا۔ اپنی آخری تاکیدی وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اخرجوا الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب"۔

اور اسی نبی پر ایمان اور اس کے اتباع کا مدعی امتی ہزاروں میل کے مسافت سے یہودی و نصرانی کتوں کے گلے بلا بلا کر اس مقدس حجازی سرزمین میں نہ صرف داخل کر رہے ہیں بلکہ ان پلیدوں کو وہاں پر مسلط کر رہے ہیں، کیا یہ خون کے آنسو رونے کا مقام نہیں کہ مسلمان خود اپنی مرضی سے مسجد میں سوروں اور کتوں کو لا کر چھوڑے؟ بیت المقدس کو یہودی تسلط سے بچانے کے لئے خون کی نہریں بہہ گئیں اور بیت اللہ الحرام اور روضۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گولی چلائے بغیر اور خون تو کیا آنسو کا ایک قطرہ بہائے بغیر یہود و نصاریٰ کا تسلط میں چلے گئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لائن دی تھی:

"الا نستنصر باھل الشرک علی اھل الشرک"

ہم مشرکوں کے خلاف لڑنے میں مشرکوں سے امداد طلب نہیں کرتے۔

مگر آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محض کرسی اقتدار کے لیے لڑتے ہوئے اسلام اور مسلمان کے بدترین دشمن کفار سے امداد کی درخواستیں کر رہا ہے، بلکہ دشمن خدا کافر کی کمان میں لڑ رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین"

اور "ایاک نستعین" کا سب سے بلند آہنگی کے ساتھ نعرہ لگانے والا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑنے کے لئے کفر کی قیادت قبول کرنے پر مصر ہے۔

File Adress

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا:

"أنا بریٔ ممن قام مع مشرک"

مجھے ایسے شخص کے ساتھ واسطہ نہیں جو کافر کا ساتھی بن کر (دین اور اہل دین کے خلاف) اس کی ماتحتی میں لڑے۔

مگر آپ کے جوار میں رہنے والے تعصب وعناد کے خمار میں مخمور امتی اس تنبیہ کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتا۔ قرآن حکیم نے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو مردہ لاشیں قرار دیا آج کا بے حس و بے شعور مسلمان اسی کے پناہ میں اپنی زندگی کا اعتقاد رکھتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے برتر شخصیت صدیق اکبرؓ نے اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے انتہائی ضعف کی حالت میں اس وقت کفر کے مرکز میں ایک مشرک کی پناہ میں رہنے کو اپنی غیرتِ ایمانی کے خلاف سمجھ کر اعلانیہ انکار کیا، جبکہ پناہ دینے کی پیشکش مشرک نے ازخود کی تھی۔ مگر آج ان کا حمیت وغیرت سے پاک وارث کافروں سے پناہ دینے کی التجائیں کر رہا ہے۔ فاروقِ اعظم سیدنا عمرؓ کو یہ گوارا نہیں کہ آپؓ کے گورنر کا میر منشی ایک نصرانی ہو اور اپنے گورنر کو تنبیہ فرماتے ہیں:

"لاتعزوھم بعد ان اذلھم اللہ و لا تأمنوھم بعد ان خونھم اللہ و لا تصدقوھم بعد ان کذبھم اللہ"

جن لوگوں کو (یہود و نصاریٰ) اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے تم انہیں عزت نہ بخشو، جن کو خدا نے خائن قرار دیا تم انہیں امین مت سمجھو، جن کو خدا نے جھوٹا کہا ہے تم انہیں سچا مت جانو۔

مگر آج فاروقِ اعظم کے نام لیوا کو شرم نہیں آتی کہ وہ یہودی و نصرانی کو اپنی مملکت کی دفاع کی ذمہ داری سپرد کر رہا ہے اور اپنے مسلح افواج تک پر ان کو حاکم بناتا ہے۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کو امیر المؤمنین سیدنا حضرت علیؓ کے خلاف رومی حکمران اپنے امداد کی پیشکش کرتا ہے تو ایمان و اخلاص کے علمبردار معاویہؓ جواب دیتے ہیں:

File Adress

اور رومی کتے! یہ ہمارا اپنا داخلی معاملہ ہے۔ خدا کی قسم! اگر تو نے بری نگاہ سے حضرت علیؓ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تو میں ان کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے تیرے خلاف لڑوں گا"۔

مگر آہ صد آہ! آج کا نام نہاد مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی سرکوبی کے لئے اسی روم کے کتوں کو بڑی لجاجت کے ساتھ اپنی مدد کے لیے بلا رہا ہے۔

آٹھویں صدی کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ ایک مکان ایک مسلمان اور ذمی کے درمیان مشترک ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس مکان کو ایسا بنائیں کہ جو پڑوس میں ایک اور مسلمان کے مکان سے اونچا ہو، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ علامہ موصوفؒ نے جو جواب دیا اس کا ایک حصہ سنیے اور سر دھنیے، فرمایا:

"فی ذلک علو للکافر علی المسلم وذالک لا یجوز واذا علیا البناء وجب هدمه"۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۳۰/۱۳)

یعنی ایسا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ ایک کافر کے مسلمان پر بلند ہونے کو مستلزم ہے اور اگر انہوں نے اس مکان کو اونچا بنا دیا تو اس کا ڈھانا واجب ہے۔

یہ وہی فتاوی ہے جس کو فہد نے شائع کیا اور دنیا میں تقسیم کرایا۔ آگے شیخ الاسلامؒ ایک کلیہ بیان فرماتے ہیں:

"لا یجوز لمسلم ان یجعل جاه المسلم ذریعة لرفع الکافر علی مسلم"

کسی مسلمان حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کی خاطر ایک کافر کو ایک مسلمان پر فوقیت دے اور مسلمان کی عزت کو مسلمان پر کافر کی بڑائی کا ذریعہ بنائے۔

اور فرمایا:

" ومن شارک الکافر او استخدمه او راد بجاه الاسلام ان یرفعوا علی المسلمین فقد بخس الاسلام واستحق ان یهان" (ایضاً)

File Adress

جوشخص کافر کو اپنا شریک یا خادم اس طرح بنالے کہ اس سے مسلمانوں کو نیچا دکھائے یا اپنے اسلام کی جاہ وعزت کو اس مقصد کے لئے استعمال کرے تو اس نے بے شک اسلام کا حق ضائع کیا اور ایسا خائن اس کا مستحق ہے کہ اسے سزا دے کر ذلیل کیا جائے۔

یہی شیخ الاسلامؒ ایک اور فتوی کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"وقد امر الله المسلمين ان يقاتلوا اعدائه الكفار ويوالوا عباده المؤمنين فيجب على المسلمين من جند الشام ومصر واليمن والمغرب جميعهم ان يكون متعاونين على قتال الكفار"۔

اللہ تعالی کا مسلمانوں کو تاکیدی حکم ہے کہ اس کے دشمنوں کفار سے لڑیں اور اس کے مؤمن بندوں کے ساتھ دوستی رکھیں اور تعاون کریں پس تمام مسلمانوں پر خصوصاً شامی، مصری یمنی، مراکشی افواج پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے معاون بن کر کفار کے ساتھ لڑیں۔

"وليس بعضهم ان يقاتلوا بعضا بمجرد الرياسة والاهواء" (فتاوی ابن تیمیہ ۵۵۱/۲۸)

ان کے لئے جائز نہیں کہ ایک دوسرے کے خلاف محض اپنی ریاست اور خواہشات کے لئے لڑ پڑیں۔

مزید فرماتے ہیں:

"وليعلم ان المؤمن تجب موالاته وان ظلمك واعتدى عليك والكافر تجب معاداته وان اعطاك واحسن اليك" (فتاوی ۹۰۲/۲۸)

مؤمن کے ساتھ تعاون وموالات واجب ہے، اگر چہ وہ آپ پر ظلم کرے، زیادتی کرے، اور کافر کے ساتھ دشمنی واجب ہے، اگر چہ وہ تجھے مال ودولت وغیرہ دیتا ہو اور آپ کے ساتھ احسان کر رہا ہو۔

شیخ الاسلامؒ جو صرف علوم دینیہ کے بحر ذخار ہی نہیں بلکہ سیف وسنان کے میدان کے

شہسوار بھی ہیں عالم اسلام کو ایک انتہائی قیمتی نصیحت فرماتے ہیں:

"والمسلمون فی مشارق الارض ومغاربها قلوبهم واحدة موالية لله ولرسوله ولعباده المؤمنين معادية لاعداء الله ولرسوله واعدائه عباده المؤمنين وقلوبهم الصادقة وادعيتهم الصالحة هی العسكر الذی لايغلب والجند الذی لايخذل فانهم هم الطائفة المنصورة الی يوم القيامة كما اخبر رسول الله ﷺ" (فتاوی ۲۸/۴۴۴)

مشرق ومغرب کے مسلمانوں کے قلوب ایک ساتھ پھڑکتے ہیں وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالی کے ایماندار بندوں کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے ہیں۔ اہل اسلام کے پاس ان کے سچائی سے بھرپور قلوب اور نیک دعائیں وہ لشکر ہے جسے شکست نہیں دی جاسکتی اور وہ فوج ہے جسے ناکام نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ مسلمان ہی وہ گروہ ہیں جنہیں خدائی تائید حاصل ہے۔ قیامت تک جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی۔

کیا حجاز، شام، تیونس، مراکش کی صحراؤں میں ملائیشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش وغیرہ کی جزیروں میں، پاکستان، افغانستان کے کوہساروں میں کوئی رجل رشید ہے جو شیخ الاسلامؒ کی صدا بگوشِ دل سنے۔

قرآن مجید کے نصوص، احادیث نبویہ، خلفاء راشدین اور سلف صالحین کے فیصلوں، اور محقق اہل علم کے فتاوی کی روشنی میں موجودہ خلیجی جنگ کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر اور شرعی حکم کا تعین روزِ روشن کی طرح واضح ہے مگر افسوس ہے کہ اس بدیہی مسئلہ کے بارے میں کچھ فقیہانِ حرم ضعیف اور مؤول روایات کا سہارا لے کر اور مذاہب مختلفہ کی کتابوں کے بعض مبہم عبارات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سعی نامشکور کر رہے ہیں۔ مجھے ان حلقوں کی اس جسارت پر کہ قطعی حرام فعل کو ایک اسلامی فریضہ جہاد کا نام دے رہے ہیں نہ صرف شدید

تأسف ہے بلکہ انتہائی تعجب ہے۔ ہمارا پورے وثوق کے ساتھ دعویٰ ہے کہ امت کے کسی فقیہ نے کفار کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف مسلمان کے لڑنے کو جائز نہیں کہا بلکہ بالاتفاق اجماعاً حرام قرار دیا ہے۔

استعانت بالکفار سے متعلقہ روایات کو موجودہ صورتِ حال پر چسپان کرنا یا تو حماقت کا نتیجہ ہے یا پھر تلبیسی حربہ ہے۔ خیر سے ہمارے ان مہربانوں نے فقہ حنفی کی بعض کتب کے حوالے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ دیے، حالانکہ مذہب کے ثقہ ترجمان امام محمد بن الحسنؒ اپنی کتاب السیر الکبیر میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرما چکے ہیں:

"ولا بأس بان یستعین المسلمون باهل الشرک علی اهل الشرک اذا کان حکم الاسلام هو الظاهر علیهم"

امام محمدؒ اہل شرک کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں اہل شرک کی مدد قبول کرنے کو اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جبکہ یہ معاون مشرک اسلامی حکومت اور اسلام کے قانون کی بالادستی قبول کریں اور پھر اس جواز کی کمزور حیثیت کو امام محمدؒ "لا بأس" کی تعبیر سے آشکارا فرما رہے ہیں، جبکہ زیر بحث صورت میں سعودی مسلمان کی لڑائی کسی کافر طاقت کے ساتھ نہیں عراق کے مجاہد مسلمان کے ساتھ ہیں اور لڑائی میں پہل بھی سعودی نے کی، جن کفار کو بلایا گیا ہے وہ ذمی نہیں بلکہ حربی کافر ہیں، وہ اسلام کی بالادستی تسلیم کرنا تو درکنار اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور بقول مولانا خلیل حامدی کے جو سعودی کے معروف حامی اہل علم میں سے ہیں، آج کافر فوجی سعودیہ کی سرزمین میں اسلامی اور سعودی قوانین سے مستثنیٰ ہیں اور یہ حقیقت تو اب محتاجِ بیان نہیں کہ اتحادی افواج کی کمان امریکی کافر جنرل کے ہاتھوں میں ہے جو بقول بعض حلقوں کے یہودی کافر ہے۔

حنفی فقہ کے مستند ترین شارح امام شمس الائمۃ السرخسیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب مبسوط ۱۰/ ۲۳ میں فرماتے ہیں:

"لابأس للمسلمین ان یستعینوا باهل الذمة فی القتال مع المشرکین وقد کرہ ذلک بعض الناس"

مسلمان کے مشرکین کے خلاف لڑائی میں ذمیوں سے مدد لینے میں حرج نہیں ہے اور بعض اہل علم اس کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام سرخسیؒ نے واضح کیا کہ نہ تو ہر کافر سے مدد لینی جائز ہے، نہ ہر موقعہ پر، بلکہ محکوم ذمی کافر سے کافروں کے خلاف لڑائی میں مسلمان امداد لے سکتے ہیں۔ تاہم اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ امام موصوفؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ استمداد تب جائز ہے کہ اس سے خود کفار کی بربادی ہو اور ان کے دل جل رہے ہوں اور ان سے استعانت ایسی ہوگی کالاستعانة بالکلاب علیهم یعنی ان کی حیثیت کتوں جیسی ہوگی۔

آگے چل کر محقق سرخسیؒ اس استمداد کے جواز کے لئے ایک اور شرط کا اضافہ فرماتے ہیں کہ ان کفار سے غدر وخیانت کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ ان کو اپنے ساتھ ملانا جائز نہ ہوگا۔ شمس الائمہؒ اسی بحث کی تنقیح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وعندنا انما نستعین بهم اذا کانوا یقاتلون تحت رأیة الاسلام فاما اذا انفردوا برأیتهم فلا یستعان بهم وهو تاویل ماروی عن النبی ﷺ: لاتستعینوا بنار المشرکین وقال ﷺ: انا بریٔ من کل مسلم مع مشرک یعنی اذا کان المسلم تحت رأیة المشرکین۔ (مبسوط ۱۰/۲۴)

یعنی ہمارے نزدیک مسلمان کافروں کی مدد اسی صورت میں قبول کر سکتے ہیں جب وہ اسلامی پرچم کے نیچے دوسرے کفار سے لڑتے ہوں اور اگر وہ اپنے پرچم کے تحت لڑنا چاہتے ہوں تو ان سے پھر مدد لینا جائز نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ 'تم مشرکین کی آگ سے روشنی مت لو' کا یہی مطلب ہے، اور اس ارشاد گرامی کا بھی: کہ میں ایسے مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرک کے ساتھ ہو یعنی جب مسلمان کافر کے پرچم کے نیچے ہو۔

حنابلہ کا تو مذہب یہ ہے کہ کفار سے کسی صورت میں امداد لینا جائز نہیں، مالکیہ اور شافعیہ صرف کافروں کے خلاف کافروں سے امداد لینا متعدد شروط کے ساتھ درست جانتے ہیں۔ موجودہ خلیجی جنگ میں کفار کی شرکت بالاجماع حرام ہے۔ مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور فرصت میں پیش کی جائے گی۔

بعض جزوی واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ کافروں کا مل کر جہاد میں حصہ لینا اولاً تو بقول ابن المنذرؒ صحیح طریق سے ثابت نہیں، ثابت بھی ہو تو جزوی واقعات ہیں جو ضابطہ کی حیثیت نہیں رکھتے اور ممانعت کی احادیث قولیہ کے ساتھ معارض نہیں ہوسکتیں، جب کہ نصوص قطعیہ بھی بظاہر ممانعت پر دال ہیں، مزید بران ان واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدد دینے کی درخواست نہیں فرمائی وہ از خود شامل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد نہیں فرمایا۔ بعض روایات میں استعانت کی نسبت جو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی ہے، وہ یا تو راوی کی اپنی تعبیر ہے یا استفعال، اتخاذ یا مطاوعت کی خاصیت میں استعمال ہوا نہ کہ طلب کے لئے۔

خلیجی جنگ کے بارے میں بعض حلقوں کی طرف سے چند شبہات کا اظہار کیا جارہا ہے، مناسب ہوگا کہ ہم اس کا بھی جائزہ لیں:

اولاً۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ کویت پر عراق نے ظالمانہ قبضہ جمایا ہے، اب مظلوم کویتیوں کی حمایت میں لڑنا نہ صرف جائز بلکہ لازم ہونا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ اولاً کویت عراق ہی کا حصہ ہے، انگریزی استعمار کے غلبہ سے پہلے یہ عراق میں شامل تھا، اس تاریخی اور جغرافیائی حقیقت کو متعصب سے متعصب شخص بھی رد نہیں کرسکتا۔ پھر جب برطانوی سامراج کا سورج غروب ہونے لگا تو مستقبل میں اپنے مفادات کے لیے اور امت مسلمہ کو کمزور بنانے کی غرض سے اس نے جاتے وقت مقبوضہ مسلم ممالک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کیا، یہ تقسیم وہاں کی مسلم آبادی کے مطالبہ پر قطعاً نہیں ہوئی تھی۔ عراق کے ساتھ بھی ایسا ہوا، دوسرے ممالک

File Adress:

کی طرح وہاں سے جاتے وقت انگریز نے کویت کو مستقل ریاست کی حیثیت دی اور اپنے منظورِ نظر افراد کو تختِ اقتدار پر بٹھایا، آزادی کے بعد اگر دوسرے ممالک کے لیے فوج کشی کر کے چھوٹی مسلم ریاستوں کو اپنی مملکتوں میں ضم کرنا جائز تھا تو عراق کا ایسا ہی اقدام کیوں ناجائز ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی دشمن استعماری طاقتوں نے اپنے مفاد اور امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کیلئے جو لکیریں کھینچی ہیں، ان کے پٹھوؤں کے ہاں شاید ان خطوط کو تقدس حاصل ہو لیکن صدام جیسے سامراج دشمن مسلمان مجاہد کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی، بلکہ نحوست کی ان نشانیوں کو اپنی پہلی فرصت میں مٹا دینا اپنا ملی فریضہ تصور کرتا ہے، تعجب ہے کہ تائیوان اور تبت پر چینی دعویٰ کے حمایت کرنے والے کس منہ سے عراقی اقدام کی مخالفت کرتے ہیں؟ کویت کوت کی تصغیر ہے جسے ہم کوٹ کہتے ہیں، عراقی حدود میں دائرۃ المعارف میں فرید وجدی کی تصریح کے مطابق بیس ۲۰ سے زائد مقامات کوت کہلاتے ہیں۔ خدانخواستہ آج امریکی قزاقوں کو غلبہ حاصل ہوا اور جاتے وقت ہر کوت کو ریاست کی حیثیت دی اور اس کی لونڈی اقوام متحدہ میں نیابت بھی دلادی، تو کیا ان کوتوں کو جائز اور قانونی مملکت تصور کیا جائے گا، اس بحث کے ضمن میں کہا جاتا ہے کہ عراق کی یہ منطق اگر تسلیم کیا جائے تو کل پاکستان پر بھارت اسی طرح دعوی کرے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس خدشہ کا اظہار پاکستان کے انتہائی ذمہ دار لوگوں کی طرف سے سننے میں آرہا ہے یہ پستی کا شکار اور شکست خوردہ ذہن یہ نہیں سوچ سکتے کہ انگریزی تغلب سے پہلے یہ پورا علاقہ ''مسلم ہند'' تھا۔ نوسو سال تک ہم نے دہلی پر حکمرانی کی۔ عراقی منطق کو استعمال میں لاتے ہوئے ہم بھارت کی راجدھانی دہلی پر جائز دعوی کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ پھر تقسیم ہند کا فارمولہ اگر چہ کسی اور کا تھا تاہم تقسیم سے پہلے ہندی قیادت نے اسے تسلیم کیا بلکہ روبہ عمل لانے پر پورا زور لگایا، جبکہ عراق کا معاملہ قطعاً اس سے مختلف ہے نہ تو وہاں دو قومی نظریہ کی تحریک چلی اور نہ عراقی قیادت نے اس تقسیم کو قبول کیا، کویت کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی عراقی افواج حرکت

میں آئیں اور اسے عراقی مملکت میں شامل کرنا چاہا لیکن کویت جس طاقت کا متبنی تھا وہ راستہ میں حائل ہوئی۔

ثانیاً۔۔۔کویت کی معزول حکومت اگر جائز بھی فرض کرلیں تب بھی عراقی اقدام کو اس وقت تک ناجائز نہیں کہا جاسکتا جب تک اس کی صحیح نوعیت معلوم نہ کی جائے۔عصر حاضر میں امور حربیہ کے ماہر ترین مسلم مدبر صدام حسین نے خود واضح کیا ہے کہ ۲ / اگست کو امریکہ کویت میں اپنی فوجیں اتارنے والا تھا، خود امریکی پریس نے صاف صاف لکھا کہ عراق کا قبضہ نہ بھی ہوتا امریکی افواج خلیج میں آنے والی تھیں، بعض امریکی فوجی قوتیں عراقی قبضہ سے چند دن پہلے خلیج کی طرف روانہ ہوچکی تھیں اور شیطان بش، ان کے وزیر دفاع اور برطانوی قیادت نے صاف صاف بتلایا کہ اصل مقصد عراقی فوجی قوت کا خاتمہ ہے تاکہ ایک طرف اسرائیل اطمینان کا سانس لے سکیں اور دوسری طرف خود ان قزاقوں کو تیل کنوؤں پر کنٹرول حاصل ہو۔ بہرحال عراق کے گردن کو دبوچنے کیلئے برطانوی افواج سے کویت کے انخلا کے بعد امریکی افواج وہاں جگہ لینے والی تھیں، صدام نے پیش قدمی کرکے دشمن کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانا چاہا، اگر امت مسلمہ کے غدار امریکیوں کو بلا کر جگہ نہ دیتے تو عراق کویت میں سامراجیوں کے دام سے آزاد حکومت قائم کرکے اسے جلد ہی خالی کردیتا اور آج عالم اسلام کی شان ہی کچھ اور ہوتی، مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام اور اہل اسلام منافقین کی ہاتھوں سے زخم کھا رہے ہیں، افغانستان میں روس نواز حکومت امریکی مفادات کے لئے خطرہ تھی تو اسے ختم کرنے کے لئے امریکہ نے ہر ممکن جتن کیا، جبکہ وہاں خالص امریکہ نواز حکومت روس کیلئے ناقابل برداشت ہے اور خالص اسلامی حکومت چونکہ دونوں کے لئے خطرہ ہے اس لئے اب یہ دونوں شیطانی طاقتیں اس کے راستہ میں حائل ہیں۔

عراق نے اگر کویت کی سابقہ سامراجیوں کی پٹھو حکومت کو عراق کی سلامتی کی خاطر ہٹایا تو سامراجیوں اور ان کے گماشتوں کو عراق پر اعتراض کرنے کا کیا اخلاقی جواز ہوسکتا ہے

File Adress

جبکہ معروضہ صورتِ حال کے پیش نظر عراق کو اپنے اقدام کا یقیناً شرعاً، عقلاً، اخلاقاً پورا پورا حق حاصل تھا۔ کویت پر قبضہ یا وہاں امریکی نفوذ سے مکمل آزاد حکومت کے بغیر عراق کے لئے اسرائیل پر بھرپور حملہ ممکن نہیں تھا جس کا مطالبہ ہمارے ہاں بعض حضرات عافیت کے گوشہ میں بیٹھ کر عراق سے بڑی شدومد کے ساتھ کر رہے ہیں، عمل کی دنیا تصور سے مختلف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عراق کو کویت کے بارے میں اگر یہ خدشہ تھا تو وہ اسلامی ممالک سے اس کی شکایت کرتا۔ مگر یہ بات بھی بڑی سطحی ہے، کون نہیں جانتا کہ بیشتر مسلم ممالک کے حکمران امریکہ کے بے دام یا زرخرید غلام ہیں، ان سے اس قسم کی بات کرنا امریکہ سے بات کرنے کا مترادف ہوتا جس کی توقع کم از کم صدام حسین جیسے ماہر حرب سے نہیں کی جا سکتی۔

ثالثاً۔۔۔۔ بفرض محال کویت پر عراقی قبضہ اگر ناجائز بھی ہو تب بھی اسلام اس کی اجازت کب دیتا ہے کہ دوسرے اہل اسلام اپنی اصلاحی کوششوں کو پوری طرح بروئے کار لائے بغیر عراق پر حملہ کریں۔ کافر استعماری طاقتوں کی لونڈی اقوام متحدہ کی کوششیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں، ایک تو وہ نیم دلانہ تھیں پھر کوشش کرنے والے اکثر اہل کفر تھے جو بنص قرآن اہل اسلام کے بدخواہ ہیں، خصوصاً سعودی عرب نے حملہ میں پہل کر کے قرآن حکیم کے واضح حکم کو روندڈالا اس کل ۸۰ سے عراق کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا، معاہدہ کے بعد معاہدہ کے توڑنے کا واضح اعلان کیے بغیر کافر حکومت پر حملہ جائز نہیں، تو اسلامی مملکت پر کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں عراق نے کویت کے انخلا سے کلی نہیں بلکہ مشروط انکار کیا تھا، اہم شرط کو ناجائز قرار دینے والا انصاف سے تو کوسوں دور ہے ہی اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اگر سعودی شاہ اور کویتی امیر کو ایمان کامل اور مسجد اقصیٰ سے سچی عقیدت اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد سے وابستگی نصیب ہوتی تو وہ بیت المقدس کی آزادی کیلئے کویت و ریاض کے ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرتے۔ عراق کے جائز اور معقول مطالبہ کو رد

کر کے جنگ کرنے والے باغی کے مرتکب ہیں یا مجاہد صدام؟

پھر قرآن حکیم کے مخاطب "فقاتلوا التی تبغی" میں اہل اسلام ہی ہیں، کفار اس سعادت سے کب مشرف ہوئے؟ کہا جاتا ہے کہ عراقی قیادت لادین، بلکہ کیمونسٹ دہریہ ہیں، مگر صدام حسین کی تکبیر کی وہ گونجیں جو چار دانگ عالم میں گونج رہی ہیں اور عین محاذِ جنگ پر اس غازی کی نماز اس جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہیں اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج دین کے اجارہ داروں نے تو خالص مادہ پرست طاغوتی طاقتوں کو اپنا ماٰدی وملجاٰ بنا رکھا ہے اور یہ عراقی قیادت ہے کہ اپنے پرایوں سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے رب کے بھروسے پر دنیا کی تمام طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہے، کیا یہ عزم واستقلال، کمالِ ایمان کے بغیر میسر ہو سکتا ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عراق نے کبھی عالم اسلام کے کسی مسئلہ میں دلچسپی نہیں لی، حالانکہ ۱۹۶۷ء کے عرب اسرائیل جنگ میں عراقی فوجوں نے اردن اور شام کے علاقوں میں قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کا عشرِ عشیر بھی سعودی و مصر و پاکستان وغیرہ پیش نہیں کر سکے۔ جولان کو فتح کرنے کے بعد اسرائیلی فوج کی دمشق کی طرف پیش قدمی عراقی جانبازوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر روک دی، ورنہ دمشق کے سقوط میں کوئی شک نہیں تھا، اسی طرح ۱۹۷۰ء میں پاکستان نے جب سامراجیوں کے گود میں بیٹھ کر جمال عبدالناصر کے ساتھ عہد شکنی کرتے ہوئے عرب مؤقف کے خلاف سامراجیوں کے مؤقف کی حمایت کی اور بھارت عربوں کا حامی رہا، تو عرب عوام وخواص میں پاکستان کے خلاف انتہائی نفرت پھیل گئی، اس نفرت کو کم کرنے میں عراقی قائدین صدر عبدالسلام عارف اور عبدالرحمن عارف نے جو کردار ادا کیا اس پر خود پاکستانی اخبارات کی پرانی فائلیں گواہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بدقسمتی سے پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کا منصب اب ایسے حضرات کا نشیمن ہے جن کو نہ اپنے ماضی کا پتہ ہے نہ دوسروں کے۔

عراقی قیادت کے موجودہ رویہ کے اسباب کیا ہیں؟ شاید اس کی تفصیلات ہمارے

File Adress

نازک مزاجوں کے لئے ناقابلِ شنید ہوں گی، اس لیے فی الحال نظر انداز کرتا ہوں، یہ بھی بہت سارے ناقدین کی زبانوں پر ہے کہ عراق نے سعودی اور کویت کے ساتھ محسن کشی کا سلوک کیا جب کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ عراق کو ایران سے خود کوئی خطرہ لاحق نہ تھا، یہ سعودی شاہ اور دوسرے عرب شیوخ تھے جو خمینی کے خوف سے لرزہ براندام تھے اور امریکی چچا نے ان کے خوف میں مزید اضافہ کیا، عراق آٹھ سال تک دوسری عرب ریاستوں کے لیے لڑتا رہا ہے اور اپنے ہزاروں خوبصورت فوجی جوانوں کو بھی قربان کر چکا جس کا عوض کویت اور سعودی کے تمام خزانے بھی نہیں بن سکتے، مگر زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج محسن کو ہی محسن کش، احسان فراموش کے القاب سے نوازا جا رہا ہے۔ والی اللہ تعالی المشتکی۔

تمام اہل اسلام سے بالعموم اور اہل علم حضرات سے بالخصوص میری یہ دردمندانہ گزارش ہے کہ للہ! ہوش میں آئیں، تصورات کے دائرہ سے باہر عملی دنیا میں جھانکنے کی کوشش کریں، ذرا اپنے اندر حقائق کے ادراک کی استعداد پیدا کریں۔ واشنگٹن کے دجالوں کے فریب میں نہ آئیں اور خود فریبی و ریاکاری کو خیرباد کہہ کر حق وانصاف کا ساتھ دیں۔ امریکہ و اسرائیل اسلام دشمنی کے صرف دو نام ہیں، حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے اور اب تو بدھ مت کا پیروکار جاپان، ہندومت کا علمبردار بھارت، سوشلزم کا نقیب روس وغیرہ بھی عراق کی تباہی کے مشن میں حصہ لے کر مسلمہ مقولہ "الکفر ملة واحدة" کی تصدیق کر رہے ہیں۔ ہمیں نظری مباحث سے اس موقع پر ہٹ کر عملی حقائق کا سامنا کرنا چاہیے، اصولی موقف کی رٹ لگانے کا یہ وقت نہیں ہے، خلیج کی جنگ اب یقیناً کفر واسلام کی جنگ بن چکی ہے، یہ حق و باطل کا معرکہ ہے، ایمان اور نفاق کے درمیان امتیاز کرنے کی کسوٹی ہے، اسلامی ممالک کے جو حکمران یہودی ونصرانی کیمپ کا ساتھ دے رہے ہیں عوام اور علماء دونوں کا فرض ہے کہ انہیں سمجھائیں، ورنہ پرامن تحریک چلا کر ان کو ہٹنے پر مجبور کریں۔ کتنی افسوسناک بات ہے اور شرمناک منظر ہے کہ جن افواج کو اسلام کے افواج کا نام دیا گیا وہ یا تو دشمنانِ اسلام کی کمان کے تحت اسلام

File Adress:

اور عالم اسلام کے خلاف کھڑے نظر آ رہے ہیں یا عالم اسلام کی تباہی و بربادی کے ہولناک مناظر دیکھتے ہوئے اپنی کیمپوں میں خاموش تماشائی کا کردار کر رہے ہیں۔ افغان مجاہدین اگر سرفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے درحقیقت پاکستان اور اس تعلق سے عالم اسلام کے بقاء و دفاع کی جنگ لڑی ہے تو آج عراقی جانباز شرق اوسط میں عالم اسلام خصوصاً اس کے قلب کے دفاع کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ قیام کی وقت رکوع و سجود کرنا حق تعالیٰ کو قطعاً قبول نہیں۔ اس وقت عالم اسلام کے دشمنوں کا ساتھ دینا تو درکنار خاموش اور غیر جانبدار رہنا بھی وہ عظیم ملی جرم ہے جس کے عواقب انتہائی دلخراش اور تباہ کن ہوں گے اور مالک یوم الدین کے سامنے یوم الحساب میں اس کا جواب دینا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔ عراقی فوجی قوت کے خاتمہ پر دشمنانِ اسلام ہرگز قناعت نہیں کریں گے۔ فراغت کے بعد ان کا اگلا نشانہ پاکستان ہی ہوگا جس کے لیے اسباب ابھی سے موجود ہیں، عرب ریاستوں کی سرمایہ داری قصۂ پارینہ بن جائے گی، مسجد اقصیٰ کی آزادی تو درکنار حرمین شریفین کی آزادی خطرے میں پڑے گی، کشمیر و فلسطین وغیرہ کی آزادی کے بجائے ہمارے آزاد علاقوں کی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گی۔ آپ کو اگر صدام حسین سے شکایت ہے کہ انہوں نے حماقت کی تو آپ تو ہوشمندی کے دعوی دار ہیں آپ ان سے بڑھ کر حماقت کیوں کر رہے ہیں؟ بچہ اگر غلطی کر بیٹھتا ہے تو کیا بڑا بھی اس سے بڑھ کر غلطی کرنے کی قسم کھا بیٹھے گا؟ پھر ایک حکمران نے اگر جرم کیا تو کیا اس کے مملکت کے تمام شہری مرد و زن، بوڑھے بچے سزا کے مستحق ہوتے ہیں؟

واشنگٹن کا بازیگر تو کھلا دھوکہ دینے کا عادی ہے، آپ مؤمن ہو کر کیوں دھوکہ کھا رہے ہیں، جب کہ مؤمن کی شان یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ صرف مسلم ممالک اگر یک زبان ہو کر امریکہ سے کہیں کہ بیت المقدس سے اسرائیلی خبیث قبضہ جو ثلث صدی سے ہے تم اٹھاؤ۔ کویت سے عراقی قبضہ جو کسی حد تک جائز اور ششماہی بھی ہے ہم اٹھوالیں گے تو امریکیوں سے لڑے بغیر ان کا یہ ظالمانہ حملہ پسپا ہو سکتا

ہے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

(۳۲)

پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے، جس نے ہمیں برطانوی سامراج کے ظالمانہ پنجۂ استبداد سے نجات دلا کر ایک آزاد خود مختار ریاست کا مالک بنایا اور غیر قوم کی غلامی کے مضبوط طوق واغلال سے نکال کر آزادی کی نعمت سے نوازا۔ آزادی کی قدر تو ان سے پوچھئے جن کے خمیر میں قیمت کی آب ہو اور ضمیر میں حریت کی تاب ہو۔ اس نعمت عظمیٰ کی پہچان تو کلیم وخلیل کو اور آقائے نامدار اور اُن کے رفقائے کار کو حاصل تھی، صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ قرآن کریم جب بھی کلیم اللہ کے قوم پر کیے گئے انعامات کا تذکرہ کرتا ہے، تو پہلے پہل سرفہرست واذ انجیناکم فرما کر اسی انعام جلیل کا تذکرہ فرماتا ہے، زندہ اقوام کے لئے آزادی بلند ترین

اعزاز ہے اوران کے نزدیک اس کی نہایت قدر ہوتی ہے، تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے عیاں ہوتی ہے کہ جب قوم کا اجتماعی ضمیر مردہ ہوجاتا ہے اور اپنے ولی النعم سے نفور کر کے حیوانی تقاضوں کے برتنے میں مخمور ہوتی ہے، تو قدرت اس کو ایک جابر طاقت کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیتی ہے، تاکہ اسے خودی کا کچھ احساس ہو سکے، اور اپنے مولا سے وصل کی پیاس مل سکے۔

سرزمین ہند پر ہمارے حکمرانوں نے حکمران مطلق کے احکام سے نفرت کی تو مالک مختار نے ان سے چندروزہ اقتدار چھین لیا اوران کی عزت وحکومت کو خاک میں ملا دیا اوران کی اجتماعی قوت کو (جو کہ مردہ ہو چکی تھی) فرنگی اقتدار کے نیچے دبا دیا، تاکہ اسے کئی دن بعد از سرنو حیات حاصل ہوجائے، اس وقت کے ایک دہلوی قلندرؒ نے سارے مسلم طبقات کو جھنجھوڑا، مگر قوم کی گہری نیند نے اس ندا کو صدا بصحرا ثابت کیا، اگرچہ بعد میں یہی صدا خواب غفلت کی تخفیف کے سبب کچھ حساس کانوں نے گونجتی ہوئی سنی، مگر اس وقت فرنگی کے قدم وطن عزیز کی سرزمین پر جم گئے تھے، اور اہل وطن کے دل ودماغ پر انگریز کے رعب کا ایسا سکہ بیٹھ گیا تھا کہ ان کی ذہنیت عامہ فرنگی استبداد سے ملک کی نجات ناممکن سمجھنے لگی، اور فرنگیوں کا اندازہ بھی یہ تھا کہ ہمیں اس ملک سے اس وقت جانا پڑے گا، جب اس کی زمین پر ایک فٹ کی مقدار گولیوں کا سکہ پڑ جائے، اس وقت اہل وطن کی رائے عامہ کی ترجمانی گویا کہ "مَاظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْ" کے کلمات کہہ رہے تھے، اور "وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ مَانِعَتُھُمْ حُصُوْنُھُمْ" فرنگی سامراج کا ذہنی نقشہ تھا رب الاقوام نے محض اپنے لطف وکرم سے "فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ" کا نمونہ چودھویں صدی ہجری میں ایک بار پھر سامنے پیش فرمایا، چند قدسی صفت نفوس کے ذریعہ سے قوم کی مردہ لاش میں حریت کی روح پھونکی گئی، اور فرزندان توحید کے قلوب میں مذہب کا آتشیں شعلہ جوالہ ڈال دیا گیا، نتیجتاً درندہ صفت انگریز قوم کو اس ملک سے جانا پڑا اور مسلمانان وطن کو اپنے مذہبی جوش کے بدولت

پاکستان جیسا عظیم ملک نصیب ہوا۔

باشندگانِ وطن سے مخفی نہ ہوگا کہ پاکستانی ریاست کا قیام مذہب اسلام کے مقدس نام پر عمل میں آیا، تقسیم ہند کا بنیادی سبب یہی تو تھا کہ متحدہ ہند کے مسلمان چاہتے تھے کہ ہمیں ایسا خطہ ارضی ملنا چاہئے، جس میں بس کر ہم آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیمات کو جامہ عمل پہنا سکیں اور حجازی تہذیب وتمدن اپنا سکیں اور مدنی امام الامام کے اصول موضوعہ پر زندگی کے تمام شُعب میں عمل پیرا ہوسکیں، دوسرے الفاظ میں پاکستانی ریاست کے عدم سے معرض وجود میں آنے کی غرض وغایت اقتدار قرآن وسنت تھا، بانی پاکستان اور اس کے معتمد ترین رفقاء تحریک کی تقاریر وعہود ومواثیق اس پر شاہد عدل ہیں، بلکہ موجودہ اقتدار بھی اس کا قائل ہے اور سربراہ مملکت اس حقیقت کا ظہار طوعاً اور کرہاً ''کبھی کبھی زبانی طور پر فرماتے رہتے تھے۔

مگر باوجود اس کے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ پاکستان کا مقصد قیام تاہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ پاکستان بننے کے بعد حالات سازگار ہوتے ہی ہمارے لئے سب سے اہم اور لازمی قدم اسلامی آئین کا مکمل نفاذ تھا، کیونکہ پاکستان کا وجود بدون اجراء قوانین شرعیہ کوئی معنی نہیں رکھتا، کرسی بنانے کا مقصود اس پر بیٹھنا ہوتا ہے، اگر کوئی کرسی اپنی اس غرض کو پورا کرنے سے قاصر ہے، تو اہل فکر ودانش کے نزدیک اس کی حیثیت کیا ہے، بدقسمت نومولود پیدا ہونے کے بعد ایسے افراد کے آغوش میں چلا گیا، جو اس کی تربیت وارتقاء کے بجائے اپنی ترقی وتقویت کی فکر میں مدہوش رہے، اور مسند اقتدار پر بیٹھ کر اپنی بقائے اقتدار کی چالوں میں بے ہوش رہے، یہ قیمتی شجر جس کو تحریک آزادی کے شہداء کے جوشیلے خون سے لگایا گیا تھا، ایسے مالیار کے سپرد ہوا، جو اس کو ثمر لانے سے محروم رکھنے میں کوشاں رہے، اور اپنے ذاتی منافع کے حصول کے لئے مبہوت وسرگرداں رہے۔

جن افراد کو اس نومولود کی صحیح پرورش کا شوق تھا اور اس شجر کو باثمر بنانے کا ذوق تھا۔ ان کو مختلف ذرائع سے قریب نہ آنے دیا گیا بلکہ اُلٹا ان کو اس کا دشمن قرار دیا گیا۔ ان افراد سے

File Adress:

میری مراد پاکستان کی صحیح معنوں میں وفادار اور اس کا صحیح طریقہ سے انتظام وانصرام کرنے والی مخلص جماعت جمعیت علماء اسلام کے اکابر ہیں۔ان حضرات نے ابتدائی متولیان پاکستان کو تحریراً وتقریراً صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کی۔ کچھ عرصہ بعد اسمبلیوں میں جا کر انہیں صحیح پیغام پہنچایا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، جمعیت کے اکابر نے ہر چند ان کی اصلاح فکر کی کوشش کی، مگر اُن کی کج فہمی بڑھتی گئی، آخر الامر گذشتہ صدارتی انتخاب میں جمعیت نے حصہ لینے کا فیصلہ کیا مگر عیاروں نے کامیاب ہونے نہیں دیا، اس کے بعد ملکی دستور کی اصلاح کے لئے نیشنل اسمبلی میں جانا ہی ایک ذریعہ تھا، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں سے جمعیت کے نمائندوں نے انتخاب میں حصہ لینے کے لیے میدان میں آئے، مگر اقتدار کے پوجنے والوں کو کہہ سکتا ہوں کہ اگر سرکاری مشینری حرکت نہ کرتی اور انسانی ضمیروں کی خرید وفروخت کا بازار نہ لگایا جاتا اور صحیح طریقہ پر الیکشن ہوتا، تو حق بحق دار خواہد رسید۔ ہم نے اپنے کانوں سے اکثر ممبران سے سنا، کہ اگر ہمارے سامنے یہ خطیر رقم نہ ہوتی، تو ہمارے ووٹ کا مستحق مولوی نعمت اللہ صاحب کے بغیر اور کوئی نہ تھا۔ صوبائی اسمبلی کے لئے انتخاب میں حصہ لینے کے متعلق جمعیت کے قطعی فیصلہ کا علم بندہ کو نہیں، مگر یہ ضرور کہہ دیتا ہوں کہ اگر گذشتہ صورت حال رہی اور خرید وفروخت کا مسئلہ برقرار رہا، تو کامیابی کا راستہ نظر نہیں آتا، الّا یہ کہ امداد غیبی شامل حال ہو جائے، بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ پاکستان بن گیا اور ہم آزاد ہوئے، مگر نہ تو ہم نے پاکستان کی بنا کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے کی طرف توجہ کی اور نہ نعمت آزادی کی قدردانی کی۔ بلکہ ابھی تک انگریز کی غلامی سے مفلوج شدہ دماغ سے ہم سوچتے رہتے ہیں اور اس 'مہربان مولیٰ' کے سکون وحرکت، خورد ونوش، بود وباش اور تگ ودو کی نقالی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے حصول آزادی کے بعد اپنے قائد سے حصول ذرائع معاش کے متعلق درخواست کی کہ 'فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ' اور 'قَالُوا یٰمُوسَی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ' انہیں کے قریب قریب کردار ہم نے بھی حصول آزادی کے بعد ادا کیا، اگر اقتصادی

ترقی کے لئے ہم نے ایک طرف اپنی تمام قوت خرچ کی حتی کہ رزاق متین سے مائل ہوئے، تو دوسری طرف اپنے لئے فری نظام حیات منتخب کیا، جو ہمارے بدترین دشمن کے ذہن کی تخلیق ہے۔ اگر ہم نے اسی طرز عمل کو برقرار رکھا، تو قوی خطرہ ہے کہ ہم سے یہ عظیم الشان نعمت کہیں واپس نہ چھین لی جائے جیسا کہ اُمت موسویہ سے یہی سلوک کیا گیا۔ اللھم ربنا ھب لنا من لدنک رحمۃ وھئی لنا من امرنا رشدا۔

(۳۳)

نائن الیون

۱۱ ستمبر کے حادثہ اور اس کے بعد ظہور میں آنے والے واقعات کے بارے میں ملکی وغیر ملکی پریس میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چھوٹے بڑے دانشور اپنے اپنے ظرف اور زاویہ نظر کے مطابق اس پر تبصرے کر رہے ہیں، پاکستان کا حکمران طبقہ بشمول پرویز مشرف کے ضمیر کے مجرم کے انداز میں اپنی بولی بول رہا ہے۔ اس سارے منظر کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس واقعہ اور اس کے عواقب کو تقریباً سب ہی حضرات خالص مادی نظر سے دیکھ رہے ہیں، مادی اور وہ بھی امریکی ساخت کی عینک اتار کر دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے اسے دیکھنے کی بہت کم کوشش

ہوئی ہے اور مغربی پروپیگنڈہ سے ہٹ کر اصل حقائق کو سامنے کم رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پاکستان کے صدر محترم اور ان کے حواریوں کا اصرار ہے کہ ان کا فیصلہ اور اختیار کردہ پالیسی اسلام کے عین مطابق ہے، جہاں تک ۱۱ ستمبر کے حادثہ کا تعلق ہے چاہے اسے دہشت گردی کہا جائے یا انتقامی ردعمل کا نام دیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اس کی ذمہ داری کسی مسلمان شخصیت یا کسی اسلامی ملک وادارہ پر ڈالنا حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ کاش! مسلمانوں کے پاس وہ وسائل واسباب ہوتے جو اس واقعہ میں استعمال ہوئے اور وہ فنی مہارت ہوتی جو اس میں بروئے کار لائی گئی۔ شواہد اور حالات بتلاتے ہیں کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی ملی بھگت ہے، سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے چار اہم مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) کرۂ ارض پر صحیح معنوں میں منفرد اسلامی حکومت ''امارت اسلامیہ افغانستان'' کا خاتمہ، جس کے بارے میں دنیائے کفر کو بجا طور پر یہ خطرہ لاحق ہے کہ کہیں امارت دنیا میں خلافت اسلامیہ کے قیام کا نقطہ آغاز ثابت نہ ہو اور یہ چنگاری ایسی آگ نہ بن جائے جس کے شعلے اہل کفر کے ظلم وطغیان کے ایوانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں اور وہ نور نہ بن جائے جس سے مغرب کی پھیلائی ہوئی ظلمت' جسے تعلیم وتہذیب کا نام دیا گیا ہے' ختم ہو۔ قرآن حکیم کے اعلان ''یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ'' سے اہل کفر بے خبر نہیں ہیں اور نہ مسلمانوں کی اس خواہش سے وہ غافل ہیں: ؎

شب گریزاں ہوگا آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(۲) اس بہانے پاکستان' جو کہ اپنے ایٹمی طاقت بننے کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا ہے اور اس پر اسے بڑا ناز ہے' اور اس کے مزعومہ ایٹمی ہتھیار پر تسلط جمانا..... تاکہ یہود وہنود اور دوسرے کفار کے دلوں میں اسلامی بم کا خدشہ نہ رہے۔ افسوس ہے کہ منصوبہ ساز کفار ہماری کوتاہ نظر قیادت کی نااہلی کی وجہ سے اپنے اس مقصد کو پا لینے کے قریب ہو چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جو بم

File Adress:

ملک وملت کی حفاظت کے لئے بنایا گیا اور اسی کے لئے اسے استعمال ہونا تھا، اس بم کی حفاظت پر ملک وملت کو قربان کیا گیا۔ آج وطن عزیز کا ایک اہم اور بڑا حصہ امریکیوں کا وار زون کہلاتا ہے جس میں پاکستانی طیارہ امریکیوں کی پیشگی اجازت کے بغیر پرواز نہیں کر سکتا۔

یہ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

(۳) اس سازش کا تیسرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے بعض حصوں میں ڈیرہ جما کر انڈیا، چین اور روس جیسے بڑے ممالک کی ناک میں نکیل ڈال دی جائے، شمالی علاقہ جات میں اسرائیل جیسی ایک طفیلی ریاست بنانے کا امریکی تصور ومنصوبہ بہت پہلے سے تھا۔ ضیاء الحق مرحوم کو اس کا تنبہ بھی ہوا اور وقتی طور پر انہوں نے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کی کچھ کوشش بھی کی۔ مگر اب امریکی پہلے سے زیادہ جامع اور کامل صورت میں اس منصوبہ کو عملی شکل دیتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں اور ملک وفوج کا سربراہ ان کا آلہ کار نظر آرہا ہے۔

(۴) اس منصوبے کا چوتھا مقصد یہ نظر آرہا ہے کہ مشرق اوسط کے خلیجی ممالک اور وسط ایشیا کی نوآزاد ریاستوں میں امریکہ قبضہ اور تسلط کو تحفظ اور استحکام نصیب ہو، تاکہ اس علاقہ کے تیل وغیرہ کے ذخائر اس کے دسترس میں ہوں اور خاکم بدھن حرمین شریفین پر مناسب موقعہ پر قبضہ کرنے کا ناپاک مقصد بسہولت حاصل ہو۔ جیسا کہ ۱۹۶۷ء میں شرم الشیخ اور عقبہ پر لڑائی کے بہانے بیت المقدس پر قبضہ کیا گیا جو تاہنوز قائم ہے۔ اسامہ کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ جزیرۃ العرب سے کفار کے نکلنے یا نکالنے کی بات بلند آہنگی کے ساتھ کر رہا ہے جس کا اسے مذہبا، قانوناً اور انصافاً پورا پورا حق حاصل ہے اور امارت اسلامیہ افغانستان بھی اسی لئے قابل گردن زنی ہے کہ اس نے اسامہ کو پناہ دی ہے اور اس کی پشت پناہی کر رہی ہے، غالبا یہی وجہ ہے کہ مغرب کے پٹھو نام نہاد مسلم حکمرانوں اور منافق حلقوں کو چھوڑ کر از شرق تا غرب سارے

File Adress:

مسلمان اسامہ اور امارات اسلامیہ کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے ہیں اس لئے کہ جزیرۃ العرب کی آزادی اور حرمین شریفین کا تحفظ ان سب کے مشترکہ مقاصد میں سے ہیں۔ یہ موضوع ایک مستقل اور مفصل مضمون کا متقاضی ہے خدا کرے کہ کوئی اچھا صاحب بصیرت اور مخلص صاحب قلم اس موضوع پر مفصل اور مسلسل لکھے۔

اس کے علاوہ مذکورہ سازش کا مرکزی کردار صیہونی ذہن ہے جو یہ چاہتا ہے کہ عیسائی دنیا کو مسلمانوں سے ٹکرا کر دونوں کی طاقت کو ختم یا کمزور کرے اور پھر خود آگے بڑھ کر عالمی اقتدار کے حصول کے لئے اپنے پرانے تصور کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اقوام عالم پر حکومت کرے۔ اس موقعہ پر ہمیں فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین اور دیگر روشن خیالی کے علمبردار نصرانی ملکوں کے عیسائی حکمرانوں اور عوام پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ امریکی اور صیہونی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ امریکی سیاست تو یہودیت کی تابع ہے، آخر دنیا بھر کے عیسائی کیوں اس کے تابع مہمل بن چکے ہیں، لیکن نام نہاد مسلم حکمرانوں کے موجودہ رویہ کے بعد شاید ہمارا یہ شکوہ بلا جواز ہو۔

مذکورہ بالا مقصد اور حقائق کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ چاہے ۱۱ ستمبر کا حادثہ نہ بھی ہوتا امریکی سامراج اور صیہونی قوتیں ان مقاصد کے حصول کے لئے کچھ اور بہانہ بنا کر یہ کارروائی کرنے والی تھیں۔ نیاز نائیک صاحب اور دیگر کئی باخبر حضرات کے بیانات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوئی ہے اور امریکی کارروائی کا انداز خود اس حقیقت کا بڑا شاہد ہے کہ دہشت گردی کے خاتمہ کا نعرہ محض دنیا کو بے وقوف بنانے کے لئے ہے، در پردہ مقاصد کچھ اور ہیں جن میں سے بعض کی نشاندہی ہم اوپر کر چکے اور مستقبل قریب میں شاید یہ سب بے نقاب ہو کر سامنے آئیں گے۔

۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد امریکہ نے بین الاقوامی برادری کے ساتھ بدمعاش دہشت گرد اور داداگیر چوہدری کے روپ میں بات کی اور دنیا بھر کے مسلم وغیر مسلم حکمرانوں

File Adress

نے مرعوب ہوکر یا لالچ میں آکر دوستی کے نام سے امریکہ کی غلامی کا طوق گردنوں میں ڈال دیا اور کسی کو اس بدمعاش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی کہ ہم تو حق وانصاف کا ساتھ دیتے ہیں، نہ خود ظلم کرتے ہیں نہ کسی کو ظلم کی اجازت دیتے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بلاتفریق مذہب وقوم یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ صرف مدعی کے دعویٰ کی بنیاد پر کسی کو مجرم نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اسے سزا دینے کا جواز پیدا ہوتا ہے اور تو اور خود امریکی قانون میں اس کی گنجائش نہیں کہ بلاثبوت کسی ملزم کو کوئی سزا دے، چاہے سزا دینے والا امریکی صدر یا ان کے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ اسامہ پر ۱۱ ستمبر کے خونین ڈرامہ کا امریکی الزام صرف الزام ہی ہے، غیر جانبدار عدالت تو درکنار خود امریکہ کے کسی عدالت میں ان پر یہ الزام ثابت نہیں ہوا اور نہ ثابت ہوگا بلکہ بعض باخبر احباب کی اطلاع کے مطابق کسی امریکی تھانہ میں اس کے ایف آئی آر تک کا شیخ اسامہ کے نام اندراج نہیں ہوا جبکہ خود اسامہ اور افغان قیادت اس سے اپنی برأت کا اظہار کر چکے ہیں۔

رہی اس حادثہ پر کسی کے رنجیدہ نہ ہونے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خوش ہونے کی بات، تو یہ نہ تو اعتراف جرم ہے، نہ جرم میں ملوث ہونے کا قرینہ یا دلیل..... اس لئے کہ ظالم دشمن کی کمر ٹوٹنے پر اس کے ستم رسیدہ مظلوم کا خوش ہونا ایک فطری بات ہے۔ نفاق سے کام لے کر اس کا انکار کرنا الگ بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس فطری خوشی سے کوئی بھی انسان مستثنیٰ نہیں، ظالم دشمن پر آسمانی بجلی گرے یا کوئی اور آفت آپڑے مظلوم کو لازماً اس پر خوشی ہوگی۔ پوری انسانیت پر امریکہ کے مظالم کی داستان محتاج بیان نہیں۔ جاپان، ویت نام، فلسطین، عراق، چلی، انڈونیشیا وغیرہ کی سرزمینیں اس داستان کے کھلے اوراق ہیں، پھر خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ اس کا ظالمانہ رویہ تو روز روشن کی طرح عیان ہے۔ شیخ اسامہ کی جلاوطنی شیخ کے مقدس وطن پر امریکہ کے غاصبانہ قبضہ ہی کا تو شاخسانہ ہے۔ عراق جیسے مسلم برادر عرب ملک پر روز روز بم باری اور سالہا سال سے ناکہ بندی کی وجہ سے لاکھوں بے گناہ عراقیوں کی ہلاکت پر اگر کسی بے

File Adress:

حس، بے حمیت، نام نہاد مسلمان کا دل نہیں دکھتا تو کیا اسامہ جیسے غیور حساس مخلص مجاہد مسلمان کا دل بھی نہیں دکھے گا؟ امریکہ پر پڑنی والی آفت پر اسامہ کو فطری طور پر خوش ہونے کا پورا پورا حق حاصل تھا اور حاصل ہے بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ غاصب امریکہ اسامہ کے گھر بوں مالیت ومعدنی ذخائر پر قابض ہے اور اسے مسلسل لوٹ رہا ہے اور اسامہ بلکہ ہر مسلمان کے مقدس مقامات حرمین شریفین کا محاصرہ کئے ہوا ہے، اسامہ کے دینی اور نسبی بھائیوں کو بلا واسطہ یا بالواسطہ روز روز ہلاک کر رہا ہے، اسامہ کو عقلاً ودیناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس غاصب دشمن کے خلاف ہر وہ کارروائی کرے جس سے دشمن کا نقصان ہوتا ہو، محارب کافر دشمن کے کسی گاؤں یا چھاؤنی پر اس لئے حملہ نہیں روکا جا سکتا کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کسی بے گناہ کی جان جائے ہمارے فقہاء کرام نے سیر کے مباحث میں اس مسئلہ کو شرح وبسط کے ساتھ صاف کیا ہے اور کتاب وسنت اور سیرۃ سلف سے اس پر واضح دلائل موجود ہیں، پھر خود امریکہ کو تو کوئی حق نہیں کہ ایسی کارروائی پر معترض ہو جبکہ وہ خود جلال آباد، کابل وقندہار وغیرہ میں دنیا کی چیخ وپکار کے باوجود بلا کسی قسم کے جواز کے سینکڑوں بچوں، بوڑھوں وغیرہ کا خون بہا کر ایسی درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں کارروائیاں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کر رہا ہے۔ بنظر انصاف دیکھا جائے تو امریکہ کا اسامہ کی حوالگی سے متعلق افغان حکومت سے مطالبہ بھی بلا جواز ہے، اس لئے کہ اسامہ پر دعویٰ کسی امریکی شخص کا نہیں بلکہ امریکی حکومت کا ہے اس لئے از روئے انصاف امریکی حکومت یا اس کے ماتحت کسی ادارہ کو اسامہ کے کیس کی سماعت کا حق بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ وہ اسے مجرم قرار دے کر سزا دیں تو جب تک اسامہ کے کیس کی سماعت پر کوئی غیر جانبدار آزاد عدالت اسے مجرم نہ ٹھہرائے تب تک افغان حکومت سے اس کا مطالبہ ناجائز ہوگا اور افغانستان کے خلاف اس کی ہر کارروائی ننگی جارحیت، کھلی ہوئی درندگی وبربریت، سراسر ظلم وعدوان اور عدل وانصاف کا خون ہوگی، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل جیسے نام نہاد عالمی ادارے سب جانتے ہیں کہ امریکہ کی جھڑیاں اور چھتریاں ہیں جن کے ذریعہ اور ان کی آڑ میں امریکہ دنیا بھر میں من

مانی کرتا آیا ہے اور لڑ رہا ہے، لہٰذا ان کی اجازت اور ان کے فیصلوں کا انصاف کے ترازو میں ذرا برابر وزن نہیں، لہٰذا اسے بھی سند جواز نہیں بنایا جا سکتا، کاش عالم اسلام اور دنیا کے دوسرے انصاف پسند ممالک ان اداروں سے جلد از جلد الگ ہو کر اپنا الگ ایک ادارہ برائے امن و انصاف بنا دیں تب دنیا کو کچھ چین و سکون نصیب ہوگا۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ پیش آمدہ صورت حال کے بارے میں مسلمانوں کے لئے قرآن و سنت کی حکیمانہ ہدایت کیا ہے، قرآن مجید واضح طور پر متنبہ کیا:

''کہ یہود و نصاریٰ آپ سے تب ہی خوش ہوں گے جب آپ ان کی ملت و مذہب کی پیروی اختیار کریں'' (سورۃ بقرہ)

اور فرمایا: ''کہ ایماندارو اگر آپ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ایک گروہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا کر چھوڑیں گے۔'' (سورۃ آل عمران)

اور فرمایا: ''کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری غیر مسلم قوموں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ وہ ہمیشہ تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوں گے، ان کی دلی خواہش ہے کہ آپ ہمیشہ تکلیف اور مصیبت میں پھنسے رہیں۔'' (سورۃ آل عمران)

اور فرمایا: ''کہ یہود و نصاریٰ کو بالا دست اور دوست نہ بنانا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ بھی نہیں رہے گا''۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہوگا''۔ (سورۃ آل عمران)

اور فرمایا: ''کہ کفار ایک دوسرے کے دوست و معاون ہو سکتے ہیں (مسلمانوں کے کبھی نہیں)''۔ (سورۃ انفال)

کفار کی دوستی اور ان کیساتھ پینگیں بڑھانے کی کوشش کو قرآن حکیم نے منافقانہ روش قرار دیا اور اس روش کے محرک کی نشاندہی بھی فرمائی کہ دو چیزیں ہیں:

File Adress

(۱) ایک تو یہ خوف کہ قطع تعلق کی صورت میں کہیں ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آپڑے (نخشی أن تصیبنا دائرۃ) (سورۃ مائدہ)

(۲) دوسری یہ امید کہ ان سے تعلق کی وجہ سے ہمیں غلبہ نصیب ہوگا (أیبتغون عندھم العزۃ) (سورۃ نساء)

اور ارشاد ہے کہ: ''تم ان لوگوں کی طرف ادنیٰ سا جھکاؤ نہ رکھیو جو ظلم کے مرتکب ہوں، ورنہ جہنم کی آگ تمہیں بھسم کر کے رہے گی۔'' (سورۃ ہود)

نیز ارشاد ہے کہ: ''آپ نیکی وتقویٰ کے کاموں میں آپس میں تعاون کیا کرو، گناہ اور ظلم وعدوان میں ایک دوسرے کے معاون نہ بنو۔'' (سورۃ مائدہ)

قرآن حکیم نے امت مسلمہ کا فرض منصبی یہ بتلایا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گی۔ (سورۃ عمران، وانفال وغیرہ)

اور قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا کہ: ''تم عدل وانصاف کا دامن تھامے ہوئے صرف اللہ جل شانہ کے لئے سچی گواہی پر قائم رہو اس کی وجہ سے چاہے آپ کو خود یا تمہارے والدین کو یا دوسرے اعزہ کو نقصان بھی اُٹھانا پڑے۔''

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤمن مؤمن کا بھائی ہوتا ہے نہ وہ خود اس پر ظلم کرے گا اور نہ اسے کسی ظالم کے حوالہ کرے گا۔

اور ائمہ اسلام علماء دین کا پندرہ سو سال سے متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف کافر کی اعانت قطعی حرام اور ناجائز ہے، یہاں تک کہ اضطرار کی حالت میں بھی کسی مسلمان کے لئے دوسرے انسان کا ناحق خون بہانا جائز نہیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جو صرف علوم دینیہ کے بحر ذخار ہی نہیں بلکہ سیف وسنان کے شہسوار بھی ہیں تو یہاں تک تحریر فرماتے ہیں: ''یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ مؤمن کے ساتھ موالات وتعاون واجب ہے، اگرچہ وہ آپ پر ظلم وزیادتی کرے اور کافر کے ساتھ دشمنی لازم ہے اگرچہ وہ آپ کو مال ودولت وغیرہ

دیتا ہو اور احسان کرتا ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:۲۸ ص:۲۰۹)

حق تعالیٰ شانہ کے مذکورہ ارشادات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور ائمہ امت وعلماء دین کے اجماعی فیصلہ کے پیش نظر ایک سچے مسلمان کا فیصلہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے جو کہ طالبان قیادت نے کیا۔ نام نہاد اسلامی ممالک بشمول ایران کے نام نہاد مسلمان حکمرانوں نے یقیناً عملاً شریعت مقدسہ کے فیصلہ کو روند ڈالا۔ ان کے اس منافقانہ کردار کو وہی شخص سند جواز دے سکتا ہے جو کہ خود ان کی طرح منافق ہو، اس قسم کے موقع پر اسلام کافر کے ساتھ تعاون تو درکنار اس کے ظلم وعدوان پر خاموشی کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ ہوا وہ حکم خداوندی کے تحت ہوا اور آج ہمارے حکمران جو کچھ کر رہے ہیں وہ صرف ایک حکم خداوندی نہیں بلکہ درجنوں احکام خداوندیہ کو توڑ کر کر رہے ہیں اور حیرت ہے کہ اس بے دینی اور بے غیرتی کو حکمت اور اسلام کے عین مطابق ہونے کا نام بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ دیا جا رہا ہے اور کچھ دین فروش علماء سوء بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
کس قدر ہو گئے ہیں فقیہان حرم بے توفیق

''میثاق مدینہ'' کافر کے خلاف کافر کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی حکم الٰہی کی اتباع میں۔ صلح حدیبیہ میں کسی حجازی مرد مجاہد کو کسی امریکی درندہ کے حوالے کرنے کی نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ صلبی بیٹے کے اپنے حقیقی والد کے حوالے کرنے کی بات تھی وہ بھی نوروحی کی روشنی میں اس لئے اس موقعہ پر اس کا حوالہ دینا جہالت ہے۔ اسی طرح ''ہجرت'' کا حوالہ دینا بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے ''ہجرت'' تو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے حکم کی خاطر اپنے گھر بار، کنبہ و دیار چھوڑ دینے کا نام ہے اور یہاں تو اپنے ایک خطہ اور کچھ اثاثوں کے تحفظ کے زعم میں دین وملت وخیر باد کہا جا رہا ہے، یہ بزرگ ہم پر ایک اسلامی ضابطہ اَہون البلیتین کے اختیار کا سہارا لے رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ایک تو یہ بلیتین صرف ان کا اپنا ذہنی اختراع ہے واقعتاً ایسی صورت

File Adress

ہرگز نہیں پھر سب سے بڑی بلا تو خون مسلم کا بلا جواز بہانا ہے اور اپنے انتہائی مخلص قابل اعتماد حلیف کو ضائع کرنا ہے، اپنے چودہ سو میل لمبی سرحد کو غیر محفوظ بنانا ہے، اپنی زمین اپنی فضا کو ایک سفاک مکار دشمن کے حوالے کرنا ہے، ایک بے مقصد ظالمانہ جنگ کے نتیجہ میں اپنی معیشت کو تباہ کرنا ہے، اپنے کروڑوں ہم وطن جانثاروں کے جذبات کا خون کرنا اور ملک میں خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے، خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کی بجائے ایک خود غرض بے وفا ملک کا سہارا لینا ہے، پاکستان کوئی مکڑی کا جالا تو نہیں کہ اسے ہوا کا جھونکا ختم کر دے، یہ چودہ کروڑ شمع اسلام کے پروانوں کا ملک ہے، عراق جیسے ملک کو جو بزدل امریکی اور ان کے حواری بارہ سال میں ختم نہ کر سکے وہ بھلا پاکستان کو کیسے ختم کریں گے اور جو ممالک ۵۰ سال سے کشمیر کو آزادی نہ دلا سکے بلکہ اسے غلام بنائے رکھنے میں معاون رہے ان پر اب کوئی احمق ہی اعتماد کر سکتا ہے۔ آخر ایک کافر تمہارے لئے ایک ایسے کافر ملک کو جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے اور چین کا طاقتور حریف ہے، کیسے ناراض کرے گا۔ پھر اگر امریکا چاہے بھی تو کیا انڈیا تمہاری طرح غلامانہ ذہنیت رکھتا ہے کہ وہ امریکہ کے اشارہ پر ناچے گا۔ دشمن ہونے کے باوجود ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ انڈین قیادت نے چاہے وہ کانگریسی ہو یا غیر کانگریسی ہمیشہ اپنے ملکی مفاد کو مقدم رکھا ہے اور ایک آزاد ملک کی طرح آزاد پالیسی کو اپنایا ہے اور کافی حد تک خود مختار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ کاش! جنرل مشرف صاحب اور ان کے وہ نادان مشیر جو اسے امریکی تعاون کا مشورہ دیتے ہیں اور وہ بھی اسلام کے حوالہ سے ''میثاق مدینہ'' و ''صلح حدیبیہ'' اور اہون البلیتین جیسے غیر متعلقہ مباحث میں الجھنے کے بجائے سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انفال، سورۂ توبہ، سورۂ احزاب، سورۂ محمد، سورۂ فتح اور سورۂ صف کی قرآنی ہدایات اور خدائی ارشادات سے ہدایت لیتے اور موجودہ بحران میں اسی کی روشنی میں فیصلہ کرنے اور اسی کے مطابق عملی قدم اُٹھاتے۔ قرآن حکیم اہل ایمان کو یقینی نجات کا واحد راستہ بڑے اہتمام کے ساتھ دکھاتا ہے۔ کاش! ہم بصیرت کے اعتبار سے اندھے نہ ہوتے اور قلبی

شنوائی کے لحاظ سے بہرے نہ ہوتے۔ ارشاد خداوندی ہے:

★یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔(الصف ۱۰)

★تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الصف ۱۱)

★یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔(الصف ۱۲)

★وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا ط نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔(الصف ۱۳)

شوکت عزیز جو خیر سے پاکستان اور پاکستانی عوام کے معاشی مستقبل کی فکر سے بے چین اور دبلے ہوئے جا رہے ہیں اور پاکستانیوں کو اپنے پیٹ کی خاطر اپنا ضمیر اپنا ایمان اپنی عزت اور اپنے ملک کی آزادی تک بیچنے کا گر سکھاتے ہیں اور وہ حلقے ''جو کشمیر یا افغانستان'' جیسی گمراہ کن تعبیرات کے ذریعہ قوم کو بے وقوف بنانے کی سعی کر رہے ہیں، کیا اس فرمان خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں؟ ''عذاب الیم'' کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ تمہارے پیٹ اور کشمیر کے ساتھ تمہارے ان ہزاروں مشکلات کو بھی شامل ہے جو تمہارے وہم وگمان تک میں نہیں ہیں اور ''نصر من اللہ و فتح قریب'' کے الفاظ کے اندر جھانکتے تو تمہیں اپنے کنویں کے علاوہ بھی بڑی وسیع اور لامحدود دنیا نظر آئے گی، جیسا کہ خندق کھودتے وقت بھاری پتھر پر بھوک و پیاس کی حالت میں اور خوف و ہراس کے فضا میں وار کرتے وقت قیصر و کسریٰ کے قصور ومحلات کا نظارہ دکھایا گیا تھا، بشرطیکہ آپ ''وبشر المؤمنین'' کے معیار پر پورے اتریں۔

اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے بحران کا سامنا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا، آپ نے اس بحرانی دور میں حکم کی حفاظت کو حکمت کی رعایت پر ترجیح دی اور رخصت کو

چھوڑ کر عزیمت کی راہ کو اپنایا۔ نامساعد حالات میں کفر، ارتداد اور بغاوت کے سامنے جھکنے کی بجائے ان سے ٹکر لینے کا عزم کیا جس کے نتیجہ میں دین اسلام اور امت مسلمہ کو نئی زندگی ملی۔ سرخروئی، سربلندی نصیب ہوئی، اس لئے نکتہ شناس فلاسفر شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کو کہنا پڑا: ؎

ہمت اوکشت ملت را چوابر

ثانیٔ اسلام ثانیٔ غار وثانیٔ بدر وقبر

سیدنا عثمانؓ وسیدنا حسینؓ اور ہمارے دوسرے اسلاف نے حق کا دامن تھام کر باطل کا مقابلہ کیا اور آنے والی امت کو تعلیم دے گئے کہ باطل کی ہاتھوں اگر کٹنا پڑے تو کٹو، لیکن راہِ حق سے نہ ہٹو، افغانستان کی موجودہ مؤمن قیادت ہمارے اسلاف کی تابناک تاریخ کا یہی سبق دہرا رہے ہیں اور ان کا موقف دینی، عقلی اور سیاسی ہر لحاظ سے سو فیصد برحق موقف ہے اہل باطل سے دبنا اور ڈرنا ڈرانا تو ضعف ایمان یا ایمان کے فقدان کی دلیل ہے اور ان کے ساتھ کوئی تعاون کرنا خصوصا اہل ایمان حق پرستوں کے مقابلہ میں کھلا ہوا نفاق ہے۔ ایسے لوگ سب کچھ ہو سکتے ہیں لیکن مؤمن نہیں ہو سکتے۔ قرآن وحدیث کے درجنوں نصوص کی روشنی میں مؤمن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ تمام کائنات کے نفع ونقصان کا مختار مطلق مالک صرف اور صرف رب کائنات کی ذات گرامی صفات ہے، ان کی نصرت جس کے ساتھ ہو تو کوئی طاقت اسے زیر نہیں کر سکتی اور ساتھ چھوڑ دیں تو کوئی طاقت فتح ونصرت سے ہمکنار نہیں کر سکتی، یہ عقیدہ توحید کا اور ملت ابراہیمی کا بنیادی پتھر ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ "الایمان بین الخوف والرجاء" مشہور دانشور صوفی شیخ مصلح الدین سعدیؒ نے موحد کی یہی شان بتلائی کہ

امید واہراسش نباشد زکس

بریں است بنیاد توحید وبس

اور مولانا علی جوہر نے توحید کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی:

File Adress:

بتوں سے تجھ کو امیدیں اور خدا سے نا امیدی
تو ہی بتا کہ اس بڑھ کر کافری کیا ہے؟

وقت کے طاغوت اکبر اور سب سے بڑے بت امریکہ سے ڈرنے اور ڈرانے والے اور اس سے نفع وفائدہ کی توقع رکھنے والے سورۃ مائدہ کی آیت ۵۱ سے آیت ۵۶ تک کا مطالعہ ذرا کرلیں اور اس شفاف آئینہ میں اپنے چہرے ملاحظہ فرمائیں کہ مؤمنین کے ہیں یا منافقین کے..... اور مذکورہ آیتوں کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے تفسیری فوائد اور تشریحی نوٹس بغور دیکھیں تاکہ انہیں اپنی نام نہاد حکمت پر مبنی فیصلوں کی اصلیت معلوم ہو، ہماری آخری گزارش اس سلسلہ میں یہ ہے کہ پرویز مشرف اور ان کے ہمنوا ہمارے پیارے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بگوش دل سن لیں کہ جس نے مخلوق کو خوش کرنے کی خاطر اپنے خالق کی ناراضگی مول لی تو اس سے نہ خالق کبھی خوش ہوگا اور نہ مخلوق خوش رہے گی اور کسی عارف نے اسی مضمون کو یوں واضح فرمایا ہے:

پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جھکا تو غیر کے سامنے نہ تن تیرا نہ من

خدارا! یہ نفاق اور دوغلا پن چھوڑ دیجئے، اگر آپ اپنی اس منافقانہ پالیسی کو حکمت و دانائی قرار دینے پر مصر ہیں تو پھر تو بہتر یہ ہوگا کہ امریکہ کے ساتھ پاکستان کا الحاق کر کے کنفیڈریشن بنالیں اور اسے امریکہ کی دیگر ۵۲ ریاستوں کی طرح ایک معزز محفوظ اور ترقی یافتہ ریاست کی حیثیت دیں، اقتصادی مشکلات ختم ہوں گی اور مسئلہ کشمیر بھی حل ہوجائے گا اور ملک بھی محفوظ ہوگا، رہی خودمختاری کی بات تو حقیقی مختاری تو نہ اب ہے نہ تب ہوگی، نام کا اختیار دینے میں مہربان امریکی آقا بخل نہیں کرے گا یا پھر ہندوستان کے ساتھ معاہدۂ امن پر دستخط کرلیں تاکہ کھربوں روپیہ کی بچت ہو، ملک اقتصادی ترقی کرے اور ہر وقت خوف و ہراس کی بجائے ملک کے باسیوں کو چین وسکون نصیب ہوجائے۔ کشمیر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے

File Adress

کے لئے پورے ملک کو خطرہ میں ڈالنا، اقتصادی تباہی کے راستے پر چلنا دہشت گردی کے طعنے سننا وغیرہ وغیرہ کون سی حکمت اور عقلمندی کی بات ہے؟ حق تعالیٰ ہم میں بصیرت، ہدایت اور استقامت نصیب فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و الہ و صحبہ وسلم۔

شخصیات وتاثرات

(۳۴)

استاذنا المکرم

عمرہا در کعبہ بت خانہ مے نالد حیات
تا زبزم عشق یک دانائے راز آید بیرون

۱۳۸۶ھ ذیقعدہ کا مہینہ تھا، غیب سے نیوٹاؤن کراچی میں آستانہ بنوریہ پر حاضر ہونے کے اسباب پیدا ہوئے، اور وقت کی اس نادرۂ روزگار شخصیت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، جو بیک وقت قافلۂ محدثین کے امیر، فقہائے وقت کے سرتاج، صلحائے عصر کے صدر نشین، جماعت علماء کے میرِ محفل، مجاہدین تحفظ ختم نبوت کے سپہ سالار اور تمام اہلِ حق کے سرگروہ تھے،

پھر پورے گیارہ سال تک جو اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ ہے، اس آشیانۂ قدس سے وابستہ رہنے کے بعد ۳ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ کو اس نابغۂ وقت کے ظلِ عاطفت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہونا پڑا، آپ کی رحلت سے خرمنِ عقل پر بجلی گری اور گویا حاصلِ زندگی ہاتھ سے جاتا رہا۔

ہرچہ از عقل فزوں شد ہمہ عمرم جوجو
اندریں غارتِ غم جملہ بیک بار برفت

آتے وقت دورۂ حدیث پڑھنے کے لیے چند مہینے قیام کی نیت کی تھی مگر آنے کی بعد جمالِ یوسفی نے کچھ ایسا مسحور کیا کہ نہ وطن کا خیال رہا نہ گھر کا، نہ صحت کی فکر رہی نہ راحت کی۔

صورتِ یوسف نادیدہ صفت میکردیم
چوں بدیدیم زبان از سخن کار برفت

کراچی کی آہن خور آب وہوا نے اگرچہ سی سالہ جوانی میں شصت سالہ بوڑھا بنا کر رکھ دیا، اور بجائے صحت کے مرض روز کا معمول بن گیا مگر حضرت اقدس کی صرف چند لمحوں کی دید یہ سب کچھ بھلاتی رہی۔

گر خونِ تازہ میرود زریش اہلِ دل
دیدارِ دوستاں کہ ببیند مرہم ست

بدقسمتی سے یہ سہارا بھی بالآخر جاتا رہا اور اس محبوب از جان وجہاں شیخؒ نے بھی اچانک اس ویرانہ میں ہمیں تنہا چھوڑ دیا جس کی خاطر ہم اپنے در و دیار کو خیر آباد کہہ کر غربت کو سینہ سے لگائے بیٹھے تھے، یہ بے کسی اپنا مقدر تھی ورنہ حضرت تو مثالی مروّت کے مالک تھے۔ کہنے والے نے شاید ہماری حالتِ زار دیکھ کر کہا تھا:

میرا جی جلتا ہے اس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عش ماشئت فانک میت و احبب من شئت فانک مفارقہ۔

''جتنا چاہو جی لو مگر تمہیں بہر حال مرنا ہے، اور جس سے چاہو دل لگا لو مگر تمہیں اس سے جدا ہونا ہی۔''

ذاتی طور پر تحریکِ ختمِ نبوّت کی کامیابی کے بعد فقیر کو برابر یہ اندیشہ لاحق رہا کہ حضرت اب جلد ہی ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں، اس لئے کہ مقربین بارگاہ کے وجود مسعود سے عموماً جو اہم مقاصد وابستہ ہوتے ہیں ان کے برآنے کے بعد انہیں اس دنیا میں زیادہ دنوں تک رہنے کی زحمت نہیں دی جاتی۔ اسی پریشان کن احساس کا نتیجہ تھا کہ اس تحریک کی کامیابی پر مجھے وہ دلی سرور حاصل نہ ہو سکا جو امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو حاصل ہوا تھا اور یہ اسی طرح کا احساس تھا جو سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو آیتِ تکمیلِ دین کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن پورا ہونے کے وجہ سے ہوا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ تاہم یہ توقع بھی نہیں تھی کہ اس طرح اچانک ہمیں اس صدمۂ عظمیٰ سے دوچار ہونا پڑے گا، اور میرِ محفل کے اٹھ جانے سے دفعۃً یہ محفل ماند پڑ کر یوں قیامتِ صغریٰ قائم ہو جائے گی۔

تھی کھٹک درد کی پہلے سے میرے دل میں مگر
تم میرے پاس سے اٹھے کہ قیامت آئی

حضرتِ والاؒ اگرچہ رحلت فرما گئے ہیں لیکن آپ کا مشن زندہ ہے اور آپ کا لگایا ہوا باغ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنا پھل پھول دیتا رہے گا اور امت آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہے گی، جن صالح، جوان سال اور جوان ہمت حضرات کو اس گلشن کی آبیاری حوالہ کی گئی ہے، امید ہے کہ وہ حضرتؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ کی روحانی توجہ اور اپنے خلوص کی برکت سے اپنی ذمہ داری بطریق احسن پوری کریں گے۔ درسگاہوں، دار

File Adress

الاقاموں کتب خانوں وغیرہ امور کا انتظام حضرتؒ نے اپنی زندگی میں فرمایا، اب تو نقشہ کچھ یوں ہے: ؎

جام مئے لبریز ہے ساقی فقط مطرب نہیں
گل کھلے ہیں باغ میں خالی ہے جائے عندلیب

حضرت اقدسؒ کی خدمت میں عمر کا ایک ثلث گزار کر اپنی نااہلی کی وجہ سے اگر کچھ حاصل تو نہ کر سکا مگر دیکھا بہت کچھ۔ یہاں ہمیں ابنِ سیرینؒ کے تبسم ولطافت کا، حسن بصریؒ کے تفکر ورزانت کا، امام مالکؒ کے ادب واحترام کا، سفیان ثوریؒ کے زہد وقناعت کا، امام ابو حنیفہؒ کی فقاہت وثقاہت کا، امام احمدؒ کی حق گوئی واستقامت کا، اور ابنِ مبارکؒ کی جاذبیت وجامعیت کا عکسِ جمیل نظر آیا۔

ہم نے سیّدی حضرت بنوریؒ کی صورت میں بدرؒ وشہابؒ کو دیکھا کہ صحیح بخاری شریف کی مشکلات کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں، خطابیؒ وطیبیؒ اور ابنِ رجبؒ کو دیکھا کہ حدیث شریف کے لطائف وطرائف بیان فرما رہے ہیں، مزیؒ اور ذہبیؒ کو پایا کہ رواۃ حدیث کے نام ونسب، طبقہ ورتبہ اور حالات وواقعات کا تذکرہ فرما رہے ہیں، ابنِ صلاحؒ وعراقیؒ کو پایا کہ مصطلح الحدیث کے نوع بنوع مسائل پر تذکرہ فرما رہے ہیں، غزالیؒ وشاہ ولی اللہؒ نظر آئے جو دین کے اسرار ورموز سمجھا رہے ہیں، رازیؒ وآلوسیؒ نظر آئے کہ قرآنی حقائق ودقائق کا اظہار فرما رہے ہیں، جرجانیؒ وزمخشریؒ دکھائی دیئے جو قرآن حکیم کے وجوہِ بلاغت واعجاز سے پردے اٹھا رہے ہیں، راغب وابن اثیرؒ دکھائی دیئے کہ غریب القرآن اور غریب الحدیث کی شرح فرما رہے ہیں۔ ابنِ رشدؒ وابنِ قدامہؒ کو مختلف فقہی مذاہب کا مقارنہ کرتے ہوئے پایا، نوویؒ وابن نجیمؒ کو متفرق فقہی جزئیات وروایات کا استقصاء کرتے ہوئے دیکھا، اور ملک العلما کاسانیؒ کی طولانی مباحث کی تہذیب وتنقیح کرتے ہوئے نظر آئے، یہاں ہم نے ابن منظورؒ اور زبیدیؒ کو بھی دیکھا کہ عربی لغت کے اوابد وشوارد کا شکار کر رہے ہیں، اور ابوالعتاہیہؒ اور بوصیریؒ بھی ملے جو اپنا

ناصحانہ کلام اور عاشقانہ مدیح سنا رہے تھے، ہم نے یہاں ابنِ ندیمؒ اور حاجی خلیفہؒ کے کتابیات پر محیر العقول عبور، ابنِ تیمیہؒ کی وسعتِ نظر، ابن قیم کی سلامت فکر، رومیؒ کی عقل ودانش، ابن عبد البرؒ کے رنگ اعتدال، ابن ہمامؒ کی قوتِ استدلال، سیوطیؒ کے تبحر وتوسع، اور کوثریؒ کے تصلب و تعقب کا مشاہدہ کیا، یہاں ہم نے جاحظؒ کی البیان والتبیین کی شستہ زبان سنی، اور اس میں ابوزہرہؒ واحمد امینؒ کی سلامت کی حلاوت کو پایا، یہاں ہمیں قاسمیؒ حکمت، رشیدیؒ تفقہ، محمودیؒ عزم وہمت، انوریؒ علم وتبحر، حسینی جذبۂ ایثار وحریت، اشرفیؒ ورع ولطافت، کفایتؒ اللہی استحضار، اور عطاء اللہی رعب وجلال کا حسین گلدستہ نظر آیا اور بلا شبہ ایک عالم کی صورت میں ایک عالم دیکھا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالَم فی واحد

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ آرائی نہیں اور نہ حدیثِ خواب ہے، حضرت شیخؒ کی صحیفۂ کردار اور کتابِ زندگی کے ہر صفحہ پر ان کمالات کی جھلکیاں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ حضرتؒ کے بہت سارے کمالات ایسے تھے جن کا تعلق صرف مشاہدہ سے تھا، تحریر وتقریر کے احاطہ میں لانا ممکن ہی نہیں بلکہ بعض کا تو ادراک بھی نہ ہوسکا۔

گرصورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کش
ایں شرح بے نہایت کزحسن یار گفتند
حرفیست از ہزاراں کاندر عبادت آمد
قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دومدرکش
حمیدؔ ایں قصۂ عشق است دردفترنمی گنجد

قسامِ ازل نے ہمارے شیخ کو انتہائی فیاضی کے ساتھ ظاہری اور باطنی محاسن و کمالات سے نوازا تھا۔ ایک مردِ کامل کے صفات میں سب سے اعلیٰ اور اہم وصف اخلاص و للّٰہیت سمجھا جاتا ہے کہ وہی مدارِ کار ہے۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص اور انما الاعمال بالنیات وغیرہ بکثرت نصوص اس سلسلہ میں وارد ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں میں یہ وصف سرفہرست ہے اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کا طرّہ امتیاز بھی یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَاناً ہی رہا۔ فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مدّ احدھم ولا نصیفہ کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

اپنے مکرم و معظم شیخ کے صحیفۂ زندگی کا جلی عنوان ہمیں یہی وصف اخلاص نظر آتا ہے، یہ جوہر آپ کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا اور آپ کا ہر اقدام اور فیصلہ اس جذبۂ اخلاص کا نتیجہ ہوا کرتا تھا، اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی للّٰہیت کے قائل رہے۔ اور فقیر کا تو اپنے گیارہ سالہ مشاہدات کی روشنی میں یہ عقیدہ رہا ہے کہ پورے عالمِ اسلام میں اس وصف میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ الا ماشاء اللہ

دنیا کا معمول ہے کہ ہر کام کا چاہے دینی ہو یا دنیوی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ حکومتیں ہوں یا ادارے یا اشخاص و افراد سب کے ہاں تکمیلِ مقاصد کیلئے پروپیگنڈہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تشہیر کے بغیر کسی کام کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا، لیکن حضرت شیخؒ کے کمالِ اخلاص کا نتیجہ تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ نفرت نمود و نمائش سے تھی۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی حیثیت اور خدمات سے کون ناواقف ہے جس کا فیض صرف ملک ہی میں نہیں دنیا کے کونے کونے میں جاری ہے۔ لیکن اس کے لئے آپ نے پروپیگنڈہ کے معروف ذرائع کبھی استعمال نہیں کیے، اور تو اور مدرسہ کی چار دیواری سے باہر آپ کو اس کا بورڈ تک بھی نظر نہیں آئے گا۔

ادارے کی ضروریات کے لئے اپیل یا بیان جاری کرنے کے بجائے ہمیشہ یہ فرمایا کہ یہ کام اسی کا ہے، تمام خزائن کے مالک وہی ہیں، عباد کے قلوب بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں، پھر ہم

File Adress

کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کیوں ذلت اٹھائیں؟

ایسے مواقع پر جب بعض احباب کی طرف سے اصرار ہوتا تو یہ جملہ زبان مبارک پر آتا: اسمعت من ناجیت۔ بس جس کو سنانا تھا سنا دیا، اور جس کو بتانا تھا بتا دیا۔ اور اس اخلاص کا اثر تھا کہ آپ ہمیشہ اپنے رفقاء کار کو یہ تلقین فرماتے رہتے تھے کہ ہماری نگاہیں بجائے کم کے کیف پر مرکوز رہنی چاہئیں۔ آج کل معاش کا مسئلہ پورے بنی نوع انسان کے لئے سب سے بڑا دردِ سر بنا ہوا ہے، ہر شخص کو اس کی فکر ہے حتیٰ کہ بدقسمتی سے خالص دینی مناصب بھی اسی مقصد کے لئے استعمال ہونے لگے ہیں۔ لیکن حضرتؒ نے اس کو صرف حیوانی مسئلہ سمجھا ان کے نزدیک انسانیت کا مقام اس سے بہت بلند و بالا تھا کہ صرف خورد و نوش کو اس کا نصب العین بنایا جائے۔

تعلیمی سال کے افتتاح کے موقعہ پر معمول تھا کہ حضرت شیخؒ طلبہ سے خطاب فرماتے اس کا لب لباب یہی ہوتا تھا کہ آپ صرف رضائے الٰہی کو مقصد بنا کر پڑھیں اس کے علاوہ اور کوئی غرض تمہارے سامنے نہ ہو، حتیٰ کہ علم برائے علم بھی مقصد نہیں ہونا چاہیے، نہ خطابت و امامت وغیرہ دینی مناصب پیشِ نظر ہوں۔

حضرت کا یہ جملہ آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے جو کسی مہمان کے سامنے مدرسے کا تعارف کراتے ہوئے آنجناب نے ارشاد فرمایا: ”نریدان تکون مدرستنا ھذہ دار دین قبل ان تکون دار علم،، اس مختصر سے جملہ کے آئینہ میں حضرت کے قلبی احساسات اور ایمانی شعور کا عکسِ جمیل پورے آب و تاب کے ساتھ جھلک رہا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اپنے ادارہ میں آپ سب سے زیادہ اہمیت واوّلیت صلاح وتقویٰ کو دیتے تھے۔ آپ کا یہ مقولہ تو تقریباً تمام متعلقین کے حافظہ میں محفوظ ہوگا کہ ”ہمیں صالح غبی چاہیے غیر صالح ذکی نہیں“۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ مدرسہ کی تاسیس آپ نے اسی مقصد کے لئے کی تھی۔

خود فرمایا کرتے تھے کہ بنگال میں علماء کے ایک اجتماع میں مدارس کے نصاب میں

File Adress

جدید علوم اور انگریزی داخل کرنے کی تجویز پیش ہوئی، بعض اکابر نے اس کی تائید کی لیکن میں نے اس کے خلاف رائے دی، رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو کر اور اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر پوری قوت سے اذان کی طرح یہ جملہ دہرا رہا ہوں: "النجاۃ النجاۃ فی علوم المصطفی سید السادات ﷺ" الغرض آپ کا ہر قول و فعل اخلاص سے بھرپور ہوتا تھا اور دوسروں کو بھی بتاکید اس کی تلقین فرماتے رہے آپ کی دعوت یہ تھی۔

دنیا دنی کی یہ ہوس جانے دو
گل چین ہو اگر تو خار و خس جانے دو

مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

اور آپ کا فلسفہ یہ تھا۔

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

دنیا کو دنیوی ذرائع سے بقدر کفایت کمانے کے آپ مخالف نہیں تھے، بلکہ اس پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، میرے طالب علمی کے زمانہ کے ایک فاضل رفیق جو روزگار کے سلسلہ میں قطر گئے ہوئے ہیں گزشتہ سال تشریف لے آئے، بعد از عصر بوقت ملاقات حضرتؒ سے ان کا تعارف کرایا تو بجائے عتاب کے کافی دیر تک ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

اخلاص کے بعد دوسری اہم چیز ایمان و اعتقاد کی دولت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاص بھی ایمان ہی کی پختگی کا ثمرہ ہوتا ہے، ایمان کی اہمیت پر کچھ لکھنا شاید یہاں تحصیلِ حاصل سمجھا جائے۔

File Adress:

حضرت الاستاذؒ کی صحبت میں ہم نے کمالِ ایمان اور رسوخِ اعتقاد کے وہ مناظر دیکھے کہ جن سے اپنا کمزور ایمان بھی تقویت حاصل کیے بغیر نہ رہ سکا، ہمارے وہ احباب جنھیں حضرت الاستاذؒ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے گواہ ہیں کہ اثنائے درس حضرتِ والا جب فضائل وغیرہ سے متعلقہ احادیث پر کلام فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا دیکھ کر بتلا رہے ہیں آپ کے لئے خبر گویا خبر نہیں رہی تھی، بلکہ افادۂ یقین میں مشاہدہ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور بارہا مسجد کے منبر پر بھی یہی کیفیت دیکھنے میں آئی، آپ کی قوت ایمانی کا کرشمہ تھا کہ سیاسیات سے الگ تھلگ رہ کر بھی آپ نے وقت کے ایک ایسے عیار و مکار حکمران کے ساتھ کامیاب مذاکرات کیے جس کی مکاری و عیاری بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی تھی اور بلا جھجک آپ نے ہر دور میں حق کا برملا اظہار فرمایا۔ مخاطب چاہے مرحوم جمال عبدالناصر جیسی دنیا کو ہلا دینے والی شخصیت ہو یا مرحوم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان جیسے مقتدر حکمران۔

اخلاص و ایمان کے بعد دینی نقطۂ نظر سے حُسنِ خُلق کا نمبر آتا ہے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بایں الفاظ ظاہر فرمایا:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔"

اور فرمایا:

"انّ اقربکم الیّ یوم القیامۃ أحسنکم اخلاقًا"

قرآن حکیم نے جہاں نماز کی تلقین کی وہاں اس کا ثمرہ یہ بتایا:

"انّ الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر"

اور زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ ساتھ بتلایا:

"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا۔"

جہاں روزے کا مکلف بنایا وہاں روزے کی روح کی طرف بھی راہنمائی فرمائی:

"لعلکم تتقون"

جہاں حج کا ذکر کیا وہاں اس کی بھی صراحت فرمائی:

"فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ"

یہ چند اشارات اخلاق کریمہ کی اہمیت واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ایسی فیاضی سے کام لیتے کہ سفیان ثوریؒ کے بارے میں اہلِ علم کا یہ مقولہ یاد آجاتا:

کانت الدنانیر فی یدہ کأنھا البعر۔

غیرت وبسالت میں اپنا جواب آپ تھے دینی غیرت کا جذبہ آپ کے اندر ایسا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ جب بھی اور جہاں بھی کسی طرف سے حریمِ دین پر حملہ ہوتا تو آپ کے خونِ ہاشمی کا جوش دیدنی ہوتا تھا، بیّنات کے "بصائر وعبر" آپ کی غیرت وبسالت پر زندۂ وجاوید شاہد عادل ہیں۔

قادیانیت، پرویزیت اور دوسرے لادینی عناصر آج بھی حضرتؒ کی غیرت وشہامت کی تلوار کے زخموں سے کراہ رہے ہیں، عصرِ حاضر کے علمائے حق کے زمرہ میں شاید ہمارے شیخ ہی وہ منفرد شخص تھے جس نے دین کے خلاف لکھنے بولنے والے کسی بھی شخص کو معاف نہیں کیا، اپنا ہو یا پرایا، کبیر ہو یا صغیر آپ کی دینی حمیت نے حرماتِ الٰہیہ کے انتہاک کے موقع پر کسی قسم کی مداہنت، مصلحت کوشی اور موقع پرستی کو گوارا نہیں کیا۔

آپ کی پوری زندگی زاہدانہ اور فقر وصبر کا مرقع رہی، فرماتے تھے کہ شادی کے موقع پر صرف ایک جوڑا کپڑوں کا مالک تھا جو پہن رکھا تھا، اسی زہد وقناعت کا اثر تھا کہ ماحضر کچھ بھی ہوتا انتہائی رغبت کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت فاقہ کر کے سوکھی روٹی سے بھی وہ لذت حاصل ہوسکتی ہے جو مرغن اور پُرتکلف کھانوں میں لوگ ڈھونڈتے ہیں۔ زندگی کے آخری سالوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر رزقِ لاتحتسب کے دروازے کھول دیئے تھے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب دوسروں کے لئے وقف تھا اور حضرتؒ کی شانِ فقر اندرونِ پردہ جلوہ گر تھی۔

File Adress

اخلاق ومروت اس شان کی تھی کہ اپنا عزیز ترین وقت علمی کاموں میں عموماً اپنی مروت کے مقتضیات کو پوری کرنے کی وجہ سے صرف نہ فرما سکے، اکثر درس میں اس پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے: لکل شیء آفۃ و للعلم آفات و لعلمی آفات۔ آخری آفات کے مد کو خوب کھینچ کر ادا فرماتے تھے۔

ہر زائر وسائر کے ساتھ ان کی شایانِ شان ہی نہیں بلکہ برتر از شان برتاؤ کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا، اپنے گونا گوں اشغال واعذار کو بھی اس سلسلہ میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر حضرتِ والا نے بنفسِ نفیس خود ڈرگ کالونی کے اسٹیشن پر جا کر فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کا استقبال کیا جب کہ ان دنوں دوسرے مشاغل کے علاوہ آپ کے گھٹنوں کا درد زوروں پر تھا جس کے آپ مستقل مریض تھے۔

غناءِ نفس واستغناء کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ایک واقعہ کافی ہے کہ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں جب کہ آپ کی مالی حالت کافی کمزور تھی حکومت کی طرف سے آپ کو کسی عرب ملک میں سفارتی ذمہ داری سونپنے کی پیش کش ہوئی اور بعض اجلہ مشائخ نے ترغیب دلائی مگر حضرتؒ نے چٹائی کو کرسی پر ترجیح دیتے ہوئے یہ پیشکش شکریہ کے ساتھ واپس کر دی۔

مدرسہ کے معاونین میں سے کسی کے بارے میں اگر آپ کو محسوس ہو جاتا کہ یہ ہمیں ممنون سمجھ کر کچھ دے رہا ہے تو بلا توقف ان کی امداد کو مسترد کر دیتے تھے، چاہے کتنی ہی خطیر رقم کیوں نہ ہو، ایسے موقع پر گویا شاہ غلام علی مجددی دہلوی کا شعر حال دل کا ترجمان ہوتا تھا: ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نے بریم
با بادشاہ گوئید کہ روزی مقرر است

مدرسہ کی طرف سے کسی قسم کی اپیل اور سفیر کے نہ ہونے کا ایک سبب آپ کی یہی خودداری اور استغنا کا وصف بھی تھا۔

احباب واصحاب کے ساتھ آپ کے تعلقات کتنے مخلصانہ اور صدق وصفا کے حامل ہوتے تھے اس کی شہادت حضرتؒ کے مخلصین کی زبانی خود ہی سن سکتے ہیں، اپنے مشاہدہ کی حد تک تو ہم نے حضرت والا کو بہ زبانِ حال یہ کہتے ہوئے پایا: ؎

ماقصۂ سکندر ودارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر ووفا مپرس

اپنی شخصی عظمت کے باوجود تواضع وانکسار کا وصف بھی آپ میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا جو کہ ایک عالمِ ربانی کا امتیازی نشان ہوتا ہے، شخصی عظمت کے مینار کی بلندی کا تو یہ حال کہ دیکھنے والے کے سر سے کلاہ گر پڑے اور خدا گواہ ہے کہ اب تک مشروع القاب کے ڈھیر میں ایسا کوئی لقب نہیں پا سکا جو حضرتؒ کے بلند وبالا قامت کی شایانِ شان ہو، لقب کا ہر جامہ آپ کے قد کی بہ نسبت کوتاہ ہی پایا۔

ایامِ حیات میں جب بھی حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھنے بیٹھتا تو کسی موزوں لقب کا انتخاب میرے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن جاتا تھا اور لاچار ہوکر ''سیّدی واستاذی'' جیسے عام الفاظ پر ہی اکتفا کرنا پڑتا، اب بھی جب حضرت کی عظمت کا تصور کرتا ہوں تو ہاتھوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے، قلم رکنے لگتا ہے اور حضرت والا کی شخصیت پر کچھ لکھنے کی جسارت پر شرمندگی اور ندامت محسوس ہوتی ہے اسی تصور کی بنا پر مزارِ اقدس پر حاضری کے وقت بارہا یہ خیال ابھر آیا کہ اس چھوٹے سے گڑھے میں ہمارا وہ جلیل القدر شیخ کیسے چھپ گیا جو رشد وہدایت کا آفتاب عالم تاب، عظمت وجلالت کا بلند وبالا مینار، علم ومعرفت کا بحرِ بے کنار اور صبر واستقامت کا ہمالیہ تھا، عالمِ وارفتگی میں صاحبِ مزار کو اکبر کی زبان میں مخاطب بھی کیا: ؎

پیمانۂ مئ غم سرشار و بہیشم کر

رفتم سرِ مزارش در بیخودی ومستی

آہے زدل کشیدم گفتم کہ اے مہ من

File Adress:

بایں کمال ورفعت حیف است میلِ پستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونقِ گلستاں
درموسم بہاراں رنگِ چمن شکستی
آخر چہ پیشت آہ اے شمعِ محفلِ من
درگوشۂ نشستی وز انجمن گسستی
اے برق دش چہ داری نسبت بگورتیرہ
اے شعلہ رو بخاک تربت چرانشستی

اور تدفین کے وقت بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساتھیوں سے دل ہی دل میں یہ کہتا رہا:

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ گنجِ زر نہیں

بہرحال اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود جب بھی کسی صاحبِ علم وفضل کا ورود ہوتا تو آپ کی متواضعانہ ادائیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی تھیں اور آپ عجز ونیاز کے پیکر نظر آتے، بسا اوقات واردین حضرات اور حضرت شیخ کے درمیان ثری اور ثریا کی نسبت ہوتی تھی مگر حضرت کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہوتا جیسا کہ اصاغر کا اپنے اکابر کے ساتھ ہوتا ہے، علمی کمال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عظمتِ حق کا نقش دل پر ثبت ہو کہ انسان اپنی خودی کو فنا کر دیتا ہے، عرفانِ حق حاصل ہو اور عجب وپندار بھی باقی رہے یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ خود پسندی کے ساتھ معرفتِ حق کا حصول ناممکن ہے

اہلِ ظاہر جس قدر چاہیں کریں بحث وجدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

حضرت کے کمالات اور محاسن کو حیطۂ تحریر میں لانا تو درکنار مجھ جیسے حقیر کے لئے تو چشمِ تصور وادراک سے بھی ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے، البتہ اپنے معاصرین کی حد تک بلا جھجک یہ کہوں گا: ؎

ولو انني اقسمت ما كنت كاذبا

بأن لم ير الراؤون حبرا يعادله

یہ چند سطور روایتی ''مصری بڑھیا'' کی تقلید میں لکھی گئی ہیں ورنہ:

ع حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

اور ؎

زو صف ناتمام ما جمال یار مستغنی است

بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را

اللهم اغفر له وارحمه وارضه وارض عنه اللهم نور مرقده ونضر وجهه وروح روحه وقدس سره واجعل قبره روضة من رياض الجنة اللهم ارفع درجته واعل مقامه واكرم نزله ووسع مدخله اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده وانفعنا بعلومه وفيوضه وافض علينا من بركاته فاطر السموات والارض انت ولي في الدنيا والاخرة، توفني مسلما والحقني بالصالحين وصلى الله تعالى على صفوة البرية سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وعلى من تبعه الى يوم الدين وبارك وسلم۔

(۳۵)

حضرت مولانا غور غوشتوی رحمہ اللہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سیدی ومولائی حضرت غور غشتوی اعلی اللہ سبحانہ مقامہٗ آسمان معرفت کے ایک درخشندہ اور ممتاز ستارے تھے جو غور غشتی کے مطلع سے جلوہ نما ہوئے اور ایسے دور میں جس میں الحاد وزندقہ، شرک وبدعت، جہالت وضلالت کی نوع بہ نوع ظلمات تہ بہ تہ جمی ہوئی تھیں، تقریباً ساٹھ سال تک رشد وہدایت اور علم ومعرفت کی روشنی پھیلاتے رہے۔ اور آخر کار ۵ ذیقعدہ کو

جبکہ ظاہری سورج طلوع ہو رہا تھا۔ واہ کینٹ کے فوجی ہسپتال میں اس کا معنوی سورج غروب ہوگیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات سے علمی اور روحانی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا، اس کو اکابر وقت نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور مختلف پیرایوں میں اپنے جذباتِ غم ظاہر کیے۔ ہم جیسے بے حس لوگوں کو بھی یہ محسوس ہونے لگا کہ تقویٰ وطہارت کے طالبین ایک خضر راہ سے محروم ہوگئے اور خصوصاً سرزمین سرحد یتیم ہوکر رہ گئی۔ "موت العالِم موت العَالَم" کا صحیح اور نہایت واضح نقشہ سامنے تھا۔

پاکستان کے ممتاز دینی جریدہ "ترجمان الاسلام" نے خاص نمبر شائع کرنے کا عزم ظاہر کیا اور یہی اس سے متوقع بھی تھا۔ کیونکہ اسلاف کے ناموس کا تحفظ اور ان کے اسوۂ حسنہ کی طرف دعوت اس کا مایۂ افتخار نشان ہے۔ بندہ نے بار بار چند سطور لکھنے کا ارادہ کیا۔ مگر سیدی حضرت غور غشتوی کے اعلیٰ وارفع مقام کو دیکھتے ہوئے حیا مانع ہو رہی تھی کہ مجھ جیسا بے مایہ اور ظلوم وجہول حضرتؒ کی شان میں کچھ لکھے، "فاین الثریا من الثری واین الخذف من السھی" کسی بھی چیز پر تبصرہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جبکہ تبصرہ نگار کو اس کے حدود اربعہ کا علم ہو۔ آخر کار اس خیال سے کہ حق ادا کرنا اگرچہ ناممکن ہے، مگر حضرت کے ثنا خوانوں کی صف میں صرف جگہ ملنا ہی بڑی غنیمت ہے۔ یہ چند سطور بطور نذرانۂ عقیدت کے پیش خدمت ہیں۔ حضرتؒ کی مثالی زندگی کا پورا نقشہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ دیگر اہلِ علم وفضل کے مضامین میں دکھائی دے گا، کیونکہ "انما یعرف ذالفضل من الناس ذووہ"۔ تاہم اپنی بساط کے مطابق چند گزارشات پیشِ خدمت ہے۔ شاید رحمتِ حق کے میلان کا ذریعہ بن جائے۔ "تنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین"۔

حضرت شیخ کی زندگی کے مختلف پہلو:

حضرت الشیخ روح اللہ تعالیٰ روحہٗ کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنے اندر کامل جاذبیت کی شان رکھتا ہے۔

کس ادا پہ جان دوں تو بتا اے چشمِ یار
ہر طرف کہ دیکھتا ہوں حسن کی تصویر ہے

آپؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ایک ادارہ تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات سے اللہ عزوجل نے وہ کام لیا جو ایک ادارہ تو کیا چند ادارے مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ علمی حیثیت سے دیکھیں تو ایک ہی وقت میں آپ محدّث بھی اور ماہر فنون بھی۔ عملی حیثیت سے دیکھیں تو قرونِ اولیٰ کے قافلے کے ایک راہ رو کا گمان ہو، جس کا قول و فعل سنتِ رسول نبویہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو "الذین امنوا و کانوا یتقون اور اذا رؤا ذکر اللہ" کی عملی تصویر نظر آتے تھے۔ شریعت غراء کے جادۂ مستقیمہ پر ایسی استقامت جس کی مثال تلاش کرنے سے نہ ملے۔ وہ استقامت جو ولی اللہ کی حقیقی کرامت ہوتی ہے، جس کے سامنے ہزاروں تکوینی کرامات محض ہیچ ہوتی ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے آپ کا مطالعہ کریں تو اعتدال کا ایک نمونہ جس میں جلال و جمال کا حسین امتزاج ہو۔ آپ کی سادگی اور خلوص نیت اور تقویٰ و طہارت، زہد عن الدنیا اور اقبال علی الآخرت جیسے خصائل کو دیکھ کر صحابۂ کرامؓ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ الغرض آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمالات کا ایک مجموعہ بنایا تھا جن کا احاطہ زبان و بیان سے نہیں ہو سکتا۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ
یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

حضرتؒ کی شخصیت:

واقفِ حال حضرات جانتے تھے کہ حضرت مولانا کی شخصیت پاکستان کے شمال

مغربی حصہ اور قبائلی علاقہ اور افغانستان کے ایک وسیع خطہ کے لئے تقریباً وہی حیثیت رکھتی ہے جو کہ اہلِ ہند کے لئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے۔ حضرت مولانا کی ذات بابرکات ہی کی وجہ سے یہ وسیع وعریض علاقہ احادیث نبویہ کی روشنی سے روشناس ہوا اور تقریباً ہر اہم قصبہ میں آپ کے فیض یافتہ لوگ پہنچ گئے۔ اس علاقہ پر آپؒ کا وہ عظیم احسان ہے جو صدیوں تک فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ آپ کے روحانی فیض سے لاکھوں عوام متأثر ہوئے اور جاہلانہ رسوم اور بدعات کو خیرباد کہا، اور لاتعداد لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر فسق وفجور کی زندگی سے کنارہ کش ہوکر بیعت ہوئے اور ہزاروں طالبانِ حق وقت کے پیرانِ ضلالت کے مہلک پنجوں سے نجات پاگئے۔ حضرت الشیخؒ کی اصلاحی جدوجہد کو دیکھ کر یہ یقین کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذکورہ بالا خطہ کے لیے آپ کا مقام ایک مجدد کا مقام تھا۔ آپؒ کی وجہ سے بہت ساری سنن کا احیاء اور بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا۔ توحید وسنت کی اشاعت جتنی آپ کی ذات گرامی کی وجہ سے ہوئی اس کا عشر عشیر بھی بعض نام نہاد داعیانِ توحید کی پوری جماعت کے شور وغل سے نہیں ہوا۔ مگر باجود اس کے انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ وقت کے اس عظیم محدث اور جلیل القدر مصلح (جس کی پوری زندگی سنتِ مصطفویہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی) کی طرف بھی بعض زبان درازوں نے ابتداع کی نسبت کی۔ یہ شپرہ چشم خود بینی کے نشہ میں مخمور حضرت کے روزِ روشن کی طرح واضح تجدیدی کام کو دیکھنے سے قاصر رہے۔ "ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور"۔ ان حضرات کے پاس عجیب قسم کی عینکیں ہیں، جن کو لگا کر سارے صلحائے امت العیاذ باللہ یا تو مشرک نظر آئیں گے یا کم از کم مبتدع، اور ان حضرات کی وسعتِ نظر کا یہ حال ہے کہ پورا دین ان کے نزدیک صرف معدودے چند مسائل کا مجموعہ ہے جن کے استحسان اور ابتداع میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

بہرحال یہ چند جملے استطرادًا دردِ دل کی وجہ سے تحریر میں آگئے، ورنہ اس قسم کے لوگوں کو معذور سمجھنا ہی اَنسب ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کی حیثیت بھی ایسی نہ ہو کہ اُن کی تنقید کی

طرف توجہ دی جائے۔ "واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم" جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت غورغشتویؒ کے زندگی کے مختلف حسین پہلو ہیں جن پر تفصیلی گفتگو کرنا نہ ہمارے بس کی بات ہے اور نہ یہاں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ کسی خوش قسمت کو حضرتؒ کی سوانح حیات لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو وہ ان پہلوؤں پر روشنی ڈال دے گا۔ اور ہم تو بس اس قدر کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

دامانِ نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو دامان گلہ دار

کمالات:

حضرت الشیخ نوراللہ تعالی مرقدہ کے کمالات میں سب سے نمایاں وصف جو ہمیں نظر آرہا ہے وہ خلوص نیت اور للّٰہیت ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو عبادت کی جان ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی اہمیت جابجا واضح کی، ارشاد ہے:

"وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین"

اور فرمایا: "الا للہ الدین الخالص"

ارشادِ نبوی ہے: "انما الاعمال بالنیات"

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عبادات کا مدار خلوص نیت پر ہے۔ اس لئے ایک کامل "بندہ خدا" کی زندگی میں یہ وصف سرفہرست ہونا چاہیے اور حضرت شیخ کے خصال الخیر میں یہ صفت ہمیں اسی مقام پر نظر آتی ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ حضرتؒ نے کسی دینی خدمت پر کبھی معاوضہ نہیں لیا اور نہ اس بات کی کبھی کوشش کی کہ آپ کی ذات کی کچھ تشہیر ہوجائے۔ آپ کو جو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ محض عنداللہ تھی۔ "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا" کے وعدہ کی ایفاء کی صورت تھی۔ آپ کے ساتھ پہلے پہل خواص، اہل دین

واہل علم نے تعلق قائم کیا، پھر عوام کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہوئی۔ اور یہی نشانی ہے کسی شخص کے مقبول عنداللہ ہوجانے کی۔ آپ سے فارغ التحصیل علماء کی تعداد اتنی ہے کہ بلا مبالغہ مغربی پاکستان کے کسی بھی مدرسہ کے فضلاء کی تعداد اتنی نہ ہوگی، مگر اس اہم حقیقت کا ابھی تک بہت کم لوگوں کو علم ہوا۔ آپ کے شبانہ روز جدوجہد سے افغانی قوم کی تعلیمی پالیسی میں انقلاب آیا۔ مگر اس مردِ خدا نے اشارہ تک کبھی اس طرف نہیں کیا۔

دوسری خصوصیت جو حضرت شیخؒ کو عطا فرمائی گئی وہ علم دین کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہے۔ ایام زندگی کا معتد بہ حصہ اس اہم کام میں صرف ہوا، اور تقریباً چالیس سال تک لوجہ اللہ تعالیٰ تفسیر وحدیث اور فقہ اسلامی کا درس دیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں حاضرین کی تعداد تقریباً اتنی ہوتی تھی جو اس وقت دار العلوم دیوبند کے مشائخ عظام کے ہاں ہوتی تھی باستثنائے حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے۔ اور پھر درس بھی اپنی خداداد حدیثی اور فقہی ذوق کے ساتھ اسلاف کے طریقہ پر دیا جس کی بنا پر ایک طرف اگر آپ کے فیض یافتگان کے قلوب میں اتباع سنت اور اجتناب عن البدعۃ کا جذبہ موجزن ہوا، تو دوسری طرف یہ حضرات ''بے لگام'' بھی نہیں ہوئے، بلکہ احترامِ سلف اور ان کے بیان فرمودہ تشریحات کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا، الا من شذ منهم۔

حضرت شیخؒ کی حدیث فہمی اور تفقہ کا کچھ اندازہ آپ کے تحریر فرمودہ حواشی مشکوۃ کے مطالعہ سے لگا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح صحیح بخاری پر شیخ الشیوخ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حواشی قارئین کو دیگر شروح سے کافی حد تک مستغنی کر دیتے ہیں، اسی طرح مشکوۃ المصابیح جیسی متداول کتاب کے قارئین کے لئے حضرت شیخ کے حواشی کفایت کر دیتے ہیں۔ بندہ کی نظر سے تفسیر بیضاوی کا ایک نسخہ گزرا۔ جس پر کسی صاحب نے حضرت الشیخ کے درسی افادات درج کیے تھے۔ جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ آپ نے کسی تحقیقی انداز اور بصیرت کے ساتھ تفسیر پڑھائی۔

تیسری خصوصیت جو حضرت غور غشتوی قدس اللہ سرہٗ کے صحیفۂ کردار میں عمیق نظر آرہی ہے وہ آپ کے تقویٰ وطہارت اور سنت نبویہ کی اتباع ہے۔ جن حضرات کا آپ سے قریبی تعلق رہا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت نہ صرف یہ کہ عبادات میں طریقہ مسنونہ کے پابند تھے بلکہ اخلاق وعادات میں بھی سنت نبویہ کا نہایت اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حتی کہ راہ سنت پر چلنا آپ کا مزاج بن گیا تھا۔ تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہیؒ کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بعد جب بھی حضرت کی قدم بوسی کا موقعہ ملا تو ان حالات کا حساً مشاہدہ کیا۔

چوتھی امتیازی بات جو حضرت غور غوشتویؒ کی زندگی مین پائی جاتی تھی وہ دین حق کی سر بلندی اور حفاظت کے لئے دل میں بے پناہ جذبہ اور تڑپ تھی۔ اعداء دین نے جب بھی کوئی سازش کی تو آپ نے علمائے حق کے شانہ بشانہ اس کے خلاف تحریک چلانے میں حصہ لیا۔ ماضی قریب کی مذہبی تحریکوں میں سب سے اہم تحریک سرور کائنات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت کے تحفظ کے لئے چلی جس پر انگریز کے پروردہ بعض لیڈروں نے حملہ کرنا چاہا تھا۔ اس تحریک میں حضرتؒ نے بھرپور حصہ لیا اور باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے بہ نفسِ نفیس معہ اپنے صاحبزادہ کے فراعنۂ وقت کے ہاتھوں جیل کی صعوبتیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں۔ اسی طرح جب بھی موقعہ پیش آیا تو آپ نے کلمہ حق بلند کرنے سے گریز نہیں کیا۔ جمعیت علمائے اسلام جو سیاسی محاذ پر اہل حق کی سب سے بااثر اور نمائندہ جماعت ہے۔ آپ نے ہمیشہ اس کی سرپرستی کی اور متعلقین کو تعاون کی ترغیب دی اور زندگی بھر اس کی حمایت جاری رکھی۔ خود بندہ کے کانوں میں ابھی تک حضرتؒ کی زبان فیض رساں سے نکلے ہوئے یہ کلمات گونج رہے ہیں، جو کہ ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمائے: ''میں نے بندوق چلانا اس لئے سیکھ لیا ہے تاکہ جہاد کے لئے اس کو استعمال کرسکوں''۔

سرحدی عوام کو گمراہ فرقوں کے شکار ہونے سے بچانے کے لئے آپ کا وجود مسعود اہم

ترین ذریعہ تھا۔ آپ ہی کے طفیل ماڈرن سائیت جو ''مودودیت'' کی شکل میں نمودار ہوئی ہے، سرزمین سرحد میں اپنے قدم جما نہ سکی اور اسی طرح آپ ہی نے جدید خارجیت کا راستہ روک لیا تھا۔ جدال ونزاع سے طبعی نفرت کے باوجود ان فتانوں کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار میں کبھی تساہل سے کام نہ لیا، بلکہ واضح اور دوٹوک فتویٰ دیا۔ مصلحتِ وقت کے پجاریوں کی طرح گول مول بات نہیں فرمائی۔

ان تمام ظاہری اشغال کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے تزکیہ وارشاد کا فریضہ بھی ادا فرمایا، اور اپنے پیر ومرشد مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض کو عام کردیا۔ جو وقت کے ایک عظیم مجاہد، توحید وسنت کے داعی اور پاک باطن صوفی تھے۔ شرک وبدعت کے خلاف اس مردِ جلیل نے نہایت استقامت کے ساتھ جہاد کیا۔ حضرت غورغشتویؒ کی سیرت پر ''حسینی'' رنگ بالکل آشکارا تھا۔ حضرت غورغشتویؒ نے اپنے مرشد کے سلسلہ ارشاد کو زندہ رکھا، اور بے شمار لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا، اور بہت سے متوحش قلوب نورِ معرفت سے منور ہوکر حق تعالیٰ شانہ اور اس کے دین سے مانوس ہوئے۔ ظاہری علوم کے درس کا سلسلہ جب ضعف ونقاہت کی وجہ سے موقوف ہوا تو آپ ہمہ تن ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔

وعدہ وصل چوں قریب شود
آتش عشق تیز تر گردد

زندگی کے آخری سالوں میں محبوب حقیقی سے جا ملنے کا سخت داعیہ قلب اطہر میں تھا، حتی کہ اگر کوئی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتا تھا تو آپ اظہار خفگی فرماتے تھے۔ اسی جذبہ وشوق نے چند سالوں سے اپنے معشوق کے در پر حاضری دینے کے لیے بے تاب کر رکھا تھا۔ مگر گورنمنٹ کی غلط حج پالیسی راستہ میں رکاوٹ رہی۔ اس سال بعد از انتظار بسیاری منظوری ملی مگر رب البیت نے اپنی آثار اور در ودیوار کے بجائے اس نحیف الجسم عاشق کو اپنی لقا سے نوازا۔

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ انہ بعبادہ لرؤف رحیم رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ

(۳۶)

جنرل ضیاء الحق شہیدؒ: چند اعتراضات کا جائزہ

روزنامہ جنگ کے ادارہ کی ہمارے جلیل القدر شیخ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت تھی، اس لئے ہمیں بھی اس سے قلبی لگاؤ رہا، اگرچہ کبھی کبھار ملک وملت کے مفاد کے خلاف بعض شائع شدہ مضامین کی وجہ سے شکایت بھی پیدا ہوتی رہی، لیکن دیر پا ثابت نہیں ہوئی، اب جب سے پاکستان بلکہ عالم اسلام کے قابل صد فخر اور نامور فرزند جنرل ضیاء الحق جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور پیپلز پارٹی کو معمولی سی اکثریت حاصل ہوئی ہے۔ حیرت انگیز حد تک اس اخبار کا رویہ بدل گیا ہے، نام کے حقانی صاحب کے گمراہ کن مضامین اور ایک ریٹائرڈ پولیس افسر کی الحاد آفرین تحریروں کی اشاعت کچھ کم باعث اذیت

نہ تھی کہ اب فاضل مدیر کے بھی ایسے ادارتی نوٹ چھپنے لگے ہیں جن میں دن کو رات اور حق کو باطل باور کرانے کی کوشش ہوتی ہے۔ مرکز اور پنجاب کے تعلقات کے بارے میں ان کے کل کے اداریہ میں یہ جھلک نمایاں تھی۔ آج ۱۸ جنوری کے شمارہ میں ''اسلام کی جنگ'' کے عنوان سے جو ادارتی شذرہ شائع ہوا ہے، اس نے تو تلبیس کی حد کر دی ہے اور انصاف کا کھلا خون کیا ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جنگ جیسے کثیر الاشاعت روزنامہ میں خصوصاً اس کے اداریہ میں اتنا سفید جھوٹ اتنی بے باکی کے ساتھ شائع ہو کر کروڑوں مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کر سکتا ہے۔ اس ادارتی تحریر میں ایک ہی سانس میں تقریباً ایک درجن گھناؤنے الزامات کی فہرست پیش کر کے مرحوم و مغفور غازی و شہید مرد حق کے دور حکومت کی ہر خوبی سے انکار کیا گیا ہے۔ مجھے اس قسم کے مباحث کی تفصیلات عرض کرنے کی فرصت ہے نہ پاکستان کے شیدائیوں کے لئے ان کی ضرورت۔ اس لئے مذکورہ ادارتی نوٹ کی بارے میں مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں اور اُمید ہے کہ جمہوریت کا راگ الاپنے والے فاضل مدیر نہ صرف اسے خود پڑھنے کی زحمت اٹھائیں گے، بلکہ شائع کر کے اخلاقی جرأت کا ثبوت دیں گے، اس اداریہ میں مرحوم صدر پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے ہیں:

(۱) مرحوم کا دور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا دور تھا۔

(۲) آئین شکنی کا دور تھا۔

(۳) سیاسی انتشار کا دور تھا۔

(۴) اس کے دور حکمرانی میں نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات ابھرے۔

(۵) غیر جماعتی انتخاب کی بدعت ایجاد ہوئی۔

(۶) جمہوری اداروں کو تباہ کیا گیا۔

(۷) منشیات اور کلاشنکوف وغیرہ کو فروغ ملا۔

(۸) اپنے ذاتی اقتدار کے لئے ریفرنڈم جیسا غیر آئینی اقدام کیا گیا۔

File Adress:

(۹) اسلام کا نام لوگوں کو بہلانے کے لئے لیا۔

(۱۰) نظام زکوۃ وصلوۃ تک خود کو محدود رکھ کر صحیح معنوں میں اسلام نافذ نہیں کیا۔

(۱۱) لولی لنگڑی جمہوریت کا اپنا لگایا ہوا پودا خود ہی ختم کیا۔

(۱۲) ان کا دور اقتدار قومی اور ملکی مفادات کے نقطہ نظر سے قابل فخر نہیں تھا۔

جہاں تک شہید صدر پر اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے الزام کا تعلق ہے تو میں کہتا ہوں کہ اولاً تو یہ لوٹ کھسوٹ ۱۹۷۴ء سے جاری ہے۔ ۱۹۷۴ء سے پہلے کے ادوار ان کے سامنے نہیں ہوں گے۔ ہم اگر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک سات سالہ دور کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا جائزہ لیں تو بشرط انصاف ضیاء مرحوم پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی، پھر اس مبینہ لوٹ کھسوٹ میں مرحوم راہنما کے شریک اور ملوث ہونے کا الزام مرحوم کا بدترین دشمن بھی اس پر نہیں لگا سکتا الا یہ کہ شرم وحیا کا لباس بالکل ہی اتار بیٹھے۔ معاف فرمایئے ضیاء مرحوم کی دور میں اگر کچھ لوٹ کھسوٹ ہوئی بھی ہے، تو وہ بھی آپ جیسے بظاہر کچھ اور بباطن کچھ حضرات ہی نے کی ہے، مرحوم کا دامن اس سے پوری طرح محفوظ رہا ہے۔

جہاں تک آپ کے دوسرے الزام کا تعلق ہے تو محترما! صرف ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء تک کی آئین شکنیوں کی ساتھ اگر مرحوم کے دور کی آئین شکنیوں کا موازنہ کیا جائے، تو اول الذکر کا پلہ صرف بھاری ہی نہیں بلکہ بہت بھاری ثابت ہوگا۔ پھر خالق کے آئین کی خاطر مخلوق کے بنائے ہوئے آئین کو توڑنا، آپ کے نزدیک عیب اور جرم ہو تو ہو، بحیثیت ایک مسلمان ہم اس کو جہاد سمجھتے ہیں۔

رہا آپ کا تیسرا الزام یعنی سیاسی انتشار کا تو یہ بھی مرحوم صدر کے ساتھ آپ کی بہت بڑی زیادتی ہے، مرحوم نے تو ایسے عناصر کے ساتھ بھی ہمدردانہ رویہ اختیار کیا، جنہیں آپ اور آپ کے ممدوح نے ہمیشہ چھوت کا مریض سمجھا۔ جنہیں آپ کے چہیتے حکمرانوں نے غداری کے سرٹیفکیٹ دیے، انہوں نے تو اسلام کی طرف اور امن وآشتی کی طرف دعوت دیکر ہر قسم کی

File Adress

انتشار کو ختم کرنا چاہا۔ جبکہ اقتدار کے بھوکے، خود غرض سیاسی عناصر پورے گیارے سال تک انتشار ہی انتشار کے پھیلانے کی سعی میں مصروف رہے۔

اور آپ کا پانچواں الزام (یعنی نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات ابھارنا) تو یہ پہلے سے بھی بڑھ کر غلط اور ظالمانہ ہے۔ مرحوم نے اسلامی اخوت پر ہمیشہ زور دیا۔ معاشرے میں اسلام کو رواج دینے کی کوشش کی، تاکہ یہ سارے جاہلانہ تعصبات ختم ہوں، جس کے جواب میں ان کے مخالفین نے ان تعصبات کو ابھارا۔ مرحوم تو اس زہر کو معاشرہ سے ختم کرنے کے لئے غیر جماعتی انتخاب تک کا فلسفہ پیش کر چکے، یہ دوسری بات ہے کہ ہم اور آپ نے اس سے غلط فائدہ اُٹھایا۔ بارانِ رحمت سے اگر زمین شور میں بوم وخس نکل آتے ہیں، تو اس میں باران کا کیا قصور ہوسکتا ہے؟ منشیات اور کلاشنکوف کلچر کی دلدادہ کل بھی ضیاء الحق کی مخالف تھے آج بھی ہی ہیں۔ الحمدللہ مرحوم کی سچے دوستوں اور حامیوں کا اس سے کبھی تعلق نہیں رہا۔

رہی جمہوری اداروں کی تباہی کی بات تو معلوم نہیں آپ کی مراد کون سے جمہوری ادارے ہیں ۷۷ء کی شرمناک دھاندلی سے وجود میں آنے والے ادارے!! جنہیں در حقیقت قوم نے توڑا۔ مرحوم نے تو صرف آخری لات ماردی جس پر پوری قوم نے اسے ہدیہ تبریک پیش کیا اور خود آپ نے بھی اپنے ادارتی کالموں میں خراج تحسین پیش کی۔ یا ۸۵ء میں وجود میں آنے والی اسمبلیاں مراد ہیں، جو اس شرط پر وجود میں لائی گئی تھیں کہ وہ نفاذ شریعت کی عمل کو آگے بڑھائیں، آگے بڑھانے کی بجائے جب رہی اسمبلی رکاوٹ بنی، تو اس کی بقاء کا کیا جواز تھا۔ مزید بران پس پردہ اور بھی بہت سارے حقائق ہیں، جن کو سامنے لانا قرین مصلحت نہیں اور غیر جماعتی انتخاب کو بدعت قرار دینا، زلفِ فرنگ کے اسیر کا فیصلہ ہی ہوسکتا ہے۔ اسلام کے مثالی دور صدر اول میں جماعتی انتخاب کا نام ونشان نہیں ملتا جن لوگوں نے اُس دور میں تحزب کی ناکام کوشش کی اہل حق نے انہیں دشمن اسلام قرار دیا اور ان کی اسلام دشمنی پر تاریخ بھی مہر تصدیق ثبت کی، جب کہ آج بھی اُمت مسلمہ اس کے تلخ نتائج کا سامنا

File Adress:

کر رہی ہے۔

آپ کا آٹھواں الزام یہ ہے کہ مرحوم نے ریفرنڈم ذاتی اقتدار کے استحکام کے لئے کرایا، یہ بھی آپ کی بصیرت سے محرومی کی کھلی دلیل ہے۔ اسی ریفرنڈم نے اسلام کے لئے کئے گئے کچھ اقدامات (جسے مرحوم کے شدید مخالف بعض مذہبی سیاسی راہنما بھی تسلیم کرنے لگے ہیں) کو تحفظ دیا اور ساتھ ساتھ جمہوریت کے پجاریوں کو بتدریج لیلائے جمہوریت سے ہمکنار کر دیا۔ اس اقدام کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دینا اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جو خود ذاتی مفادات کا اسیر اور خود غرضی کا خوگر ہو۔

یہ بھی جناب کا شرمناک جھوٹ ہے کہ مرحوم صدر نے محض لوگوں کو بہلانے کے لیے اسلام کا نام لیا۔ ہمارا چیلنج ہے کہ صدر مرحوم کے گیارہ سالہ دور کے مقابلہ میں اس سے پہلے ۲۹ سالہ دور میں اسلام کے لئے کئے گئے اقدامات کو زیادہ یا اس کے مساوی ثابت کرے جبکہ یہ بھی واضح رہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا سابقہ حکومت کی مجبوری تھی، یہ فیصلہ نہ کرتے تو اسی تحریک کے نتیجہ میں اس کی کرسی الٹ جاتی اور اسلام کا نام پاکستان کا ہر ایک حکمران لیتا رہا ہے، اس لئے کہ پاکستان بنا ہی اسلام کے نام پر اسلام ہی کے لئے تھا۔

آپ نے اپنے دسویں اعتراض میں مرحوم کی نیت پر حملہ کر کے کہ وہ نظام عشر و زکوۃ اور نظام صلوۃ وغیرہ سے خود ہی آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھے، نہ صرف اسلامی تعلیمات اور انسانی شرافت کا منہ چڑایا ہے، بلکہ در پردہ نظام زکوۃ وصلوۃ کی تحقیر کی کوشش کی ہے۔ آپ جیسے حضرات کے نزدیک معیاری اسلام شاید مغربی نظام جمہوریت یا مشرقی حیوانی نظام معیشت سے عبارت ہو لیکن اسلام کا اولین منبع قرآن حکیم مسلمان حکمران کا پہلا فریضہ اقامت صلوۃ وایتاء زکوۃ کا اقدام ہی قرار دیتا ہے۔ ہمیں تو مرحوم سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے اس فریضہ کی طرف پوری توجہ نہیں دی، ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتے ہیں کہ جب تک مسلمان حکمران اقامت صلوۃ کا پورا پورا اہتمام نہیں کریں گے، اسلامی نظام کبھی عملاً وجود میں نہیں آئے گا۔

File Adress

مرحوم کا فرض تھا کہ نماز کی ادائیگی ہر مسلم پر از روئے قانون بھی لازم قرار دیتے اور عدم ادائیگی نماز کو سخت ترین تعزیر کا موجب جرم قرار دیتے۔

پھر ضیاء شہید نے اگر صحیح معنوں میں اسلام نافذ نہیں کیا، تو یہ فقط اسی کا جرم ہے، کیا پاکستان معاشرہ اس کے لئے تیار ہے اور اس پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے تربیت یافتہ عملہ موجود ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۹۹ فیصد قانون سے وابستگی رکھنے والا طبقہ حقیقی اسلام کے نفاذ کا اعلانیہ مخالف ہے، پھر اسلام کا وہ عظیم حصہ جو عدالت سے تعلق نہیں رکھتا قوم نے کس حد تک قبول کر لیا ہے اور جنگ کی فاضل مدیر ایمانداری سے بتلائیں کہ وہ خود کس حد تک اس پر عمل پیرا ہیں اور اپنے محدود خاندان میں کتنا نافذ کیا ہے، تاکہ انہیں ضیاء مرحوم کو صحیح معنوں میں اسلام نافذ نہ کرنے کا طعنہ دینے کا حق دار سمجھا جا سکے۔ ضیاء مرحوم نے بلاشبہ اسلام کی ایسی جنگ لڑی جو اس دور کا کوئی دوسرا لیڈر نہیں لڑ سکا اور اس سے بڑھ کر لڑنے کی توقع انگریزی نظام تعلیم کے ساختہ و پرداختہ ذہن سے کی بھی نہیں جا سکتی۔ مرحوم کی محنت کا ثمر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ۷۷ء اور ۸۸ء کی پاکستان معاشرہ میں نمایاں فرق آیا ہے، آج کی حالت الحمد للہ ۷۷ء سے بدرجہا بہتر ہے، اگرچہ مرحوم کی شہادت کے بعد لادینیت اور مغربیت پھر سے پیر و پر پھیلانے لگی ہیں، ان حقائق کو جو شخص محسوس نہیں کرتا، وہ یا تو اسلامی تعلیمات سے محض کورا ہے، یا پھر تعصب اور عناد نے اسے شپرہ چشم بنا رکھا ہے، جو کہ لاعلاج مرض ہے، ہم تو اپنے رب کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں کہ مرحوم کے دور حکمرانی میں لادینیت کی رو میں وہ تیزی نہیں رہی تھی جس کا مشاہدہ سابقہ ادوار میں ہوا، مسجد سے لے کر بازار تک میں شہید صدر کے زمانہ اقتدار میں اسلامی رنگ نمایاں نظر آیا، آج بھی بے نظیر اگر دوگانہ پڑھنے کی بات کرتی ہے، عمرہ کے لئے جاتی ہے، دوپٹہ سر سے نہیں اتارتی، سوشلزم کا ورد ان کی زبان سے اور ان کے رفقاء کی زبانوں سے سنائی نہیں دیتا، تو یہ سب مرحوم صدر کی اسلامی پالیسی کی برکات ہیں، رہی لولی لنگڑی جمہوریت کو ختم کرنے کی بات تو اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ ۱۶ نومبر کی تاریخ

بھی تو اسی صدر نے مقرر کی تھی جس نے بساط لپیٹ لی تھی۔ پھر یہ موجودہ جمہوریت کیا لنگڑی نہیں ہے، مغرب کی ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے ورنہ موجودہ نظام کو جمہوری کہنا ہی جہالت ہے۔ پوری آبادی پر ایک حقیر اقلیت مسلط ہے اور یار لوگ جمہوریت کا جشن منا رہے ہیں، پنجاب کی جو آبادی کی لحاظ سے ملک کے نصف سے بڑھ کر حصہ ہے، پر انتخابات میں ہارا ہوا شخص گورنر ہے اور وزارت قانون جیسا عہدہ ایسے شخص کے پاس ہے، جو ہزار جتن کر کے بھی ۱۳ ہزار ووٹوں سے ایک فقیر کی مقابلہ میں انتخاب ہار بیٹھا۔

جنگ کی مدیر نے سابقہ جھوٹے الزامات لگا کر لکھا ہے کہ مرحوم کا دور حکمرانی ان خرابیوں کے سوا کچھ نہ تھا اور قومی و ملکی مفاد کے نقطۂ نظر سے اس پر فخر نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل مدیر کی ذکر کردہ خرابیوں کی حقیقت تو آپ نے دیکھ لی، آیئے! اب مرحوم کے دور پر ایک طائر انہ نگاہ ڈالیں کہ اس میں واقعی خرابیوں کے سوا کچھ نہ تھا، جہاں تک انصاف کا تعلق ہے تو مرحوم کے دور میں ان حقائق سے انکار جہالت سے بڑھ کر حماقت کے زمرہ میں آتا ہے۔

(۱) ضیاء کے دور میں اسلام اور شعائر اسلام کی اہمیت بڑھ گئی۔

(۲) دیندار طبقہ کو حوصلہ ملا اور احساس کمتری کا رجحان ختم ہوا۔

(۳) شراب نوشی، زنا کاری وغیرہ فواحش و منکرات میں کمی آئی۔

(۴) قرار دادِ مقاصد جیسی اہم دستاویز آئین کا مستقل حصہ بن گیا۔

(۵) تمام غیر اسلامی قوانین کو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کرنے کا موقع ہر مسلمان کو نصیب ہوا، (یہ الگ بات ہے کہ اسلامی نظام کے مدعی اقتدار حاصل کرنے کے لئے تو سب کچھ لٹا دیتے ہیں مگر اس اہم تعمیری کام کے لئے کوئی حس و حرکت نہیں۔)

(۶) ارکانِ اسلام نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کو فروغ ملا اور ان کے احترام کا اہتمام ہوا۔

(۷) اسلامی علوم کے لئے ایک اعلیٰ سرکاری ادارہ وجود میں آیا۔

(۸) مذہبی تعلیم سے آراستہ حضرات کی کافی حد تک قدر دانی ہوئی۔

File Adress:

(۹) قومی لباس کو رواج دیا گیا۔

(۱۰) بین الاقوامی سطح پر اسلام اور پاکستان کا امیج بہتر ہوا۔

مقدمات

(۳۷)

دعا

(مقدمہ حزب الاعظم)

تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ انسان کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا بندہ بن کر اس کی بندگی کرتا رہے، اس لئے انسان کے ارتقائی مقامات میں سب سے ارفع مقام 'عبدیت' قرار پایا اور اس کا اہم ترین وظیفہ 'عبادت' ٹھہرا یعنی اپنے آپ کو مخلوق مملوک محکوم اور محتاج سمجھ کر اپنے خالق و مالک، با اختیار، با جبروت حاکم کے سامنے انتہائی

تذلل ورغبت کی ساتھ اس کی رضا جوئی ،تشکر کے لیے اس کے تمام احکام کی تعمیل کی کوشش کرے،نوع انسانی میں عبادت وعبدیت میں سب سے اعلیٰ وارفع مقام افضل الکائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کونصیب ہوااور حضرت اقدس کی سیرت طیبہ میں نمایاں مقام آپ کی اَذکارودعوات کا نظر آتا ہے جس میں وہ ہمہ وقت مصروف رہے۔

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کوتمام کائنات کے وجود وبقااور اسباب بقا میں بے بس ومحتاج جان کر قادر مطلق ،مختارکل، سب کے پالنسار، مالک الملک کے سامنے انتہائی ادب وتضرع کی ساتھ اپنی حاجت برآری کی درخواست کرے،اپنی لاچاری وعجز وفقر اورحق تعالیٰ کی مالکیت تامہ،قدرت کاملہ کووسیلہ بنائے۔دعاجب ایسی ہوتواس میں حق تعالیٰ کی صفات کمال وجود ،حیات،علم وقدرت،ارادہ واختیار، جود ورحمت وغیرھا کااور مخلوق کی بے چارگی واحتیاج وغیرہ اوصاف کانہ صرف اعتقاد ہوتا ہے بلکہ اس کا استحضار بھی ہوتا ہے جوکہ ایمانیات کی جان ہے،اس لیے دعاایمانیات کے استحکام کاایک قوی الاثر ذریعہ ہے۔

پھر مکارم اخلاق کے زمرہ میں سب سے پسندیدخلق عبدیت وتواضع ہے،اخلاق ذمیمہ میں ناپسندیدہ وصف تکبر وتعلی ہے،دعاجب حقیقی ہوتو وہ تواضع کے حصول اور تکبر کے دفعیہ کاانتہائی موثر طریقہ ہے۔

دعا ذکراللہ کی ایک عمدہ صورت ہے ،استغفار ،استغاثہ،حوقلہ وحسبلہ ،صلاۃ وسلام وغیرہادعاہی کی شعبے ہیں،جن کے فضائل وفوائدمحتاج بیان نہیں۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق کے مطابق شریعت اسلامیہ کے مقاصد اربعہ میں دوسرا درجہ اخبات کا ہے جوکہ ذکر وتلاوت کی طرح دعا کے ذریعہ بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے فرمان کے مطابق اذکاراورادعیہ مسنونہ کااہتمام حصول نسبت کا بہترین وسیلہ ہے،جوسلوک وتصوف کامنتہیٰ ہے۔دعامعرفت الٰہیہ اورعرفانِ نفس کا دروازہ ہے۔الغرض حق یہ ہے کہ دعاتمام عبادات کی جان وجوہر ہے،شایداسی لئے قرآن حکیم

نے کئی جگہ عبادت کیلئے دعا کی تعبیر کو اختیار فرمایا اور اس کا فاتحہ وخاتمہ بھی دعا سے ہوا، اسلام کے رکن اعظم نماز کا نام بھی "صلاۃ" رکھا گیا اور حق جل شانہ نے جلال وجمال کی ملے جلے انداز میں تمام انسانوں کو مخاطب فرمایا:

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "الدعاھو العبادۃ" فرما کر بطور سند یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اور "الدعاء مخ العبادۃ" "الدعاء سلاح المؤمن" اور "من فتحت لہ منکم باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ" جیسی ارشادات کا سراس میں دکھائی دیتا ہے، دعا کی اسی اہمیت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں □ خود بھی دعائیہ کلمات تعلیم فرمائے اور اپنے محبوبین کے قلوب میں اور ان کی مبارک زبانوں پر جن اَدعیہ کا القاو اجرا فرما چکے تھے ان کا بھی موقع بموقع ذکر فرمایا۔ محبوبان درقدس میں جوامع الکلم کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الدعوات سے نوازا گیا اور اس میں تو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دعا کیلئے سب سے اکمل اور سب سے افضل تعبیر وہی ہوسکتی ہے، جو حق تعالیٰ نے خود پسند فرمائی، اس لیے ہمارے بیشتر علماء سلف وخلف نے ماثور ادعیہ واذکار کیلئے اپنی تالیفات میں مستقل ابواب قائم کیے۔ جوامع وسنن کی کوئی کتاب اس باب سے خالی نہیں اور مسانید ومعاجم میں اس سلسلہ کی احادیث کا بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے بلکہ بہت سے افاضل محدثین واہل علم نے اس موضوع پر چھوٹی بڑی درجنوں مستقل کتابیں لکھیں۔ "کتاب الدعاء" کی نام سے:

ابن فضیل ۱۹۵، ابو داؤد سجستانی ۲۷۵، ابن أبی الدنیا ۲۸۱، ابن أبی عاصم ۲۸۷، ابن فطیس ۳۱۹، امام طبرانی ۳۶۰، ابن ابی زید قیروانی ۳۸۹، امام ابو ذرھروی ۴۳۴، کی کتاب اور "عمل الیوم واللیلۃ" نامی امام نسائی

۳۰۳ھ، ابن السنی ۳۶۴ھ، علی بن حسن المعری ۲۹۵ھ، ابو نعیم اصفہانی ۴۳۰ھ، عبد العظیم منذری ۶۵۶ھ، کی تالیفات اور انواع الاستعاذات، لابن المنادی ۳۳۴ھ کتاب الادعیۃ لابن مردویہ ۴۱۰ھ، کتاب الدعوات للمستغفری ۴۳۲ھ، الدعوات الکبیر للبیہقی ۴۵۸ھ، دعوات المستغفرین لابی حفص النسفی ۵۳۷ھ، الدعوات النبویۃ للسمعانی ۵۶۲ھ، الکلم الطیب لابن تیمیۃ ۷۲۸ھ الدعوات والاذکار لابی القاسم الغرناطی ۷۴۱ھ، الدعوۃ المستجابۃ للقاضی شہاب العدوی ۷۴۹ھ، الحصن الحصین لابن الجزری ۸۳۳ھ، الدعوات المأثور للفخر الرومی ۸۶۴ھ، اور القول المختار للسیوطی ۹۱۱ھ، وغیرہ مؤلفات اسی مبارک سلسلہ کی نمایاں کڑیاں ہیں اور گیارہویں صدی کے مایہ ناز محقق ومجدد حضرت علامہ علی قاری ہروی ۱۰۱۴ھ کی نفیس اور جامع تصنیف الحزب الاعظم اس کا فص الختام ہے، جسے حق تعالیٰ نے قبولیت عامہ سے نوازا اور اکثر مشائخ کا معمول ہے۔

ہمارے شیخ اکبر محدث العصر حضرت بنوریؒ بھی اس کی اجازت مرحمت فرماتے تھے، آج کے پرفتن وظلمانی مادیت زدہ دور میں جب کہ متبع سنت مرشدین وشیوخ کا وجود عنقا بنتا جارہا ہے، اس قسم کی اوراد کا اہتمام اور بھی ضروری ہوگیا ہے۔ احادیث میں وارد مواقع پر ان اذکار وادعیہ کا پڑھنا تو نور علی نور ہے، ہم جیسے کوتاہ ہمت اگر ان مجموعوں کا ورد اپنالیں، تو یہ بھی سعادت کبریٰ ہے، بشرطیکہ دعا کی حقیقت سامنے ہو، ماثور الفاظ کا صحیح تلفظ ہو، دل میں ان کی معانی کا استحضار ہو منجیات کے ذکر کے ساتھ انہیں اپنانے کا اور مہلکات کے ذکر کے وقت ان سے بچنے کا عزم اور سعی ہو، رجاء وخوف کی کیفیت حاوی ہو، دعا کی شروط کا التزام اور آداب کا اہتمام ہو، دعا کو قضا کا حصہ جان کر تسلیم ورضا کے جذبہ کے ساتھ ہو۔ حق تعالیٰ ہمیں اس عظیم نعمت سے نوازے، حرمان سے بچائے۔

(۳۸)

مقدمہ دلائل الخیرات

حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ کو دلائل شریف (۱) کی اجازت اپنے مرشد کامل حضرت مولانا محمد قمر صاحبؒ جورہ شریف سے حاصل تھی جو کہ اپنے باطنی کمال کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے اور کامل درجے کے متبع سنت شیخ طریقت تھے جن کے مزار سے بعد از دفن دور تک خوشبو پھیلتی رہی اور جن سے دلائل شریف کی اجازت لینے کے لئے حجاز مقدس سے بعض شیوخ اس لئے حاضر ہوئے کہ انہیں منامی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بتلایا گیا کہ ان کے پڑھنے کا طریقہ سب سے بہتر ہے، حضرت مولانا محمد قمرؒ کو دلائل شریف کی اجازت اپنے مرشد مکرم

آفتاب معرفت اشد فی امر اللہ حضرت مولانا ولی احمد صاحب المعروف بہ سنڈا کی باباجیؒ سے حاصل تھی جو کہ مجاہد فی سبیل اللہ ولی کامل معروف بہ اڈے ملا صاحبؒ کے خلیفہ اور قطب وقت تھے اور دلائل میں آپ شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے مجاز تھے اور حضرت

(۱) مولانا محمد امین اورکزئیؒ درود پاک کے عاشق تھے، یومیہ پانچ ہزار بار درود پاک پڑھنے کا معمول تھا، آپ درود شریف کے صیغ پر مشتمل 'دلائل الخیرات' کا یومیہ بچپن ہی سے ورد رکھتے تھے۔ اور ہر متمنی کو بڑی بشاشت سے اس کی اجازت دیتے تھے، آپ نے کثیر تعداد میں اسے چھپوا کر تقسیم فرمایا، فرماتے تھے کہ مجھے اور حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ کو حضرت بنوریؒ نے بڑے شوق سے دلائل الخیرات اور الحزب الاعظم کی اجازت عنایت فرمائی تھی، اور فرمایا تھا کہ میں آپ دونوں کو بھی اجازت دیتا ہوں اور ان کو بھی جن کو آپ دونوں اجازت دیں۔ دلائل الخیرات پڑھنے میں آپ کا ایک خاص طریقہ وذوق تھا، اس کے طریق ورد کے بارے مضمون بطور مقدمہ دلائل لکھا گیا۔ (مرتب)

شیخ عبدالحقؒ سے لے کر مؤلف امام تک سلسلہ سند یہ ہے:

الشیخ عبدالحق عن الشیخ علی بن یوسف الباشلی المدنی عن الشیخ احمد بن محمد المدغری عن الشیخ محمد بن احمد المشتی عن الشیخ احمد بن الحاج عن الشیخ احمد المقری عن الشیخ عبدالقادر الفاسی عن الشیخ احمد بن ابی العباس عن الشیخ السملالی عن الشیخ عبدالعزیز الدباغ عن الشیخ الامام المؤلف محمد بن سلیمن الجزولی الشاذلی رحمھم اللہ تعالی۔

چند ضروری ہدایات

۱.....دلائل شریف کا ورد کرنے میں وہی نیت ہو جو کہ دعاء النیۃ میں مذکور ہے صرف کتاب کی تلاوت مقصد نہ بنائیں بلکہ مقصد تو درود شریف ہو یہ کتاب اس کے لئے ذریعہ سمجھیں۔

۲.....درود شریف کی فضلیت میں قرآن حکیم اور صحیح احادیث میں وارد نصوص پیش نظر

رکھیں، پڑھتے وقت اخلاص وادب کے ساتھ ان فضائل کا شعور واحساس بے حد مفید ہے۔

۳.....دلائل کا ورد دوسرے اکابر کے ساتھ ساتھ ہمارے دیوبند مشائخ کا معمول رہا ہے بلکہ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کے بارے میں معروف ہے کہ آپ سفر وحضر میں تین کتابیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، قرآن مجید، مثنوی شریف اور دلائل الخیرات اور حضرت مولانا بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ورد ایک کامل متبع سنت مرشد کے ہاتھ پر بیعت کا کام دیتا ہے حضرت والا کے اس ارشاد کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے :" من صلی علی مرة صلی اللہ علیہ عشراً" وفی روایة عند الدارمی "صلی اللہ وملائکتہ علیہ سبعین مرة" اور قرآن حکیم میں ہے:"ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور" اور ارشاد ہے:" اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات" بمقتضائے حدیث درود شریف پڑھنے والے پر حق تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے صلوۃ کا نزول ہوتا ہے، قرآن حکیم نے بتلایا کہ جس پر حق تعالیٰ ،فرشتوں کی طرف سے صلاۃ کا نزول ہوتا ہے وہ ہر قسم کے ظلمت شرک، ظلمت کفر، ظلمت فسق، ظلمت شک ونفاق اور ظلمت غفلت وغیرہ سے نکل کر نور ایمان، نور توحید، نور اخلاص، نور طاعت اور نور ذکر میں داخل کرایا جاتا ہے اور یہی صحیح شرعی بیعت کا مقصد ہے۔

۴.....کوئی بھی ذکر ہو اس پر مداومت بہت مفید ہوتی ہے خصوصاً درود شریف کا ورد پابندی کے ساتھ کیا جائے ناغہ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس کی پریشانی کا احتمال ہے (والعیاذ باللہ) اور حدیث میں آیا ہے کہ درود وسلام پڑھتے وقت حضور محبوب کبریا کی روح طیب واقدس پڑھنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور شرف جواب سے سرفراز فرماتی ہے، یہ نعمت عظمیٰ جس کے مقابلے میں ایک عاشق کی نظر میں ہفت اقلیم تو کیا ہشت بہشت بھی ہیچ ہیں چھوٹ جانا اور معدن مروت وکرم بالمؤمنین رؤف رحیم آقا کو اپنے جس حقیر ہدیہ کا عادی بنایا تھا اس کے پیش کرنے میں کوتاہی کرنا نگاہ عشق وقانون محبت میں کتنا خسارہ ہے

File Adress

اور کتنا جرم، بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

۵..... کتاب میں جہاں کسی پیغمبر یا فرشتہ یا صحابی یا مقدس شخصیات کا ذکر آئے تو قاری اس سے پہلے سیدنا اور اگر مستورات میں سے ہو تو سیدتنا کا اضافہ کرے۔

۶..... اس سلسلہ کے مطابق ورد کرنے والے حضرات پہلے کسی ایسے صاحب کو یہ کتاب سنائیں یا ان سے سن لیں جو اسی طریقہ میں مجاز ورد کرنے والا ہو۔

۷..... دلائل الخیرات کے بعض الفاظ میں کچھ احباب کو شاید تردد ہو اس لئے چند وضاحتی جملے عرض خدمت ہیں:

(الف) اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں رحمت یا غیاث یا کاشف الکرب قسم کے الفاظ جو آئے ہیں اگر خلجان ہو تو ان کو حضرت کی دنیا میں حیات طیبہ اور حشر میں آنے والی حالت پر حمل کریں۔

(ب) "ونورا علی نورہ الذی منہ خلقتہ" کو عالم ارواح میں خلق پر حمل کیجئے عالم ناسوت میں خلق مراد نہ لیں یا اس کا تعلق خلق روح سے جوڑ دیں جسم اطہر سے نہیں۔

(ج) خطاب نداء کا ذکر جہاں ہو رہا ہو وہاں یہ تصور کیجئے کہ میری آواز فرشتے خدمت اقدس میں پہنچا رہے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ذہن میں اپنے تصور میں لا کر خطاب کریں یا اپنے آپ کو روضہ اقدس پر ذہناً حاضر تصور کر کے پڑھیں اور وہاں تو جمہور اہل سنت کے نزدیک سماع مسلم ہے۔

(د) توسل کا ذکر جہاں آیا ہے تو یہ جمہور اہل علم کے متفقہ مسلک کے مطابق ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی تاویل کے ساتھ توسل بالذوات کے جواز کے قائل ہیں۔ "کما ھو مصرح فی کتابہ اقتضاء الصراط المستقیم"

(ھ) حتی لا یبقی من الرحمۃ شئی وغیرہ میں صفات خداوندی کی محدودیت کا جو شبہ پیدا ہوتا ہے اس کے کئی جواب ہیں:

File Adress:

اولاً: یہ الفاظ ماثور ہیں سمجھ میں نہ آئیں تو متشابہات میں سے سمجھیں۔

ثانیاً: ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ کنایہ ہیں، کثرت سے جیسا سبعین وغیرہ محدود عدد کے الفاظ کثرت سے کنایہ کے لئے آتے ہیں۔

ثالثاً: رحمت، برکت، سلام وغیرہ صفات کے افراد تو لامتناہی ہیں لیکن انواع متناہی ہیں، یہاں تناہی انواع مراد ہے نہ کہ تناہی افراد اور پھر بھی اگر خلجان ہے تو ہمارے بعض مشائخ نے اس کے بجائے متبادل غیر موہم الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ استعمال کریں۔

(۳۹)

مقدمہ مکاتیب ہدایت (غیر مطبوع)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً لأهله ومصلياً على اهلها:

ناظرین کرام! آپ کی ہاتھوں میں جو مجموعہ ہے، نامناسب نہ ہوگا اگر اس کے وجود میں آنے کا پس منظر آپ کے سامنے لایا جائے تاکہ اس کی روشنی میں پوری بصیرت کے ساتھ آپ اسے پڑھ سکیں اور آپ کے لئے نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو۔ جیسا کہ آپ اور ہم سب جانتے اور مانتے ہیں کہ اس کائنات کے خالق و مالک اللہ جل شانہ ہیں اور وہی اس کے مربی

ومدبر ہیں۔ یہ کارخانہ انہی کی نگرانی میں انہی کی مشیت کے تحت چل رہا ہے، بنی آدم اور جنات اس کائنات کا ایک اعلیٰ اور اہم جز ہیں، حق تعالیٰ نے ان کی جسمانی نشوونما کے لئے اسباب کا جس طرح ایک عظیم سلسلہ قائم فرمایا، اسی طرح ان کی روحانی ترقی وتربیت کے لئے بھی انتہائی اعلیٰ و مستحکم انتظام فرمایا۔ روحانی تربیت کا یہ سلسلہ نبوت اور رسالت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ کی ہدایات وتعلیمات کا مجموعہ دین اور ملت کہلاتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ تو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا لیکن آپ کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے دین وشریعت کو شرف دوام وخلود بخشا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت چونکہ سب سے اعلیٰ واکمل درجہ کی تھی اور اسے تا قیامت باقی رکھا گیا، اس لئے کسی نئی نبوت کی گنجائش ہی نہیں رہی، چاہے حقیقی ہو یا بروزی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت وبقاء کی صورت عالم اسباب میں یہ ہوئی کہ یہ ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو سپرد کی گئی کہ وہ آپ کے لائے ہوئے علم کو حاصل کر کے خود بھی عمل پیرا ہو اور انسانیت کی رہنمائی بھی کرتی رہے جیسا کہ: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" کے ارشاد خداوندی اور "العلماء ورثۃ الانبیاء" فرمان نبوی سے ظاہر ہے۔

پھر رب العالمین کے آخری نبی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زرین ہدایت اپنی امت کو دے دی کہ "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدو لہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبتلین وتاویل الجاھلین" اس ارشاد نبوی پر عمل پیرا ہو کر علماء امت نے جارحۂ البیہ بن کر "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کے وعدۂ خداوندی کو ہر دور میں بطریق احسن پورا کیا، چنانچہ نان جوین اور چٹائی پر کفایت کر کے علوم نبوت کی تحصیل کی اور امت مسلمہ کے فکری سرمایہ پر حملہ آور زائغین وملحدین کے حملوں کا ہمیشہ کامیاب دفاع کیا جیسا کہ ملل واہواء اور کلام پر لکھی گئی سینکڑوں کتابیں اس کے شہود عدل ہیں۔

File Adress

اس سلسلہ میں علماء امت کی تمام کاوشوں کا استقصاء تو ناممکن ہے، البتہ ماضی قریب میں دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے قرآن وسنت کے پروانوں کی کوششوں اور قربانیوں کی طویل فہرست کا جب ہم اجمالی طور پر جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں نمایاں طور پر نظر آتا ہے کہ یہ حضرات ایک طرف تو اسلام دشمن برٹش امپریلزم، برطانوی سامراج، خدا بیزار کمیونزم کے سامنے میدانِ قتال میں سینہ سپر ہیں تو دوسری طرف برطانیہ کی ساختہ و پرداختہ جعلی نبوت، بدعت ساز وشرک نواز رضاخانیت، الحاد وزندقہ کی داعی نیچریت وپرویزیت وچکڑالویت ومشرقیت اور مودودیت وغیرہ روپوں میں جدید رافضیت وخارجیت کی یورشوں سے حریم اسلام کے تحفظ کے لئے سربکف مصروف عمل رہے ہیں اور الحمدللہ ان کی مخلصانہ مساعی کے نتیجہ میں ہم صرف برصغیر ہی کو نہیں بلکہ ایشیا وافریقہ کے وسیع براعظموں کو بھی برطانوی استبداد کے پنجوں سے آزاد پاتے ہیں اور قادیانیت کی لاش کو دفن ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، رضاخانیت کا سحر آخری ہچکیاں لے رہا ہے اور مودودیت کا فسوں اترتا ہوا دکھائی دیتا ہے، نیچریت ودہریت دم دبا کر بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ان گوناگوں فتنوں میں فتنۂ مودودیت جو بظاہر دوسرے فتنوں کی بہ نسبت کم ضرر رساں معلوم ہوتا ہے' کے سدباب کے لئے ان حضرات نے جو قلمی جہاد کیا اس کی ایک جھلک آپ 'خارجیت جدید' از حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، 'مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت' و 'مکتوب ہدایت' از شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ، 'آئینہ تحریک مودودیت' از حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوریؒ، 'مقدمہ مودودی دستور وعقائد کی حقیقت' از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، 'الاستاذ المودودی' و 'عصمت انبیاءؑ وحفاظت صحابہؓ' از محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف البنوریؒ، 'فتنۂ مودودیت' از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، 'ایضاح فتاوی' از حضرت علامہ عبدالحق نافع کاکاخیلؒ، 'براءۃ عثمانؓ' از حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، 'مقام صحابہؓ' از مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ، 'مکتوبات ثلاثہ' از حضرت

مولانا حکیم عبدالرشید گنگوہیؒ، 'کشف حقیقت' از حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، 'مسئلہ تقلید اور جماعت اسلامی' از حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، 'حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب' از حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، 'صراط مستقیم'، 'سبیل المؤمنین' از حضرت مولانا قاضی عبدالسلام نوشہرویؒ، 'عادلانہ دفاع' از حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، 'تجدید سبائیت' و 'اظہار حقیقت' از حضرت مولانا محمد اسحق سندیلویؒ، 'حقیقت مودودی' از شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ، 'تقصیرات تفہیم' از مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوریؒ، 'مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں' از حضرت مولانا حکیم محمد اخترؒ، 'تحریک مودودیت کی ایکسرے رپورٹ' و 'ایک آئینہ میں تین چہرے' اور 'تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش' از حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومی بہاریؒ، 'اختلاف امت اور صراط مستقیم' از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، 'جماعت اسلامی پر ایک تنقیدی نظر'، 'صحابہ کرام اور مودودی'، 'کھلی چھٹی بنام مودودی صاحب'، 'علمی محاسبہ' از حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب، 'ابو الاعلی مودودی صاحب اور اسلامی نظام' از حضرت مولانا بشیر احمد صاحب حصاروی، 'تحفظ ختم نبوت اور جماعت اسلامی' از مولانا محمد طفیل رشیدی، 'احسن الندی فی رد المودودی' از حضرت مولانا عبد السلام صاحب، 'جماعت اسلامی سے میری رفاقت کی سرگذاشت اور اب میرا موقف' از حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، 'عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح' از مفکر اسلام علامہ ابوالحسن علی ندویؒ، 'حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی حقائق' از فقیہ ملت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، 'سیدنا معاویہؓ شخصیت وکردار' از حضرت مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی، 'عدالت صحابہؓ' از حضرت مولانا مہر محمد میانوالی، 'عصمت انبیاء علیہم السلام' از حضرت مولانا عبد الغفور پسروری، 'مسئلہ خلافت وملوکیت کی توضیح' از حضرت مولانا عبد الستار تونسوی، 'رحماء بینہم' از حضرت مولانا محمد ذاکر جھنگوی، 'تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم' از حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، 'فتاوی محمودیہ' از حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہیؒ، 'احسن الفتاوی' از فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد

File Adress:

لدھیانوی، 'خیر الفتاوی' وغیرہ عصری فتاوی جات کا معتد بہ حصہ اور اسی طرح دیگر سینکڑوں اہل علم کی تحریروں کی شکل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

شروع شروع میں تو مودودی صاحب اور ان کے مقلدین نے علماء حق کی ان مخلصانہ مساعی کی قدر نہیں کی، تاہم الحمدللہ ان حضرات کا اخلاص رفتہ رفتہ اپنا رنگ لاتا رہا، چنانچہ جماعت کے بڑے بڑے اساطین اور بانی ارکان مودودی سے کنارہ کش ہوئے اور مودودی صاحب کی رحلت کے بعد ان کی نظریات کا بطلان تدریجاً ظاہر ہوتا گیا یہاں تک کہ جماعت کی موجودہ قیادت کی اکثریت بزبان حال اس قسم کی نظریات سے اپنی برأت ظاہر کرنے لگی ہے، دیوبند و سہارنپور کے وہ اہل علم جن کے جماعت سے دور رہ جانے پر مودودی صاحب بڑے طمطراق سے اظہار تشکر فرمایا کرتے تھے آپ کی جماعت کی موجودہ قیادت اب انہی اہل علم کے قرب و تعلق کو اپنے لئے بڑا اعزاز اور سعادت کبریٰ تصور کرتی ہے اور اندازہ ہے کہ مودودی صاحب کی وہ کتابیں اور عبارتیں جو کہ اہل حق علما کے نزدیک قابل رد اور محل نظر تھیں پیش نظر سے ہٹتی چلی جارہیں اور "قل جاء الحق و زھق الباطل" کی قرآنی ابدی صداقت ایک مرتبہ پھر دنیا سے اپنے آپ کو منوا رہی ہے، مگر خداوند تعالی کی شان ہے کہ ہر طبقہ اور جماعت میں مختلف طبائع کے افراد ہوتے ہیں، جماعت اسلامی میں بھی کچھ اس قسم کے افراد پائے جاتے ہیں جو "میں نہ مانوں" کا راگ اب بھی الاپتے ہیں، اس قسم کے مقامی حضرات نے نہ معلوم کن توقعات پر اس فقیر سے تحریری مباحثہ کا آغاز کیا؟ مگر افسوس ہے کہ اس سلسلہ کو انہوں نے ادھورا ہی چھوڑ دیا، فقیر کی جوابی مراسلت کو اس امید پر منظر عام پر لایا جارہا ہے تاکہ مودودی صاحب کے دام میں نادانستہ پھنسے ہوئے ارباب اخلاص کو عبرت و نجات کا کچھ مواد فراہم ہو، اللہ تعالی گواہ ہے "و کفی به شهیدا" کہ ہمارا ان حضرات کے ساتھ کوئی ذاتی عناد نہیں ہے یہ صرف دین اور آخرت کا معاملہ ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر بڑی دلسوزی کے ساتھ اس جماعت کے اصاغر و اکابر کی خدمت

File Adress

میں گزارش کرتے ہیں کہ للہ! آپ خود تنہائی میں سوچیں کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہ الرضوان اور سلف صالحین علیہم الرحمۃ کے بارے میں مودودی صاحب کی متنازعہ باتوں سے خدمت اسلام اور اقامتِ دین کا کیا واسطہ؟ کیا ان نفوس قدسیہ پر بلاضرورت اور بلا جواز نکتہ چینی اور چند دینی مسلمات سے انحراف ہی نے دینِ حق کے غلبہ کے لئے جدوجہد کرنے والی قوتوں کے درمیان ایک وسیع بُعد پیدا نہیں کیا؟ مودودی صاحب کی تالیفات سے جب اکثر قابل اعتراض عبارتیں نکالی جارہی ہیں تو آخر جماعت کی شوریٰ اور دانشور قیادت حق پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شخصیت پرستی کی زنجیروں کو توڑ کر واضح الفاظ میں یہ جرأت مندانہ فیصلہ کیوں نہیں کر پاتی کہ مودودی صاحب کے وہ عقائد ونظریات جو جمہور اہل سنت کے معتقدات ونظریات کے ساتھ متصادم ہیں صحیح نہیں ہیں اور جماعت اہل السنت والجماعۃ کے مسلک کی پابند ہے، اہل سنت کے عقیدہ ونظریہ کے خلاف کسی عقیدہ ونظریہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس اعلان سے جماعت کو ایک نئی زندگی ملے گی اور اس کے مخالفین کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

دیوبندی مسلک کے اہل علم کی اخلاص کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب جماعت کے صوبہ سرحد کے ایک امیر کا اخبارات میں یہ بیان چھپا کہ 'ہمارا لائحہ عمل وہ ہے جو کتاب وسنت اور اسوہ صحابہؓ سے مأخوذ ہو' اس میں اسوہ صحابہؓ کے ذکر سے ہمارے احباب کے حلقہ میں خوشی محسوس ہوئی اور اسے جماعت کی پالیسی میں ایک خوش آئند تبدیلی کا نوید سمجھا گیا۔ کاش! جماعت کا فہمیدہ وسنجیدہ عنصر اس طرف متوجہ ہوجائے۔

ہم نے اتمام فائدہ کے لئے مناسب سمجھا کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام جیسے اہم اور نازک موضوع کے بارے میں خاتمۃ المحققین، امام المتکلمین، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ایمان آموز تحریر اور بصیرت افروز تحقیق ترجمان السنۃ کے حوالہ سے بلفظہ مع ترجمہ کے نقل کریں اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری کا تنقیدِ انبیاء علیہم السلام

وطعن صحابہؓ کے بارے میں فتوی کو کچھ اختصار کے ساتھ مسلک الختام بنائیں۔ واللہ سبحانہ ولی الہدایۃ والتوفیق۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محمد امین عفا اللہ تعالیٰ عنہ

خادم جامعہ یوسفیہ شاہووام ہنگو

غرۃ شعبان ۱۴۲۱ھ

متفرقات

(۴۰)

پانچ دریا اور ان کے پار کرنے کے طریقے

تصوف کی کتابوں میں ہے، اور ہماری اور دینی کتابوں میں بھی آیا ہے کہ انسان کے سامنے پانچ / ۵ دریا ہیں طوفانی قسم کے، یا یوں کہے کہ انسان کے اندر پانچ / ۵ امراض ہیں، پھر دریا کے عبور کرنے کے لئے ایک کشتی ہے، یا یوں کہے کہ ہر مرض کے لئے ایک ایک دوا ہے اور ہر دریا کے عبور کرنے کے بعد پھر ایک ساحل ہوتا ہے، یا مرض ختم ہونے کے بعد صحت کی ایک صورت ہوتی ہے۔ وہ پانچ دریا یہ ہیں:

(۱) شغل (۲) غم (۳) حرص (۴) غفلت عن العقبیٰ (۵) تفرقہ

۱۔ شغل:..... شغل سے مراد دنیوی امور میں انہماک ہے، اور دنیوی چیزوں کے ساتھ

تعلق ہے اور اس دریا کے عبور کے لیے کشتی ''توکل'' ہے۔ توکل علی اللہ کی کشتی میں بیٹھے بغیر یہ دریا عبور نہیں کیا جا سکتا اور اس دریا کا ساحل ''فراغ'' ہے۔

۲۔غم:.....غم سے مراد یہ کہ انسان کو کمانے، بڑھانے گھٹنے اور ختم ہونے کی فکر ہو، اس دریا کو عبور کرنے کے لئے ''رضا بالقضاء'' کی کشتی میں بیٹھنا پڑے گا۔ صرف ''صبر'' کافی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے حق تعالیٰ کی مشیت اور فیصلہ پر رضا اور خوشی ہو اور اس دریا کا ساحل ''فرح'' ہے۔ اس مقام کے پانے کے بعد انسان ہمیشہ ہر حال میں خوش رہتا ہے۔

۳۔حرص:.....حرص کی تشریح بعض حضرات نے طمع کے ساتھ کی ہے اور بعض نے طلب کے ساتھ، یعنی دنیوی چیزوں کی امید اور طلب دل میں ہو، اس دریا کے عبور کے لئے ''قناعت'' کی کشتی کو اپنانا ہوگا اور اس دریا کا ساحل ''زہد'' ہے جو کہ عبارت ہے ترکِ زینت، ترکِ ہوئی، ترکِ دولت سے۔

۴۔غفلت عن العقبیٰ:.....اس طوفان سے بچنے کا ذریعہ ذکر اللہ ہے، انسان ہمیشہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے تو اس غفلت سے نجات ملتی ہے اور اس دریا کا ساحل ''حضور'' ہے۔

۵۔تفرقہ:.....اس کا مطلب دل میں متفرق اشیاء کے ساتھ وابستگی ہے کبھی اس چیز کے ساتھ دل لگا کر اور کبھی اس کے ساتھ، اس دریا کے عبور کے لئے کشتی ''توحید علی اللہ'' ہے کہ انسان کا دل صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جائے، جس کے نتیجہ میں جمعیت نصیب ہوتی ہے اور یہی اس کا ساحل ہے۔

عبادت کوئی بھی ہو اس میں اخلاص ضروری ہے۔ اخلاص کا مطلب ہے پاک کرنا، صاف کرنا، دھو لینا، یعنی اپنے عمل کو ریاء، سمعۃ، عجب اور جہل سے پاک کر لینا۔

(۴۱)

خوانِ بنوریؒ سے خوشہ چینی

(حضرت محدث العصر مولانا بنوری قدس سرہ کے منتخب علمی افادات جو مولانا محمد امین اورکزئی رحمہ اللہ نے مختلف مواقع پر ضبط فرمائے۔ از مرتب)

☆فرمایا: نبی سأ سے مشتق ہے اور سأ کے معنی میں تین چیزیں شامل ہیں: ایک تو یہ کہ خبر ہو اور وہ بھی غیب کی، پھر اس میں عظیم الشان فائدہ بھی ہو۔ لہٰذا نبی کا معنی وہ معصوم ذات جو غیب کی ایسی خبریں دے جو عظیم الشان فوائد کی حامل ہوں۔ دنیا کے کسی زبان میں نبی کے لفظ کا پورا ترجمہ نہیں ہوسکتا، جتنے بھی ترجمے ہیں وہ ناقص ہیں، فارسی کا پیغمبر ہو، یا انگریزی کا ریفارمر۔

☆فرمایا: بخاریؒ جو آیات قرآنیہ تراجم میں لائے ہیں ان میں دو جہتیں ہیں: ایک جہت سے وہ باب میں مذکور دعویٰ پر آیت کو بمنزلہ دلیل گردانتے ہیں اور دوسری جہت سے اس کو بمنزلہ متن بنا لیتے ہیں اور باب میں مذکور احادیث اس کے لئے بمنزلہ شرح کے لاتے ہیں۔

☆فرمایا: حضرت آدم وشیث اور ادریس علیہم السلام نوح علیہ السلام سے پہلے گذر چکے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے پیغمبر سرزمین پر نوح علیہ السلام تھے، اس سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے انکار کر بیٹھے۔ یہ عجیب ہے کہ ایک مظنون خبر کی بنا پر ایک مقطوع امر کا انکار کیا جائے۔ بے شک حضرت نوح علیہ السلام قوم کفار کی طرف سب سے پہلے مبعوث نبی ہیں، یہی حدیث کا مصداق ہے اور اس وجہ سے آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے وحی کی ابتدا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

☆فرمایا: سب سے پہلے تراجم پر الحافظ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن رشید الفہری السبتی اور حافظ ناصر الدین ابن المنیر الاسکندراتی اور حافظ ابوعبداللہ محمد بن مقصود السلجاسی نے کتابیں لکھیں جو غیر مطبوع ہیں۔ ہمارے سامنے دو کتابیں ہیں جو آخری دور میں لکھی گئی ہیں: ایک شاہ ولی اللہؒ نے جو کتاب کے ساتھ مطبوع ہے، اور تمام بھی، دوسری حضرت شیخ الہندؒ کی ناتمام کتاب ہے جو حقیقت میں تمام ہے، اگر یہ کتاب کامل ہو جاتی تو بخاری کے تراجم کا حق ادا ہو جاتا۔

☆فرمایا: بدء اور بدو دو نسخے ہیں۔ اولیٰ اور ذوق کے مطابق بدء ہے کیونکہ بخاریؒ نے اور بھی کئی جگہ یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اور پھر بدائت کتاب کے ساتھ بھی لفظ بدء ہی مناسب ہے، بدو کا نسخہ تجنیس خط کے بنا پر کسی نے خواہ مخواہ بنا لیا ہے۔

☆فرمایا: وحی کی ایک حقیقت شرعی ہے اور ایک حقیقت لغوی۔ اسی طرح دوسرے بھی بہت سے الفاظ ہیں، مثل صلوٰۃ وغیرہ..... وحی کا لغوی معنی ہے: الاشارۃ خفیۃ بسرعۃ۔ کمافی:

يرمون بالخطب الطوال وتارة

وحي الملاحظ خيفة الرقباء

اور کتاب کے معنی میں بھی مستعمل ہے: کمافی قول لبید في المعلقة الرابعة:

فمدافع الريان عري رسمها

خلقا كما ضمن الوحي سلامها

ان الفاظ کے جو حقائق لغویہ ہیں ان کی حقائق شرعیہ کے ساتھ گہری مناسبت ہے اور اکثر دونوں میں عام اور خاص یا مطلق ومقید کا تعلق ہوتا ہے۔

☆ فرمایا: ابن تیمیہؒ نے کتاب النبوات میں لکھا ہے کہ جو پیغمبر کفار قوم کی طرف مبعوث ہوجائے وہ 'رسول' ہوتا ہے اور جو کفار کی طرف خصوصی طور پر مبعوث نہ ہو وہ 'نبی' ہوتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قبیلہ بنی جرہم کی طرف مبعوث تھے اور اسی قوم سے عرب مستعربہ پیدا ہوئے۔ ابن تیمیہؒ کی یہ تعریف جامع اور اچھی تعریف ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی فروق بیان ہوتے ہیں، وہ صحیح نہیں، منقوض ہیں۔

☆ فرمایا: متوسط طبقہ کے مصنفین میں مجھے دو مصنف پسند ہیں: ایک ابن رجب حنبلیؒ اور دوسرا ابن قیم حنبلیؒ۔ اتفاق سے دونوں حنبلی ہیں۔ یہ دونوں جس موضوع پر لکھتے ہیں اس سے متعلقہ جملہ مواد کو جمع کر لیتے ہیں اور بسط وشرح کے باوجود ان کا کلام حشو وزوائد سے پاک ہوتا ہے۔

☆ فرمایا: علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے شیخ عبدالقاہرؒ کی دلائل الاعجاز سے بڑھ کر کتاب نہیں۔

☆ فرمایا: ابن رجب حنبلیؒ نے اربعین نوویؒ کی شرح لکھی ہے، انہوں نے اربعین پر اپنی طرف سے مزید دس احادیث کا اضافہ کیا ہے، یہ پچاس احادیث کی شرح ہے، اس کا نام انہوں نے 'جواہر الحکم' رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے حدیث انما الاعمال الخ کی شرح میں عجیب

وغریب نکات لکھے ہیں۔اس حدیث کی شرح دیکھنا چاہتے ہو،تو اس کا مطالعہ کرلو، ایسی شرح آپ کو کہیں نہیں ملی گی۔

☆فرمایا: حدیث انما الاعمال بالنیات الخ میں ایک واقعہ کی طرف تعریض موجود ہے جو سنن سعید بن منصورؒ اور معجم الطبرانی میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے ایمان لاکر ایک عورت سے شادی کرنی چاہی مگر وہ مدینہ چلی گئی، تو یہ شخص بھی مدینہ چلا گیا تاکہ شادی ہوسکے، او الی امرأۃ میں اس طرف اشارہ ہے۔حدیث کا سوق اس واقعہ پر نہیں ہوا جس نے یہ کہا، اس نے فاش غلطی کی۔اس عورت کا نام ام قیس تھا اس لئے وہ شخص مہاجر 'ام قیس' کے نام سے مشہور ہوا اور نام کا کسی کو پتہ نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کسی صحابی سے اگر کوئی نامناسب کام ہوگیا تو اس کا نام مبہم رکھا گیا۔

☆فرمایا: ''فی سلسلۃ الجرس'' کے متعلق شاہ ولی اللہؒ کی تعبیر سب سے پسندیدہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دراصل فیضان وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم شہادت سے غائب ہوکر عالم غیب کے ساتھ رابطہ پیدا ہوجاتا تھا اور ایسے موقع پر آپ کے سمع کو معطل کردیا جاتا تو اس تعطل کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں جو کیفیت ہوتی تھی، اسے سلسلۃ الجرس سے تعبیر فرمایا ہے۔فرمایا کہ یہ بات معقول بھی ہے اور مانوس بھی۔اولیاء اللہ کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور میں اس کی تفصیل کرسکتا ہوں مگر کرتا نہیں۔

☆فرمایا: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قویٰ بدنیہ اور روحیہ عام انسانوں کے قویٰ سے بالاتر ہوتی ہیں، ان میں ساری صلاحیتیں فوق العادۃ رکھی جاتی ہیں، امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں غالباً سورۃ انبیاء کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی تفصیلات لکھی ہیں۔اس لئے ان میں تلقی عن الغیب کی قوت بطریق اتم موجود ہوتی ہے۔لیکن باجود اس کے اللہ جل شانہ ان کو نبوت کا خلعت عطا فرمانے سے پہلے مختلف قسم کے مجاہدات اور ریاضات سے گزارتے ہیں تاکہ ان کی عالم غیب کے ساتھ وابستگی مضبوط سے مضبوط تر ہوسکے، ان مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد اللہ

تعالیٰ ان کو نبوت کے مقام ومنصب پر فائز فرمادیتے ہیں۔ انہی مافوق العادۃ صلاحیتوں کی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم فطری ہوتے ہیں، ترتیب مقدمات وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتے۔

☆ فرمایا: متابعت سے کلام میں تقویت آتی ہے۔ متابعت فی الاسناد دو قسم پر ہے: ایک تامہ جو ابتداء اسناد سے ہو اور قاصرہ جو وسط اسناد سے ہو۔ پھر ان میں سے ہر ایک دو دو قسم پر ہے: (۱) متابع مذکور ہو (۲) غیر مذکور ہو، اس طرح متابع عنہ مذکور ہو یا غیر مذکور۔

متابعت میں چار چیزیں ہوتی ہیں، متابع بالکسر، متابع بالفتح، متابع عنہ، متابع علیہ، کما یقال تابعه فلان عن فلان علی کذا تو پہلا فلاں متابع ہے اور ضمیر مفعول کا مرجع متابع ہے، اور دوسرا فلاں جو دونوں کا شیخ ہے، وہ متابع عنہ اور کذا سے جس بات کی طرف اشارہ ہے متابع علیہ ہے۔

☆ فرمایا: وحی کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تین کام تھے: سماع، تلفظ، تدبر اور نزول وحی کے وقت جو شدت ہوتی تھی وہ اس پر مزید، چنانچہ آپ کو کافی مشقت اٹھانی پڑتی تھی، اس لئے اللہ جل شانہ نے آپ کے ذمہ سے دو کام اٹھا کر اپنے ذمہ لیے، یاد کروانا اور اس کے مضمون کو سمجھانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ صرف سننا ہی رہ گیا۔

☆ فرمایا: یہ بات رکھنی چاہیے کہ جہاں اسناد میں کنی آتے ہیں، ان کے اسماء کو یاد کرنا ضروری ہے، اسماء کے لئے کنی کا معلوم کرنا اتنا ضروری نہیں اور نہ ہر کسی کے بس کی بات ہے۔ کنی مستقل فن ہے، اس پر محدثین بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ نے کتابیں لکھیں جو غیر مطبوع ہیں، البتہ حافظ ابو بشر دولابی نے جو کتاب لکھی ہے وہ مطبوع ہے اور اچھی کتاب ہے۔ غالباً یہ کتاب پہلے ائمہ کے کتابوں سے بہتر ہوگی کیونکہ یہ فقیہ ہے، متاخر بھی ہے اور طحاویؒ کے شیخ ہیں۔ فرمایا: اس فن میں حافظ ذہبیؒ جو رجال کے بہت بڑے امام ہیں، کو بھی امتحان دینا پڑا۔ حافظ ذہبیؒ کی حافظ ابن دقیق العیدؒ سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کون ہو؟ تو فرمایا کہ

ذہبی۔فرمایا شمس الدین ذہبی؟ قال :نعم۔تو فرمایا: من ابو محمد الہلالی؟ تو ذہبیؒ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ سفیان ابن عیینہؒ ،حافظ ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا کہ انت الذہبی۔

☆فرمایا: حضرت ابن عباسؓ کی اکثر روایات مرسل ہیں۔مسند صرف سترہ تک روایتیں ہیں،اس لئے آپ حدیث السن تھے۔

☆فرمایا: قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے،حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔چند حضرات نے یہ رائے قائم کی ہے کہ قرآنی آیات میں ربط وتناسب ضروری نہیں،شاہ ولی اللہؒ کی بھی یہی رائے ہے،تعجب ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ سطحی رائے کیسے اختیار کرلی۔

نظم الدرفی ربط الآیات والسور للبقاعی اس موضوع پر بہترین کتاب ہے،اس جیسی کتاب بقول علامہ کشمیریؒ اس موضوع پر ابھی تک نہیں لکھی گئی،یہ کتاب غیر مطبوع ہے اور ہندو پاک کے کتب خانوں میں موجود نہیں۔مخطوط مصر واستنبول کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

☆فرمایا: شوافع کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے اور حنفیہ وغیرہ حضرات کے ہاں جائز نہیں فرمایا اور حنفیہ کا یہ انکار میرا خیال ہے صرف احکام کے دائرہ میں ہے،احکام کے علاوہ دوسرے مقامات پر اگر عموم مشترک لیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

☆فرمایا: نجوم کے دو کام ہیں: ایک تو اھتداء: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ، جہات کا معلوم کرنا اور اوقات مواسم کا معلوم کرنا،قدیماً وحدیثاً بحری سفروں میں نجوم کے ذریعہ سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے،اسی طرح اکثر بری علاقوں میں تاروں کے ذریعہ سمت کا تعین کیا جاتا ہے۔اس علم کا نام معرفۃ النجوم رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔

دوسرا کام ان کی تاثیر فی النحوسۃ والسعادۃ ہے،اس کی نفی بہت مشکل ہے۔ان کی تاثیر ہوتی ہے،اگرچہ شریعت نے ممانعت کی ہے،مگر ممانعت سے یہ لازم نہیں کہ ان کا فی الواقع کوئی

File Adress:

اثر نہیں ۔ ہمارے اکابر میں سے شاہ رفیع الدینؒ بھی اس کے قائل تھے، اس کی تفصیلات اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین میں ملاحظہ کیجئے ۔ سید مرتضی زبیدیؒ نے اس کتاب میں اس موضوع پر بہترین مواد جمع کیا ہے۔

☆ فرمایا: ایمان صرف معرفت قلبی سے عبارت نہیں، بلکہ ایمان اذعان قلبی، تصدیق اور عقد قلبی کا نام ہے۔ ورنہ صرف معرفت تو یہود کو بھی حاصل تھی: یَعْرِفُوْنَهُمْ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ۔

☆ فرمایا: ایمان کے متعلق سات مذاہب ہیں: ان میں سے دو اہل حق کے ہیں اور بقیہ پانچ اقوال اہل ہوا اور گمراہ فرقوں کے ہیں۔ پہلا قول جمہور محدثینؒ کا ہے کہ ایمان عبارت ہے، عقد قلبی اور اقرار لسانی اور عمل بالجوارح سے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان صرف عقد قلبی کا نام ہے اور بقیہ اعمال واقرار کمال ایمان کے لئے بمنزلہ شرط ہیں، شطر اور جزء نہیں۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ اور متکلمین کا ہے۔ بظاہر ان دو اقوال میں تعارض نظر آتا ہے مگر حقیقت میں کچھ تعارض نہیں بلکہ اعتبار کا فرق ہے۔

امام ابوحنیفہ اور محدثین کے درمیان اختلاف کا منشا یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی طبیعت میں تنقیح اور تدقیق کا مادہ رچا ہوا تھا، وہ ہر مسئلہ میں اپنے اسی منہج کے مطابق رائے قائم کرتے تھے، اس بنا پر آپ نے جب قرآن وسنت میں غور کیا تو قرآن میں تقریباً تیس آیات ایسی ہیں جو اس بارے میں آپ کے اختیار کردہ مسلک پر دال ہیں اور بہت سی آیات میں ایمان کا محل قلب بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی ایمان اور اسلام کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے دور میں فتنہ خروج واعتزال کا غلبہ تھا۔ آپ نے بار بار ان کے ساتھ مناظرے کیے۔ بیس مرتبہ خوارج کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے بصرہ کا سفر کیا۔ چونکہ امام صاحب اور متکلمین کے سامنے خوارج اور معتزلہ کے مسلک کی تردید بھی تھی اس لئے انہوں نے وہ تعبیر اختیار کی اور محدثین کے زمانہ میں مرجیہ کا فرقہ عروج پر تھا چونکہ

File Adress:

محدثین کے پیش نظران کی تردید تھی اس لئے عمل کو ایمان کا جز قرار دیا۔[کیونکہ معتزلہ کے ہاں ایمان قول، عقد اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور مرجیہ کے ہاں ایمان محض قول وعقد کا نام ہے۔ عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔]دونوں فریق حنفیہ اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ تارک عمل کافر نہیں بلکہ مؤمن ہے اور جہاں امام احمد وغیرہ نے بعض اعمال کے تارک کو کافر کہا ہے تو اس سے کفر صوری مراد ہے، یا اس سے کفر دون کفر مراد ہے، کفر مخرج عن الملۃ مراد نہیں۔

☆فرمایا: امام صاحب کو سب سے پہلے نافع بن الارزق خارجی نے مرجی کہا۔

☆فرمایا: امام صاحبؒ نے عثمان بتی کے ساتھ جو علمی مراسلت اور مکاتبت کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اہل حق کی طرف سے فرقہ مبتدعہ کے خلاف برسر پیکار تھے۔ یہاں ایک لطیفہ ہے: امام صاحبؒ کا عثمان بتی کے ساتھ تعلق تھا اور مباحثے بھی ہوئے، عثمان بتی آپ سے کچھ عرصہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ ایک موقع پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر بتی زندہ ہوتے تو وہ میری رائے کی اتباع کرتے، اس روایت میں ہمارے کرم فرما خطیب بغدادی نے بتی کے لفظ سے ''نبی'' بنا کر العیاذ باللہ کہ امامؒ کے الحاد کا سامان کر دیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

☆فرمایا: صلوۃ، زکوۃ، حج، صوم وغیرہ الفاظ مختلف معانی کے لئے مستعمل تھے، شریعت نے ان کو ایک خاص معنی کیلئے استعمال کیا جس کی تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے فرمائی۔ ان مخصوص اعمال اور ہیئات کے لئے ذخیرۂ لغت میں ان سے زیادہ مناسب اور موزوں الفاظ موجود نہیں تھے لہٰذا اب شریعت میں ان الفاظ کا استعمال انہی مخصوص حقائق کے لئے ہوگا۔ اور شرعی حقائق کے بجائے ان سے لغوی مفاہیم مراد لینا تحریف اور الحاد فی الدین ہوگا۔

☆فرمایا: خصائل ایمان کے بارے میں تین کتابیں مشہور ہیں: ایک ابن حبانؒ کی جو شعوب الایمان کے نام سے معروف ہے۔ دوسری ابوبکر بیہقیؒ کی شعب الایمان ہے اور تیسری ابوعبداللہ حلیمیؒ کی کتاب ہے۔ عینیؒ نے ابن حبان کی کتاب سے اپنی شرح عمدۃ القاری میں

شعب الایمان نقل کیے ہیں۔

☆فرمایا: عبداللہ بن محمد الجعفی المسندی یہ پہلا شخص ہے جس نے ماوراء النہر خراسان کے علاقہ میں مسند لکھی ہے اسی وجہ سے اس کو المسندی کہتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ آپ کو مسانید سے زیادہ دلچسپی تھی اور مرسلات وغیرہ کو زیادہ ذکر نہیں کرتے تھے۔

☆فرمایا: بضع کا لفظ مأتہ کے ساتھ بالاتفاق نہیں آتا۔ عشرہ کے ساتھ بالاتفاق آتا ہے اور مابین عقود کے ساتھ آنے میں اختلاف ہے۔

☆فرمایا: شرح المواہب الدنیہ للزرقانی اور نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض للخفاجی سیرت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بہترین کتابیں ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

☆فرمایا: احادیث آیات کریمہ سے مقتبس ہیں صراحۃً یا کنایۃً۔ معمولی غور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حدیث 'حب الانصار' آیت وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ سے مقتبس ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں عام مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں تضمین ہے، تقدیر یوں ہے: والذین تبوء الدار واثر الایمان مگر یہاں تضمین کی ضرورت نہیں بلکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ انصار نے اپنا ظاہری مسکن تو مدینہ کو بنالیا اور معنوی مسکن ایمان کو بنالیا۔

☆فرمایا: بسا اوقات بخاری اپنی طبعی مشکل پسندی کی بنا پر کچھ کہہ جاتا ہے اور شراح وغیرہ مشکل میں پڑ جاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ ایک لفظ اور بڑھاتے تو مقام حل ہوجاتا، مگر ایسا کرتے نہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ متکلم عموماً مخاطب کی خاطر اپنے شان سے نیچے نہیں اترتا، تاکہ اگر مخاطب جاہل ہو تو اس کے فہم کے لئے اس کی سطح کی بات کردے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ اس سے ہر شخص بقدر حیثیت فائدہ اٹھاتا ہے، عاصی شخص بھی اس کو پڑھ کر اپنے راہنمائی کا سامان پاتا ہے اور عالم جب پڑھتا ہے تو لا تنقضی عجائبہ کی شان رکھتا ہے۔

File Adress:

☆فرمایا: ہر شخص کو اپنے مسلک کی تقویت اور اثبات کے لئے استدلال کا حق حاصل ہے مگر یہ نہایت غلط اور خلاف ذوق بلکہ ظلم کی بات ہے کہ آدمی حدیث میں ایسے قیود کا اضافہ کرے جس سے حدیث حنفی یا شافعی بن جائے کیونکہ یہ طریقہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام رفیع اور رتبہ شامخہ وبازغہ سے نیچے اتار کر لانا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حدیث کو حدیث رسول رہنے دو، بعد میں دیکھو کہ حدیث آپ کے مسلک کی تائید میں ہے یا خلاف ہے، اگر مؤید ہے تو فبہا، ورنہ جواب دیجئے، یہ اصولی اور اہم بات ہے اس کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے۔ اس بنا پر قسطلانی نے "او بحق الاسلام" کے ساتھ "کترک الصلوۃ متعمداً" کی قید لگا کر حدیث کو شافعی بنانے کی جو کوشش کی ہے، وہ ناپسندیدہ ہے۔ یہ ایک ظنی اور اختلافی مسئلہ ہے، اس کو حدیث کا مصداق بنانا کسی طرح بھی صحیح نہیں اور "من ترک الصلوۃ" (حدیث) میں تارک صلوۃ کو اگرچہ کافر کہا گیا ہے مگر اس کی کیا دلیل ہے کہ اس کا فر کا حکم بھی قتل ہے۔

☆فرمایا: "باب علامۃ المنافق" کی مناسبت پر کسی نے خاص توجہ نہیں دی، میرا خیال ہے کہ بخاری نے اپنی جامع صحیح میں قرآنی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، قرآن حکیم نے سب سے پہلے مؤمنین پھر کفار پھر منافقین کا ذکر فرمایا ہے، ابتدا میں بخاریؒ نے بھی اسی نہج پر اسی ترتیب کے ساتھ طوائف ثلثہ کا ذکر کیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا وللہ در الشیخ ما الطف ذوقہ وادق نظرہ۔

☆فرمایا: نفر، نفذ، نفص، نفت، نفس، نفی، نفیر، نفاق، نفقہ وغیرہ اس قسم کے دوسرے کلمات جن کے ابتدا میں 'ن، ف' ہوتے ہیں، ان کے معنی میں ذہاب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

☆فرمایا: اعراب جمع ہے اس کا مفرد من لفظہ نہیں اور کبھی اس کے برعکس مفرد ہوتا ہے اور اس کا جمع نہیں آتا اور کبھی جمع ہوتا ہے تثنیہ اس کا نہیں آتا اور کبھی علی العکس ذالک۔ اس موضوع پر ابن خالویہ نے مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام 'کتاب لیس' ہے۔

☆فرمایا: اللہ تعالیٰ کے علم میں ماضی، حال واستقبال کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ تغیرات وانقلابات سے وراء الوریٰ ہے۔ کبھی کبھی اللہ جل شانہ کے علم کا عکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوجاتا، جس کی بنا پر مستقبل کے واقعات آپ کے سامنے پیش آتے رہے، آج کے جدید انکشافات اور علوم وفنون کی ترقی سے بہت سے حقائق شرعیہ جو نا قابل فہم تھے اب سہل الفہم ہوگئے اور سمجھنے میں دقت نہیں رہی۔

☆فرمایا: ایک حدیث جب اسناد نازل واعلیٰ کے ساتھ منقول ہو تو متن عالی کے تابع ہوگا، جب تک محدث تصریح نہ کرے کہ متن بسند نازل مروی ہے۔

☆فرمایا: حضرت شاہ عبدالقادرؒ جو حضرت شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں انہوں نے دہلی کے اکبری مسجد میں ۱۴ سال تک اعتکاف کرکے قرآن کا ترجمہ لکھا اور یہ آپ کا اس امت پر عظیم احسان ہے، حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ یہ ترجمہ الہامی ہے اور فرماتے تھے کہ اگر قرآن اردو زبان میں نازل ہوتا تو حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کے ٹکڑے ٹکڑے اس میں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ سے وہ مشکلات حل ہوجاتی ہیں جو عربی کی بیس تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے بعد لوگوں نے اردو میں ترجمہ قرآن شروع کیا بعد میں جتنے بھی آئے ان کے خوشہ نشین ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: الناس کلهم عیال في الفقه علی ابي حنیفة۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ: الناس کلهم في ترجمة القرآن [بالاردية] عیال علی الشاه عبدالقادر رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة

☆فرمایا: 'عہد' کا لفظ جنگ وغیرہ کے بعد جو معاہدہ اور صلح نامہ ہوتا ہے، اس کے لئے استعمال ہوتا ہے اور وعدہ عام ہے شخصی عہد اور میعاد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

☆فرمایا: ابتدا میں مذاہب متبوعہ فقہیہ چھ تھے۔ چار تو مشہور ہیں اور بقیہ دو مذہب سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کے تھے جو صدی ڈیڑھ صدی کے بعد ختم ہوگئے۔ سفیان کا

مذہب حنفی میں مدغم ہوگیا اور اوزاعی کا مذہب مالکی مذہب میں ادغام ہوگیا۔

☆فرمایا: 'بیت المقدس' میں اگر 'مقدس' مفعول کا صیغہ ہو تو پھر اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کی تاویل کرنی پڑے گی اور اگر 'مقدس' مصدر میمی ہے بمعنی قدس، تو تاویل کی ضرورت نہیں، یہی اولیٰ ہے۔ آج بھی بیت المقدس کی طرف نسبت میں مقدسی کہا جاتا ہے۔

☆فرمایا: خبر واحد جب محفوف بالقرائن ہو تو مفید قطع ہوتا ہے۔ کمافی کتب المصطلح

☆فرمایا: اتمام و اکمال میں فرق یہ ہے کہ اتمام بحسب الاجزاء ہوتا ہے اور اکمال بحسب الاوصاف۔ اس فرق کو شرح عقود الجمان میں بیان کیا گیا ہے۔

☆فرمایا: صیام جمع جو آتا ہے وہ صائم کی ہے نہ کہ صوم کی، اور صیام بمعنی مصدری صوم کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

☆فرمایا: ابوہریرہؓ سے راوی 'محمد' جب بھی غیر منسوب ہوگا تو مراد ابن سیرین ہوں گے۔

☆فرمایا: قیراط کا لفظ اضداد جیسا ہے، اس کا اطلاق ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر بھی ہوتا ہے، یعنی تولے کا چوبیسواں حصہ اور اس کا اطلاق بڑی سے بڑی چیز پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ جنازہ پڑھنے اور دفنانے میں شریک ہونے والے کے لئے حدیث میں اجر کے بیان میں وارد ہے۔

☆فرمایا: انبیاء علیہم السلام کا سب سے عظیم کمال یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا، اس پر عمل بھی کیا۔ میرے نزدیک عالم اسباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ یہ بنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جو پیغام دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

☆فرمایا: نقشبندیہ کے کلمات عشرہ کی بے نظیر شرح حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اپنی کتاب ''انفاس رحیمیہ'' میں کی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ ہمارے جدا مجد کے ایک واسطہ سے مرید ہیں۔

File Adress:

☆فرمایا: نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ان چار بنیادی احادیث میں سے ہے جس پر سارے دین کا مدار ہے۔ یہ نہایت اہم حدیث ہے ہر کسی میں اس کی شرح کی اہلیت نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ باوجود اتنی اہمیت کے افسوس ہے کہ کسی نے اس کی کماحقہ تشریح نہیں کی۔ اس کی شرح کا حق امام محمدؒ اور امام شافعیؒ جیسے بلند پایہ ائمہ کو حاصل تھا، شوکانیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ مثل تنکے کے ہے اور حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اس پر کچھ عمدہ بحث حافظ ابن دقیق العیدؒ نے 'شرح احکام الاحکام' میں کی ہے اور نفیس فوائد لکھے ہیں۔ فرمایا کہ معالم السنن للخطابی میں بھی اس حوالے سے عمدہ بحث ہے لیکن مطبوعات کے ذخیرہ میں سب سے منقح، مبسوط اور عمدہ بحث شیخ طاش کبریٰ زادہ نے اپنی کتاب مفتاح السعادۃ میں کی ہے۔ من شاء فلیراجعہ

☆فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان فیض ترجمان سے علوم نبوت کے مختلف چشمے جاری ہیں، اور آپ کے مشکوٰۃ نبوت سے متنوع علوم کا فیضان جاری ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے ذوق کے موافق احادیث جمع کی ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور صفات کے مظہر اتم تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و کمالات کا عکس جمیل آپؓ پر پورا پڑ گیا تھا اس لئے آپؓ علوم نبوت کے جامع ترین شخص تھے، آپؓ کے بعد دوسرے صحابہؓ نے اپنے ذوق کے موافق احادیث جمع کیں حضرت حذیفہؓ نے احادیث فتن کو جمع کیا۔ حضرت ابوذرؓ نے مال کی مذمت اور فقر کی ترغیب والی احادیث بیان کی ہیں اور حضرت نعمان بن بشیرؓ نے امثال وعبد والی احادیث زیادہ بیان فرمائی ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ ان احادیث کو زیادہ جمع کیا جن پر احکام کا مدار ہے۔ اور تفقہ پر مشتمل ہیں اور جس کا کوئی اختصاصی ذوق نہیں تھا، اس نے ہر قسم کی احادیث جمع کی ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ۔

☆فرمایا: یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ 'الآیۃ' سے بظاہر علما کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اس لئے

کہ ''اُوتوا العِلم'' معطوف ہے ''الذین اٰمنوا'' پر۔ تو جو کچھ علما کے درجات ہیں وہی ''الذین اٰمنوا'' کے ہیں۔ کسی نے تو یہ کہا ہے کہ یہاں تقدیر یوں ہی: یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم درجۃ والذین اوتوا العلم درجات مگر قرآن کریم کی معجزانہ فصاحت اس کی مقتضی ہے کہ اس قسم کے تکلفات بارد نہ کیے جائیں۔ یہاں صحیح بات حضرت ابن مسعودؓ کے اثر سے معلوم ہوتی ہے کہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ یہ درجات ان لوگوں کے لئے ہیں جو کمال الایمان والعلم کے جامع ہوں۔ بغیر ایمان کے علم کی کوئی وقعت نہیں جیسا کہ شیطان باوجود بڑا عالم ہونے کے مردود ہے تو جس طرح اعمال صالحہ بغیر ایمان کے مفید نہیں اسی طرح علوم نافعہ بغیر ایمان کے مقبول ومفید نہیں ہوسکتیں اور درجات کے ابہام میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان اور علم جیسا کہ مختلف ہیں، اس طرح درجات میں بھی تفاوت ہوگا۔

☆ فرمایا: نبوت کمالات انسانی میں معراج کا درجہ رکھتی ہے، نبوت کے بعد پھر دوسرا کوئی کمال نہیں، لہٰذا نبوت خاتمۃ الکمالات ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خاتمۃ النبوات ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور ختم نبوت کی عظیم نعمت ملنے کے بعد بھی تلقین کی جارہی ہے کہ قل رب زدنی علما۔ یعنی علم ایسی نعمت ہے کہ نبوت کے بعد بھی اس کی ضرورت ہے۔

☆ فرمایا: شجر ان کلمات میں سے ہے جن میں مفرد اور جمع کا فرق تاء کے ساتھ ہوتا ہے، مفرد شجرۃ جمع شجر کتمر وتمرۃ ونمل ونملۃ وکلم کلمۃ، لغویین اور نحویین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا جنس۔

☆ فرمایا: طغرائی خط کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اوپر والا لفظ ہوتا ہے وہ بعد میں پڑھا جاتا ہے اور جو حرف نیچے ہوتا ہے وہ پہلے پڑھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم کا نقش اسی خط کے مطابق تھا اور فرمایا کہ میں جب تقریباً چھ سال کا بچہ تھا، اس وقت گھر میں ایک کتاب جس کا نام ثبوت خلافت تھا اسی خط کے موافق لکھا تھا۔ میں نے خلافت ثبوت پڑھ

لیا۔ والدصاحب نے کہا کہ نہیں! یہ 'ثبوت خلافت' ہے اور یہ قاعدہ بتلادیا جو ابھی تک یاد ہے۔

☆فرمایا: تابعین میں ایسے حضرات ملتے ہیں جو فقہ میں بعض صحابہ کرام سے زیادہ ہیں اور افقہ ہیں اگرچہ ہر صحابی کو فضلیت صحبت حاصل ہے مگر فقہ علیحدہ چیز ہے اور یہ تفاضل بعض تابعین کا بعض صحابہ پر تفقہ میں مشاہد اور محسوس ہے، ویشیر الی ذالک الحدیث

☆فرمایا: شیخ عبدالقاہر جرجانیؒ نے اپنی کتاب دلائل الاعجاز میں لکھا ہے کہ ''انما'' حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر ایسے مقام پر جبکہ متکلم مدخول انما کے بداہت کا مدعی ہو اور یہ چیز ماوالا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بہت عمدہ کتاب ہے اگر یہ کتاب اور ان کی دوسری کتاب اسرار البلاغۃ وجود میں نہ آتی، تو فن بلاغت ومعانی مدون مرتب نہ ہوتا۔ بلاغت ومعانی کا ذوق پیدا کرنے کے لئے شیخ کی ان کتابوں کا مطالعہ لازمی ہے، اس فن میں عمدہ کتابیں یہ ہیں: شرح عقود الجمان للمرشدی اور الطراز المتضمن لاسرار البلاغۃ والاعجاز اور عروس الافراح شرح تلخیص المفتاح، یہ تین کتابیں آپ کے پاس ہوں تو کسی دوسرے کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔

★لو کنا نسمع او نعقل کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ نسمع میں درجہ تقلید کی طرف اشارہ ہے اور نعقل میں اجتہاد وتحقیق کی طرف اشارہ ہے معلوم ہوا کہ تقلید بھی حجت ہے جب اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو۔

☆وعظ کے لئے خاص دن مقرر کرنے کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ مدارس میں جو تعطیلات ہوتی ہیں، اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

☆فرمایا: تفقہ فی الدین شرعاً مطلوب ہے اور اس کے لئے جو چیزیں مفید ہوں وہ بھی مطلوب ہیں کیونکہ مقدمۃ الواجب واجب ہوتا ہے لہٰذا تفقہ کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے جس میں علوم عربیہ وغیرہ آتے ہیں، مطلوب ہوں گے الغرض مقاصد کی طرح وسائل بھی مطلوب ہوتے ہیں۔ اس سے معروف اصطلاحی فقہ مراد نہیں بلکہ مراد وہ عام معنی ہے جو حضرت

File Adress

امام ابوحنیفہؒ نے بیان فرمایا ہے کہ الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا

☆فرمایا: علما آج کل داڑھی نہیں منڈاتے، نہ دیگر ظاہری معاصی میں مبتلا ہیں، وجہ یہ ہے کہ ماحول ایسا ہے جس میں اس قسم کے معاصی کے ارتکاب کی گنجائش نہیں مگر دوسرے طرف باطنی معاصی میں گرفتار ہیں۔ علما آج تین قلبی امراض میں خاص طور سے مبتلا ہیں: (۱) حب جاہ (۲) حب مال (۳) بغض وحسد اور اسی طرح خانقاہوں میں رہنے والے صوفی بھی الا ماشاء اللہ۔ اعاذنا اللہ والعیاذ باللہ

☆فرمایا: نعمتیں دو قسم کی ہیں: ایک مادی، ایک روحانی۔ مادی نعمتوں میں قابل غبطہ نعمت وہ مال ہے جو راہ حق میں خرچ کیا جائے اور روحانی نعمتوں میں قابل غبطہ نعمت وہ علم ہے جو نافع اور منتفع ہو۔ مجرد مال اور مجرد علم میں کوئی کمال نہیں۔

☆فرمایا: غیث عربی لغت میں بارش کو کہتے ہیں اور اسی طرح مطر بھی۔ لیکن قرآن وحدیث کی اصطلاح اور استعمال میں عموماً غیث بارانِ رحمت کے لئے آتا ہے اور عذاب کے موقع پر مطر کا استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں غیث کا لفظ جو آیا ہے اس میں بھی علوم نبوی کے رحمت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ محفوظ ہوتے چلے آئے ہیں اور روایت بالمعنی نہیں کیا گیا ہے۔

☆فرمایا: جدب بفتح الاول ضد الخصب بکسر اولہ، ایسی بہت سے کلمات ہیں جو کہ اضداد میں سے ہوتے ہیں اور ایک مکسور الاول دوسرا مفتوح الاول ہوتا ہے۔ ومنھا الجدب والخصب والعلم والجھل

☆فرمایا: الجزائر کے ایک عالم نے جو ایک سو سال پہلے گذر چکے ہیں ایک کتاب لکھی ہے اللالی والدرر فی المحاکمۃ بین الحافظ العینیؒ والحافظ ابن حجرؒ جس میں انہوں نے حافظ عینی اور حافظ ابن حجر کے درمیان مختلف فیہ مقامات پر محاکمہ کیا ہے یہ کتاب اب لیبیا سے چھپ گئی ہے۔

☆فرمایا: بخاری نے فضل العلم کے عنوان سے جو باب باندھا ہے، حافظ عینیؒ نے فضل بمعنی فضیلۃ لیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بمعنی زیادۃ کے لیا ہے۔ یہاں پر بات حافظ ابن حجرؒ کی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور علامہ عینی کی بات کمزور ہے لہٰذا اتفق له الموافقات بكثرة۔

☆فرمایا: حضرت عمرؓ کا مزاج تشریعی تھا اور آپؓ اشبہ الناس تھے برسول اللہ ﷺ في علمه و كان الصديق من اشبهم في خلقه ﷺ و قال عليه السلام بعثت لاتمم مكارم الاخلاق، فكان الصديق اولى بالخلافة، فتفطن۔

☆فرمایا: عرف واستعمال میں 'کان' جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو مفید استمرار ہوتا ہے مگر محدثین اور علم حدیث کی اصطلاح میں 'کان' استمرار کے لئے نہیں آتا بلکہ اگر کوئی ایک دفعہ بھی واقع ہو چکا ہو تو وہاں بھی 'کان' لے آتے ہیں۔

☆فرمایا: حدیث متواتر کی تعریف میں پھر اس کے وجود میں علما کا اختلاف ہے بہرحال احادیث کے ذخیرہ میں اگر کوئی حدیث متواتر ہو سکتی ہے تو وہ حدیث "من كذب على متعمدا" الحديث ہے جس کے راوی تقریباً ایک سو صحابہ ہیں۔ حافظ سیوطی وغیرہ نے تساہل کیا ہے اور ہر اس حدیث کو جس پر تعامل چلا آرہا ہو اس کو متواتر کہا۔ سیوطیؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "الازهار المتناثرة في الاخبار المتواترة" رکھا ہے اور اسی میں طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ جس حدیث کے راوی دس تک صحابہ ہوں اس کو متواتر کہا، اس لئے ان کا کافی ذخیرہ اس کو ہاتھ آیا۔

☆فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کوئی خواب میں دیکھے اور اسے اطمینان اور یقین ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو ٹھیک ہے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ شمائل میں جو حلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہوا ہے اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی شخص دیکھ سکتا ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید اور صحیح تعلق ہو اور اس کے علاوہ ہر

File Adress:

شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی استعداد کے موافق صورت میں دیکھتا ہے، شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ وہ آپ کے نام اور صورت سے نیند میں آجائے تفصیلات شفاء قاضی عیاض اور وفاء الوفاء اور شروح شفا میں ملاحظہ ہوں، خلاصہ یہ کہ رائی کے دل میں یقین آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو بس کافی ہے۔

☆فرمایا: حدیث میں جو آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج جو لوگ زندہ ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا، محدثین نے اس کے عموم سے فائدہ اٹھا کر خضر علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال قوی نہیں ہے، اس لئے کہ ایک تو مامن عام الا وقد خص عنہ البعض، دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب صحابہ تھے مطلب یہ تھا کہ آپ میں سے [یعنی عالم شہادت میں زندہ اور موجود لوگوں میں سے] سو سال بعد کوئی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اور حضرت خضر کا تعلق عالم شہادت سے نہیں وہ درحقیقت رجال الغیب میں سے ہے، تو حدیث کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، تو ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوں اور یہی صوفیاء کرام کا مذہب ہے۔

☆فرمایا: روح کے بارے میں امام رازیؒ نے کتاب لکھی ہے جس کا نام ''لطائف القدس بمعرفۃ النفس'' ہے اور شاہ ولی اللہ نے بھی اس طرز پر ''الطاف القدس'' فارسی زبان میں لکھی، شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں بھی کچھ نامکمل تفصیلات لکھی ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ قرآن نے روح کی حقیقت کو معلوم کرنے سے روکا نہیں اور اس کی حقیقت کو پہنچنا ممکن ہے، انبیاء علیہم السلام نے تفصیلات اس لئے بیان نہیں کی ہیں کہ اس وقت کے لوگوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے عامۃ الناس کے اذہان اس کے ادراک سے قاصر تھے۔ شاہ انور شاہؒ کی رائے یہ ہے کہ روح عالم خلق میں سے نہیں بلکہ عالم امر میں سے ہے۔ اس کے بارے میں جو کچھ لکھا جائے یا کہا جائے، تحقیقات کی جائیں تو وہ کم ہوں گی، اس کی حقیقت کو پانا مشکل ترین امر ہے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

☆فرمایا: مسجد کے اندر علوم دینیہ کا درس دینا جائز ہے، غیر دینی علوم پڑھانا جائز نہیں تو اس بنا پر مسجد میں فلسفہ اور اشعار جاہلیت کی تعلیم دینا جائز نہیں، اگرچہ علم دین کے لئے وسیلہ ہیں چنانچہ ہمارے اکابر دیوبند اس سے احتراز کیا کرتے تھے۔ منطق کا پڑھانا جائز ہے کیونکہ اس میں کفریات وخرافات نہیں ہیں اگرچہ بعض محدثین مثلاً ابوعمرو ابن صلاحؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کی شاذ رائے ہے کہ منطق بھی ان علوم میں سے ہے جن کا حاصل کرنا حرام ہے، مگر یہ رائے قابل اعتبار نہیں۔

☆فرمایا: حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیریؒ [المتوفی ۱۳۲۳ھ] حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے استاذ تھے اور دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے، بعد میں وہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ سے کہا کہ ہمیں منطق کی تعلیم دیں تو آپ نے فرمایا کہ منطق کی جو مدون کتب ہیں ان کو تو نہیں پڑھاؤں گا البتہ خود کتاب لکھ کر وہ پڑھادوں گا، چنانچہ انہوں نے خود ایک کتاب لکھی جس میں امثلہ قرآن وحدیث سے لیں۔ وہ کتاب چھپی ہے، اور میں نے اس کا قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

☆فرمایا: کتاب العلم میں امام بخاریؒ نے ۱۰۳/ مرفوع احادیث ذکر کی ہیں جن سے تقریباً ۱۵۰ تک مسائل کا استنباط کیا ہے جو علم، عالم اور متعلم کے آداب سے متعلق ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا

☆فرمایا: آیت وضو کے نزول (جو غزوۃ المریسیع کے موقع پر نازل ہوئی تھی) سے اٹھارہ برس پہلے وضو کی تشریع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہوئی ہے اور پھر اٹھارہ برس بعد قرآن نے اس کی تائید کی۔ اس سے ایک اصولی بات معلوم ہوتی ہے کہ شرائع الٰہیہ کا مدار نبوت اور انبیا کی تعلیمات پر ہوتا ہے اصل میں نبی کے قول وفعل وغیرہ سے امور شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے اور تشریع امور قرآن کے نزول پر موقوف نہیں۔

☆فرمایا: تضمین کا معنی یہ ہے کہ دو متقارب المعنی فعلین کے دو معمول ہوں تو احد

File Adress:

الفعلین کو حذف کر کے اس کے معمول کو دوسرے فعل کے معمول پر عطف کر دیا جائے تو اس طرح دو معمولین عاملین مختلفین کے ایک عامل کے تحت آجائیں گی، جیسا کہ علفناھا تبناً وماء باردا اور فزججن العیون والحواجب۔

☆ فرمایا: اطالۃ الغرۃ والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ امت محمدیہ کے افراد کے اعضائے وضو پر نور ظاہر فرمادیں گے اور یہ اعزاز صرف اسی امت کو حاصل ہوگا، کہ ان کے وضو کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوجائے گا۔ کیونکہ وضو پہلی امتوں کے لئے بھی تھا مگر ان کے وضو پر یہ اثر مرتب نہیں ہوگا۔

☆ فرمایا: کہ بعض روایات کے بارے میں امام ترمذیؒ نے اپنے شیخ امام بخاریؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور اپنی روایت کو بخاری کی روایت پر ترجیح دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کی رائے ہر جگہ واجب التسلیم نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ بخاری کی ہر روایت ترمذی وغیرہ کی ہر روایت سے اصح ہو، اس لئے اگر کسی حنفی محقق نے بخاری کی رائے سے کہیں اختلاف کیا یا ترمذی وغیرہ کی روایات کو بخاری کی روایات پر ترجیح دی تو اس پر چراغ پا ہوکر برسنا اور چیخنا حماقت ہے۔

☆ فرمایا: حنفیہ کی چار شخصیتیں ایسی ہیں جن کی تصنیفات سے کوئی محقق عالم مستغنی نہیں ہوسکتا:

(۱) امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار

(۲) ابوبکر جصاصؒ کی احکام القرآن اور الفصول فی الاصول

(۳) علامہ ماردینیؒ کی الجوھر النقی فی الرد علی البیھقی

(۴) حافظ زیلعیؒ کی نصب الرایۃ،

یہ چار شخصیات تحقیق کے بارے میں حنفیہ کے ائمہ اربعہ ہیں، ابن الہمام کی فتح القدیر میں جتنا ذخیرہ احادیث کا ہے وہ نصب الرایہ سے ماخوذ ہے اور حافظ عینی کے عمدۃ سے بھی، حنفی

File Adress

محدث بخاری کا پڑھانے والا اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

☆فرمایا: صیغہ تمریض کے ساتھ بخاری جب کسی حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہاں حدیث یا تو ساقط ہوتی ہے یا ضعیف ہوتی ہے یا پھر اس حدیث سے استدلال اپنے موضوع پر کمزور ہوتا ہے۔

☆فرمایا: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد اچھی اور نفیس کتاب ہے، اس میں بہت سارے نفائس اور عمدہ ابحاث ہیں۔ ابن القیمؒ بہت ہی وسیع المطالعہ کثیر التصانیف شخصیت تھے، وکان جماعا للکتب اور کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی سالہا سال تک اسی کی کتابیں بکتی رہیں مگر تعجب یہ ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں نفائس کے ساتھ عجائب بھی ہوتے ہیں، زاد المعاد میں عمدہ اور نفیس مباحث کے ساتھ بعض غلط اور سطحی قسم کی باتیں بھی ملتی ہیں۔

حضرت شیخ نے اس پر ایک لطیفہ سناتے ہوئے فرمایا کہ شیخ (حضرت کشمیریؒ) نے فرمایا کہ ایک دن میں حضرت شیخ الہندؒ کے پاس بیٹھا تھا، ان کے ہاتھ میں زاد المعاد تھی، مطالعہ کے دوران ان پر کچھ تعجب اور حیرت کی کیفیت طاری ہوگئی، تو میں نے عرض کیا: حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا کہ بہت اوپری باتیں کر رہا ہے، یعنی آپ کو تعجب ہوا کہ ایسا ذہین اور وسیع النظر شخص کس طرح اس قسم کی سطحی بات کہنے پر اتر آتا ہے۔ دراصل اس قسم کی باتیں اس وقت انسان کر جاتا ہے جب تعصب اور محبت کے جذبہ میں آجاتا ہے، سچ ہے: حبک الشئی یعمی ویصم۔

☆فرمایا کہ اعلام الموقعین بعض پہلوؤں سے اچھی کتاب ہے لیکن بعض پہلو اچھے نہیں۔

☆فرمایا: بخاری ص: ۶۱، ج:۱، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیہود: ترجمہ میں مذکور دعویٰ کے لئے یہ تعلیل بظاہر بہت دقیق ہے، اس لئے شارحین نے اس کو حل نہیں کیا اور جو کچھ لکھا ہے وہ نا قابل فہم ہے۔ بخاریؒ کا مدعا یہ ہے کہ قبر کی موجودگی میں نماز

پڑھنا ناجائز ہے۔ جب تک نبش نہ کی جائے نماز ناجائز ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ حضرات انبیا خود بھی واجب الاحترام ہیں اور ان کی قبور بھی قابل احترام ہیں، ان کی قبر کے پاس نماز پڑھنا اور ان کو سجدہ گاہ بنانا جائز نہیں تو مشرکین وغیرہ کی قبور کے پاس بغیر نبش کے کیسے نماز جائز ہوسکتی ہے۔

☆فرمایا: عہد نبوت کے دس سالہ مدنی دور میں اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد تین سو بتالیس تک پہنچی ہے۔ ابونعیم اصفہانی نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے۔

☆فرمایا: شملہ میں ایک موقع پر حضرت مولانا عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ، حضرت مولانا خلیل احمدؒ، حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ جمع ہوئے، بعض لوگوں نے تقاضا کیا کہ قرآن کے اعجاز پر تقریر ہو، اس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ منتخب ہوئے۔ تقریر سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اعجاز قرآن پر میری تقریر اس شخص کے سمجھ میں آئے گی جس کو بارہ ہزار اشعار دور جاہلیت کے یاد ہوں اور بلاغت وفصاحت کے قواعد پر عبور ہو۔ بہرحال آپ نے ڈیڑھ یا دو گھنٹہ تقریر کی، تقریر کے خاتمہ پر حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا: سبحان اللہ! آج ہمیں اپنے جہل کا علم ہوا۔

☆فرمایا: بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ: یہ حدیث تقریباً بیس صحابہ سے منقول ہے اور معناً تواتر تک پہنچی ہے، اس میں جو اشکال ہے اس کی دس توجیہات کی گئی ہیں، ایک توجیہ جو میں نے کی ہے وہ سب سے ظاہر ہے، وہ یہ کہ بانیین میں فرق اور مبنیٰ میں فرق اور دارین میں فرق ہے تو مماثلہ فی البناء بالمعنی المصدری میں ہے، نہ کہ بناء بمعنی للمفعول میں۔ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل میں حضرت مولانا عثمانیؒ کو یہ توجیہ سنائی، تو خوش ہوئے اور دعا دی اور فرمایا کہ تعجب ہے! سب سے اچھی توجیہ یہ ہے اور ظاہر بھی پھر کیسے لوگوں کی نظروں سے غائب رہی۔

☆فرمایا: جب امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک قول پر متفق ہوں تو وہ من حیث الحدیث اقویٰ ترین مذہب ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جس قول پر متفق ہوں تو وہ من حیث التعامل

اقویٰ ترین مذہب ہوگا اور جب امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ ایک قول پر متفق ہوں تو وہ من حیث الفقہ اقویٰ ترین مذہب ہوگا۔

☆فرمایا: فان شدۃ الحر من شدۃ فیح جھنم اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک میں یہ مشاہدہ ہے کہ گرمی وسردی اور صیف وشتاء کا مدار سورج کے قرب وبعد پر ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شدۃ حر کا باعث اور سبب ذات شمس میں ہے۔ اس کا جواب اجمالاً تو یہ ہے کہ شارع علیہ السلام تعلیم شرائع کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جن کا ادراک عقول عامہ سے باہر ہے، رہے وہ امور جو ظاہری اسباب پر مبنی ہوں، تو انبیا ایسی چیزوں اور اس کے اسباب سے بحث نہیں کرتے۔ اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ یہ بات مشاہدہ کی ہے کہ شدت گرمی کا سبب سورج کا قریب آجانا ہے اس لئے یہ بات تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے شان سے بعید تر ہے کہ وہ اس ظاہری سبب کو بیان فرماتے بلکہ آپ کا منصب تو یہ ہے کہ جو چیز دوسروں کے نظروں سے مخفی ہے اور ان کے عقول سے ماورا ہے اس کو ظاہر فرمادیں۔ دنیا کے تمام اہل عقل اس پر متفق ہیں کہ اس عالم میں کرۂ شمس سے گرم ترین کوئی چیز نہیں، اگر درمیانی فضا میں موانع نہ ہوتے، تو حجر وشجر، ضرع اور زرع سب جل جاتے، کوئی بھی متنفس زندہ نہ رہ سکتا، مگر سورج کے کرہ میں یہ حرارت کہاں سے آئی، اس حقیقت کے ادراک سے سب کے سب قاصر ہیں۔ اب یہ پیغمبر کا مقام تھا کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے بتلادیا کہ سورج میں یہ حرارت ذاتی نہیں بلکہ مستفاد ہے جہنم سے، اللہ تعالیٰ نے کرۂ شمس میں یہ قوت جاذبہ اور خاصہ پیدا کردیا ہے کہ وہ جہنم سے حرارت کو جذب کرلیتا ہے اور پھر شعاع شمس کے انعکاس سے یہ حرارت دنیا کو پہنچتی ہے اور اس کو متوازن بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا وغیرہ کے کرات بنادیئے۔ اب دنیا کا نظام اس حرارت سے چل رہا ہے۔

☆فرمایا: مدینہ منورہ میں ایک بزرگ رہتے تھے جو بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور خود دودھ نکالتے تھے، ایک دن اتفاق سے وہ بکری سے دودھ نکالنے میں مصروف تھے کہ میں آ

File Adress

گیا، اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: و کان رسول اللہ ﷺ یحلب شاتہ تو میں نے کہا: نعم و کان یکنس بیتہ اور پھر ارتجالاً میں نے یہ شعر کہا:

الایا صاحب الشاۃ و الغنم

ھیألک سنۃ ھادی الامم

☆ فرمایا: حضرت صدیقؓ اعلم الصحابہ تھے بلکہ افضلہم بھی تھے باجماع الصحابہ اور آپؓ کی افضلیت بالکل بدیہی تھی دلیل کی محتاج نہ تھی۔ اس لئے مسلمان تو کیا کفار مکہ جاہلیت کے زمانے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؓ کا مرتبہ قرار دیتے تھے۔ ابوسفیانؓ نے احد کے موقع پر کہا: ھل فیکم محمد قال لاتجیبوہ قال ھل فیکم ابن ابی قحافۃ قال لا تجیبوہ قال ھل فیکم ابن الخطاب۔

☆ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی تشبیہ صفائی میں ورق مصحف سے دی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرے پر دھبے وغیرہ نہ تھے، یا رخ انور میں ایسی جاذبیت تھی جیسا کہ اوراق مصحف کلام الٰہی کی وجہ سے جاذب نظر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کو بھی قرآن سے تعبیر کیا گیا: کان خلقہ القرآن لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیرۃ اور صورت دونوں کے لحاظ سے قرآن کے مظہر تھے۔

☆ فرمایا: بخاری شریف کو تین سال میں پڑھایا جائے، وقت بھی دو گھنٹے ہو، روزانہ ایک ورق تک مقدار خواندگی ہو اور فتح القاری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، خیر الجاری، توشیح اور تنقیح سارا سامان پیش نظر ہو، تب کچھ کام ہوگا۔

☆ فرمایا: شیخ طوسی کا قلمی نسخہ بخاری میرے پاس ہے، بہت عمدہ ہے اور تین سو سال کا لکھا ہوا ہے اور بہت اچھا لکھا گیا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے معارف السنن میں کوشش کی ہے کہ تلخیص اور تنقیح کے ساتھ تعبیر اور ترتیب بھی ایسی رکھی ہے کہ مدرس کے لئے آسان ہو تو تصنیف میں تدریس کا کام بھی کیا۔

☆فرمایا: حضرت مولانا عثمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر میں ایسا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ مختلف مواد کو تقریر میں ایسا جوڑ دیتے تھے کہ ہم حیران رہ جاتے، مگر تصنیف میں یہ حسن ترتیب نظر نہیں آتی اور ہمارا معاملہ بالعکس ہے۔ فرمایا کہ مولانا عثمانیؒ کی تقریر کا یہ حال تھا کہ وہ اگر صرف اتنی بات کہنا چاہتے کہ ''میں دیوبند سے ڈابھیل پہنچا'' تو اس کے لئے کم از کم آدھ گھنٹہ وقت چاہیے ہوتا اور ایسے دلکش انداز میں یہی بات آدھ گھنٹہ میں بیان کرتے کہ سامع پر بالکل شاق نہ گزرے۔ [یہ تقریر حضرت نے اس بات پر فرمائی کہ نماز میں اتباع امام کے بارے میں ائمہ کی کیا آرا ہیں تو فرمایا:] عند الثلثہ علی المعاقبۃ اور عند الحنفیہ علی سبیل المقارنۃ۔

☆فرمایا: التحقیق فی احادیث الخلاف لابن الجوزی [illegible] اور التنقیح [تلخیص التحقیق فی احادیث التعلیق] لابن عبدالهادی الحنبلی رحمہ اللہ وکلاهما لم یطبعا۔ دونوں نفیس کتابیں ہیں۔ ابن الجوزی بڑے محقق عالم ہیں اور منصف مزاج ہیں، اپنی حنبلیت میں متعصب نہیں، فرمایا کہ موضوعات پر ان کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے متشدد ہیں اور عجیب یہ ہے کہ اپنی ایک کتاب ''المدہش'' میں جو وعظ اور نصیحت کے موضوع پر ہے ایسی واہیات اور موضوعات ذکر کی ہیں جن پر خود انہوں نے موضوع کا حکم لگایا ہے۔ اس پر شیخ عثمانیؒ فرماتے تھے کہ ابن الجوزیؒ پر یہ مواخذہ ہوا کہ وہ احادیث کے بارے میں متشدد ہیں اور مواعظ وغیرہ میں سخت متساہل ہیں۔

☆فرمایا: قمر کے نور کے مستفاد ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے، اس طرح اگر حرارت شمس کو بھی مستفاد من الغیر مان لیں، تو اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہاڑ اور چوٹیوں کے سرے چونکہ شفاف فضا میں ہوتے ہیں، اس لئے ان پر گرمی کم ہوتی ہے اور کثیف زمین پر جب شعاعیں پڑتی ہیں، تو در و دیوار اور سطح زمین گرم ہو جاتی ہے اور حرارت پھر اوپر کی طرف لوٹ جاتی ہے اور ہوا بھی گرم ہو جاتی ہے، یہ وجہ ہے کہ

File Adress:

پہاڑیوں اور اونچے مقامات پر گرمی کم اور نچلے مقامات پر زیادہ ہوتی ہے۔

ایک دوسرے صاحب کے جواب میں فرمایا کہ جہنم کو اگر زیر زمین تسلیم کیا جائے یا محیط علی العالم تو اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ صرف شمس اس کے حرارت کو جذب کر رہا ہے اور دوسری اشیا کو اس کی گرمی نہ پہنچتی ہو، ریڈیو دور سے آواز کھینچ لیتا ہے اور ہمارے کان اس کو قریب سے بھی نہیں سنتے، اس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے، اور دوسری چیزیں اس کو نہیں کھینچتی۔ خود میرا مشاہدہ ہے ایک ہندو حکیم دوست نے ایک دوا تیل کی بنائی تھی کہ ہتھیلی پر ڈال کر مقام درد کو جذب کے ذریعے پہنچتی تھی اور ہتھیلی کو نہیں جلاتی تھی اور جب اس میں پتھر، لکڑی وغیرہ کوئی چیز ڈالتے تو وہ فوراً جل جاتی، اسی طرح آتشی شیشہ جسم کو نہیں جلاتا اور کپڑے کو جلا دیتا ہے پھر خصوصاً سیاہ کپڑے کو جلدی آگ لگا دیتا ہے بہ نسبت سفید کے، الغرض یہ ممکن ہے کہ یہ صرف سورج کا خاصہ ہے کہ وہ جہنم کی حرارت کو جذب کر لیتا ہے اور عالم کے دوسرے اشیا جہنم کی حرارت کو محسوس نہیں کرتے۔

☆ فرمایا: اسفار فجر اور تاخیر عصر پر حنفیہ کے لئے سب سے عمدہ دلیل قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا اور صحیح حدیث میں طلوع صبح کی تفسیر نماز فجر اور قبل غروب کی نماز عصر کے ساتھ وارد ہے اور اب اگر فجر کی نماز تغلیس اور عصر کی مثل ثانی میں پڑھ لی جائے تو قرآن کریم کی تعبیر اس کے موافق نہیں ہوگی۔

☆ فرمایا: حضرت مولانا عثمانیؒ کے واسطہ سے ہمارے شیخ المشائخ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کا ایک جملہ سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کے کسی آیت کریمہ میں اگر اشارہ موجود ہو تو وہ مجھے صحیح حدیث سے زیادہ پسند ہے اور صحاح ستہ کی احادیث میں اشارہ غیر صحاح کی احادیث صریحہ سے زیادہ پسند ہے، یہ آپ کا ذوق تھا اور بہت لطیف اور نفیس بات فرمائی ہے۔

☆ فرمایا: بعض روایات میں مختلف تعبیرات آتی رہتی ہیں اور ایک مضمون مختلف

File Adress

طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے، اس موضوع پر تنبیہ فرماتے ہوئے حضرت شیخ نے کہا کہ بخاری میں ادب کا کافی ذخیرہ ہے اگر آدمی غور کرے۔ فرمایا کہ حضرت شیخ مولانا محمد انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ کسی شیعی نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ادب کے تین کتابیں ہیں، قرآن کریم، صحیح بخاری، ہدایہ۔ فرماتے تھے کہ شیعی فاضل نے ٹھیک کہا ہے۔

☆ فرمایا: حضرت شیخ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے ایک عالم نے پوچھا کہ آپ فتح القدیر جیسی کتاب لکھ سکتے ہیں، تو میں نے کہا: ہاں، پھر پوچھا کہ ہدایہ جیسی؟ تو میں نے کہا: چھ سطر بھی نہیں۔

☆ فرمایا: ولیمہ خوشی کے موقع پر طعام کو کہتے ہیں۔ اور وضیمہ مصیبت وغمی کے موقع پر بنائے گئے طعام کو کہتے ہیں، عجالہ وہ طعام جو جلدی سے تیار کیا گیا ہو اور نزل باہر سے آئے ہوئے مہمان کے لئے بنائے گئے طعام کو کہتے ہیں، اس طرح طعام کے کل پندرہ نام ہیں۔ تفصیلات فقہ اللغۃ للثعالبی میں دیکھئے۔

☆ فرمایا: حضرت ابن عباسؓ کے آثار کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی ایسی چیز پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اطلاق فرماتے ہیں، جس کے لئے سنت میں کوئی اصل ہو، اگر چہ اس کے ساتھ آپؐ کی اپنی رائے کا امتزاج بھی ہو، اس لئے صحابی جب کہے کہ یہ سنت رسول ہے تو اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اصل سنت کیا ہے اور صحابی کی اپنی رائے کا اس میں کتنا دخل ہے؟

قلت: وهذا من دأب شيخنا العلام يسمح بمثل هذه الدرر والغرر ويجود بمثل هذه الفوائد والفرائد كانها الحذف والحصى غير مبال بها وكانه يتكلم بما يعرفه الناس كافة

☆ فرمایا: حدیث میں تقدیم عشاء علی العشاء کا جو حکم ہے تو وہ صحابہ جیسے فاقہ کشوں کے لئے ہے اور ہم جو روزانہ چار مرتبہ کھاتے ہیں، ہمارے لیے اس کی گنجائش نہیں۔

File Adress

☆فرمایا: حدیث ابن عباس بخاری[ص :۱۰۶] قرء النبی ﷺ فیما امر و سکت فیما امر و ما کان ربک نسیا۔ حجیت حدیث کے بارے میں بہت عمدہ اور قوی دلیل ہے۔

☆فرمایا: انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد تو بنص صحیح قبور میں محفوظ ہوتے ہیں، یہ ان کے لئے قانون کلی ہے، انبیا کے علاوہ دوسرے صلحا کے اجساد بھی عموماً محفوظ ہوتے ہیں، چنانچہ بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور یہ بطور اکرام واعزاز کے ہوتا ہے۔ اس بارے میں تاریخی وقائع لاتعد ولاتحصی ہیں ولایمکن ان قرد۔ وفاء الوفا للسمہودی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کا پاؤں ایک سو سال کے بعد ایک موقع پر محفوظ دیکھا گیا ہے اور جنت البقیع میں موتی کے تدفین کے مواقع پر عموماً یہ مشاہدہ ہوتا ہے اور سنا ہے کہ حضرت مولانا بدر عالمؒ کی ٹانگ بھی چھ مہینے کے بعد سالم پائی گئی۔

☆فرمایا: عرب کو ''امیین'' کہنے کی وجہ بعض نے یہ لکھی ہے کہ منسوب ہے ام القریٰ کی طرف مگر صحیح تو جیہ وہی ہے جو کہ حدیث میں وارد ہے کہ نحن امة امیة لانکتب ولانحسب یعنی عرب عام طور پر حساب وکتاب سے نابلد تھے، بخلاف یہود ونصاریٰ وغیرہ اقوام کے کہ وہ ان چیزوں میں ماہر تھے۔

☆فرمایا: فطرۃ سے مراد انسان کی وہ فطری اور خلقی صلاحیت اور استعداد ہے جس کی بنا پر وہ حق کو قبول کر سکے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان یہودی اور نصرانی ہونے کے باجود بھی مکلف ہوتا ہے اور تکلیف اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں قبول اسلام کی استعداد موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی استعداد کے اعتبار سے تین مراتب ہیں: ایک تو یہ کہ ولادت کے بعد وہ اس صحیح توحید اور اسلام کے عقیدہ پر پیدا ہوتا ہے، جس کی تلقین اس کو عالم ذر میں کی گئی تھی اور اس حالت میں اس میں قبول حق کی استعداد قریبہ موجود ہوتی ہے، پھر آگے ماحول کے اعتبار سے اور غلط تربیت کی وجہ سے بعض اوقات غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے اور اس

File Adress:

وقت بھی اس میں قبول حق کی استعداد موجود ہوتی ہے، مگر بعید اور کمزور۔ اور تیسرا مرتبہ ختم علی القلب اور طبع علی القلب کا ہے کہ انسان اپنی ضد اور تعنت کی وجہ سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنی استعداد اور صلاحیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے [اس مرتبہ میں بھی استعداد بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی کیونکہ تکلیف اس وقت بھی بحال ہوتی ہے مگر ضعف اور شدتِ بُعد کی وجہ سے کالعدم قرار دی جاتی ہے۔]

☆فرمایا: وضع جریدہ کے متعلق حدیث وارد ہے اور اس پر بخاریؒ نے جو باب باندھا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بخاریؒ اس فعل کو عام سنت بتلانا چاہتے ہیں۔ مگر آگے فسطاط کے ہٹانے کی اثر کو لاکر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فعل بے فائدہ ہے۔ اس لئے شراح کو بخاری کی مراد سمجھنے میں دقت پیش آئی اور کوئی واضح مقصد اس کا متعین نہیں ہوا۔ [شاید بخاری جریدہ اور غیر جریدہ میں فرق کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ وضع جریدہ تو مسنون اور اس کے علاوہ غیر مفید ہے۔] بہرحال اصلی بات یہ ہے کہ وضع جریدہ عام سنت نہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جریدہ رکھا تھا اس کا حاصل ہونا امت کے لئے ناممکن الحصول ہے کیونکہ جریدہ رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو یقینی علم ہو کہ صاحب قبر معذب ہے اور پھر خود بھی وہ اس مقام کا آدمی ہو کہ اس کے دست کی برکت سے تخفیف فی العذاب متوقع ہو اور ظاہر بات ہے کہ اگر یہ عام سنت ہوتی تو سارے صحابہ اس پر عمل کرتے، سوائے بریدہؓ کے تمام صحابہ کا تعامل اس پر دلیل ہے کہ یہ عام سنت تشریعی نہیں تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص تھی۔

☆فرمایا: قاتل عمد اور قاتل نفس کے متعلق خلود فی النار کے وعید تغلیظاً وارد ہے، ورنہ یہ دونوں کبائر میں سے ہیں جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور نص شاہد ہے کہ شرک کے علاوہ تمام گناہ قابل عفو ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اعمال صالحہ ہوں یا سیئہ، ان کے متعلق احادیث میں جو سزا و جزا اور وعد و وعید کا ذکر ہے وہ اس خاص عمل کا اصل مزاج اور خاصیت ہے، لیکن یہ عمل جب

دوسرے اعمال کے ساتھ مل جاتا ہے تو اپنی خاصیت پر باقی نہیں رہتا بلکہ اس کے مزاج اور اثر میں تبدیلی آجاتی ہے، جیسا کہ کتب طب میں مفردات کے خواص مذکور ہیں، لیکن جب ان کو آپس میں ملا کر مرکب تیار کیا جائے، تو پھر اس کا اثر بالکل علیحدہ ہوجاتا ہے، یہ عمدہ اور سہل تقریر ہے اس قسم کے مواقع کے حل کرنے کیلئے۔

☆فرمایا: مرنے کے بعد بعثت تک برزخ میں جو عبوری اور درمیانی دور ہے، اس کے لئے ''عذاب القبر'' کا عنوان ہے، مرنے کے بعد انسان جس حالت میں ہو، جہاں بھی ہو، ذرۂ خاک ہو، قطرۂ خون یا رماد ہو، بر میں ہو یا بحر میں ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور علم اور قدرت سے باہر نہیں، اس لئے اس کو راحت یا عذاب دینا آسان ہے، عذاب قبر کے مسئلہ پر اہل السنۃ اور اہل الاعتزال کا اجماع ہے سوائے بشر مریسی اور ذوارۃ بن عمرو کے، کہ صرف یہ دونوں اس کے منکر ہیں۔ قرآنی آیات تقریباً اس بارے میں قطعی الدلالت ہیں اور احادیث متواتر ہیں۔ عذاب قبر کا منکر کافر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر اصل عذاب سے مطلقاً انکار کرے تو کفر میں شک نہیں اور تفصیل وکیفیت میں اختلاف ہو تو کفر نہیں ہوگا۔ باقی معصیت اور طاعت جسم و روح دونوں کے اشتراک سے ہوتے ہیں اس لئے عذاب اور راحت بھی دونوں کو ہوگا اور دونوں کے درمیان موت کے بعد بھی رابطہ قائم ہوتا ہے، موت سے انفصال تو ہوجاتا ہے مگر انقطاع کلیۃ نہیں ہوتا۔ علما نے روح کے جسم کے ساتھ تعلق کے پانچ اقسام لکھے ہیں: ایک بحالت جنین جو سب سے کمزور تعلق ہے، دوسری ولادت کے بعد، پھر یہ دو قسم کا ہے: ایک بحالت یقظہ دوسرا بحالت نوم۔ چوتھی قسم برزخ میں، اور پانچویں بعثت کے بعد حشر میں اور یہ سب سے اقویٰ ہے، ابن القیمؒ نے کتاب الروح اور ہمارے ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

☆فرمایا: انفاق اور اسراف کے درمیان حد یہ ہے کہ راہ حق میں صرف ہو تو انفاق ہے اگرچہ سب کچھ صرف کردے اور اگر غیر حق میں ہو تو اسراف ہے، اگرچہ شی قلیل ہو۔

File Adress:

☆فرمایا: حدیث میں سات آدمیوں کا ذکر ہے، جن کو سایہ عرش میں جگہ ملے گی، سات میں حصر مقصود نہیں۔ ان کے بغیر اوروں کا بھی روایات میں ذکر آیا ہے، اور علما نے ان پر اور بھی بڑھا دیئے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اور بھی کئی لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوا کرتا حتی کہ قائلین بالمفہوم کے نزدیک بھی۔

☆فرمایا: بخاریؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یدعلیا سے مراد 'منفقہ' ہے اور سفلی سے اخذہ، مگر موطا وغیرہ کی روایات میں آیا ہے کہ اخذة متعففة (غیر سائلہ) علیا ہے اور سائلہ سفلی ہے، جمع یوں ہوسکتا ہے کہ علیا کے دو درجے ہیں: ایک تو منفقہ کا ہے اور دوسرا اخذہ متعففہ کا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆فرمایا: اقط، قرط (پشتو) کو کہتے ہیں، نہ کہ پنیر کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔

☆فرمایا: یہ میری قطعی رائے ہے کہ جدہ سے احرام نہیں باندھا جاسکتا خلافاً للمفتی محمد شفیع۔ ہماری اس پر اٹھارہ گھنٹے بحث ہوئی لیکن مفتی صاحب کے دلائل سے اطمینان نہ ہوا، وہ دلائل کمزور ہیں۔ درحقیقت وہ اس شخص کے بارے میں ہیں جس کا میقات مجہول ہو اور محاذات میقات بھی نامعلوم ہو ایسا شخص حرم سے دو مرحلہ کے فاصلے سے احرام باندھے گا۔ اس مسئلہ میں میں، مفتی ولی حسن صاحب اور مفتی رشید احمد متفق ہیں۔

☆فرمایا: ذات عرق کی توقیت کے بارے میں علما حیران ہیں کہ اس کی توقیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یا حضرت عمر فاروقؓ نے کی ہے، غزالی، نووی اور ابن حجرؒ سب حیران ہیں اور ہر ایک نے دو قول پیش کیے ہیں، ایک کتاب میں ایک قول لکھا دوسری میں دوسرا قول لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے وہ یہ کہ توقیت ذات عرق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی، اہل عراق کے لئے۔ رہا یہ سوال کہ عراق تو فتح نہیں ہوا تھا۔ تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مصر و شام بھی فتح نہیں ہوئے تھے، حالانکہ ان کے لئے میقات متعین فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

File Adress:

بذریعہ وحی معلوم تھا اور قرآن کریم کی آیت یاتوک رجالا علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق سے بھی معلوم ہو رہا تھا کہ یہ علاقے فتح ہوں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے لئے میقات کا تعین فرمایا تھا، مگر عراق کے بعض حصوں کے لوگ جو مجد کے ساتھ ملحق ہیں ان کو اشکال ہوا کہ چونکہ ہم مجد کے تابع ہیں اس لئے ہمارا میقات قرن المنازل ہونا چاہیے، لیکن وہ ان لوگوں سے بہت دور تھا۔ اس اشکال کو انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے محاذات کا اعتبار کرتے ہوئے ان لوگوں کو ذات عرق سے احرام باندھنے کا فتویٰ دیا، یعنی ذات عرق کی توقیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، مگر اس خاص خطہ کے لوگوں کے لئے اس کی تعیین حضرت عمرؓ نے کی۔

☆ فرمایا: چھ گز کے فاصلے پر حطیم کعبہ کا جز ہے باقی نہیں، علما نے ایسا ہی لکھا ہے البتہ نماز میں اس کی طرف استقبال ناکافی ہے اس لئے کہ اس کی جزئیت خبر واحد سے ثابت ہے جو کہ مظنون ہے لہٰذا اس سے فرض مقطوع ادا نہیں ہو سکتا۔

☆ فرمایا: امام ابو یوسفؒ کے پاس مرض الموت کی حالت میں ایک شخص آیا تو آپؒ نے پوچھا کہ رمی کے بعد وقوف مسنون ہے یا نہیں، اس نے جواب دیا کہ مسنون ہے۔ آپ نے پوچھا کہ مطلقاً؟ کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ غلط۔ اس نے پھر کہا کہ غیر مسنون ہے تو آپ نے فرمایا کہ غلط، پھر مسئلہ بتلایا کہ جس رمی کے بعد دعا ہو تو اس کے بعد وقوف مسنون ہے اگر دعا نہیں تو وقوف بھی مسنون نہیں، وہ شخص دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

اس طرح حضرت عمرؓ کے پاس شہادت سے چند لمحے پہلے ایک اعرابی عیادت کے لئے آیا جب واپس ہونے لگا تو آپؓ نے واپس بلایا اور فرمایا کہ ارفع ازارک فانہ اتقی لربک وانقی لثوبک یہ شان ہوتی ہے اہل علم اور اہل دین حضرات کی کہ ہر وقت دین کے لئے سوچتے ہیں۔

☆ فرمایا: مدینہ منورہ کو چھوڑ کر دوسرے بلاد میں جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

File Adress

اظہار ناراضگی فرمایا ہے، اور یہ اس صورت میں کہ جب اسلام اکناف ارض میں پھیلے گا اور عراق وشام کے متمدن علاقے زیر نگین آئیں گے چونکہ ان علاقوں کی بود وباش امیرانہ تھی اور زندگی راحت وآرام کی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہدایت فرمائی کہ تنعم اور تعیش کی خاطر مدینہ منورہ کو لوگ چھوڑ جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صحیح علم رکھتے تو ان کے لئے مدینہ بہتر تھا۔ اگرچہ وہاں ضیق معاش اور تنگی ہے اور دیگر بلاد میں آسائشیں میسر ہیں، رہا یہ کہ جہاد اور اشاعت اسلام کے لئے باہر جانا تو اس حدیث کے دائرہ سے باہر ہے خود ارشاد نبوی ہے: لغدوة اوروحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اور دیگر صحابہؓ نے مدینہ سے باہر جا کر اسفار کیے۔

پہلے اہل حجاز کے ہاں مشہور تھا کہ جس کو دین مطلوب ہو تو وہ مدینہ میں رہے اور جس کو خالص دنیا مطلوب ہو وہ جدہ میں رہے اور جس کو دین ودنیا دونوں مطلوب ہوں وہ مکہ معظمہ میں رہے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آج کل تو مدینہ میں بھی اتنی تجارت ہوتی ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے، آج تو مدینہ میں بھی دین ودنیا دونوں میسر ہیں۔

☆ فرمایا: روضة من رياض الجنة کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اس ٹکڑا میں پہنچ گیا، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ کیونکہ جنت میں جب آدمی داخل ہو جائے تو پھر اس کو نکالا نہیں جائے گا۔ یہ حضرت شیخ کی توجیہ ہے [اور نفیس بھی ہے]

☆ فرمایا: الصيام جنة (روزہ ڈھال ہے) ڈھال چونکہ آدمی کے بائیں ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس سے بچاؤ کا انتظام کرتا ہے، تو روزہ بھی انسان کے لئے قبر میں عذاب سے نجات کا باعث بنے گا۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں حدیث موجود ہے کہ قبر میں انسان جب رکھا جائے گا تو دائیں جانب سے نماز عذاب کو روکے گی اور بائیں جانب سے روزہ عذاب کو روکے گا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ [حضرت کشمیریؒ] رمضان شریف میں تلاوت

فرمارہے تھے، ان کی عادت تھی کہ بہت غور وخوض سے تلاوت فرمایا کرتے تھے، بسا اوقات فجر کی نماز کے بعد ایک پارہ شروع کیا تو عصر تک ختم ہوجاتا تھا۔ بہرحال آپؒ تلاوت فرمارہے تھے، میں قریب بیٹھا کام کررہا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ سامنے الماری میں کتاب [فتح الباری ،ج:۳] ہے ایک دو کو چھوڑ کر تیسری لے آؤ۔ میں نے اٹھالی، فرمایا کہ کتاب الجنائز میں دیکھیں کہ یہ حدیث [کہ قبر میں نماز دائیں اور روزہ بائیں طرف سے عذاب کو روکیں گے] مسند احمد کے حوالہ سے ہے یا صحیح ابن حبان کے حوالہ سے۔ [سبحان اللہ]

شربت الحب كأساً بعد كأس

فما نفد الشراب ومارويت

☆ فرمایا: 'ایلہ' وہی شہر ہے جسے آج کل 'عقبہ' کہتے ہیں، جس پر حال میں اسرائیل نے قبضہ کیا ہے۔ ایک 'ابلہ' ہے، وہ بصرہ کے قریب واقع ہے۔ دونوں کی طرف رواۃ منسوب ہیں۔ الایلی بھی ہیں اور الابلی بھی۔

☆ اپنے عزیز صاحب زادے محمد صاحب کو سبق پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ بقرۃ، لوذۃ، تمرۃ، دجاجۃ، حمامۃ میں تاء وحدت کے لئے ہے تانیث کے لئے نہیں۔

☆ حضرت شیخ نے اپنے استاذ امام العصر حضرت شاہ صاحب کشمیری کا یہ مقولہ نقل فرمایا کہ فلاسفہ اور حکما کے علوم پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جتنا آپ ان میں غور کریں گے وہ سمٹتے چلے جائیں گے اور حضرات انبیا کے علوم مختصر ہوا کرتے ہیں، لیکن ان میں جتنا غور کیا جائے وہ پھیلتے چلے جائیں گے۔

☆ حضرت نے فرمایا کہ قرآن حکیم کے بعض بدیہیات بھی اتنی مشکل ہوتی ہیں کہ میں ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان هذه امتكم امة واحدة مختصری آیت ہے، جس میں بظاہر کوئی اشکال نہیں لیکن مختلف تفاسیر کے مطالعہ اور کافی غور کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوا۔ البتہ تفسیر مظہری میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے کچھ اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

File Adress

☆مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے دارالتصنیف میں احقر اور برادر مکرم مولانا محمد حبیب اللہ صاحب مختار کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ مدینہ منورہ میں مجمع البحار کا ایک نسخہ ملا، قیمت تیس ریال تھی، میرے پاس رقم ناکافی تھی، صرف خرچہ کی رقم تھی، پریشان تھا، چھوڑنا بھی جی نہیں چاہتا تھا اس لئے کہ ہندوستان میں اس کی قیمت دوسو روپیہ تھی، اس حالت میں ایک شخص ملا، اس نے کہا کہ فلاں صاحب نے یہ دس پونڈ آپ کے لئے دیئے ہیں جس کے سو ریال بنتے تھے، اس طرح یہ کتاب میں نے لے لی۔ فرمایا: اس طرح محنت سے ہم نے یہ کتابیں جمع کی ہیں اور فرمایا کہ یہ بائیس سال پہلے کا واقعہ ہے جب کہ میں وہاں اس وقت کسی سے متعارف بھی نہیں تھا۔

☆فرمایا: حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ بخاریؒ نے حضرت شاہ کشمیری صاحبؒ کے متعلق فرمایا کہ ''صحابہ کا قافلہ آگے بڑھا یہ پیچھے رہ گئے'' اور فرمایا کہ حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ اگر گناہ کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے، آپ کو گناہ کرنا آتا ہی نہیں۔

☆فرمایا: حضرت مولانا تھانوی صاحبؒ جب کہ وہ حکیم الامۃ بن چکے تھے علمی مسائل میں حضرت شاہ صاحبؒ سے مراجعت فرمایا کرتے تھے جب کہ حضرت شاہ صاحب اس وقت نوجوان اور مولوی انور شاہ تھے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک خط میں استدعا کرتے ہوئے لکھا کہ آپ اس مسئلہ میں روایت یا درایت کے لحاظ سے جو فیصلہ ہو کیجئے۔

☆فرمایا: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ دس جلدوں کے مطالعہ کے بعد صرف ایک نیا مسئلہ سامنے آجاتا ہے تو خوشی ہوتی ہے کہ محنت ضائع نہیں ہوئی۔

☆حضرت مولانا غلام نبی کاموہیؒ کا مقولہ حضرت الشیخ نے نقل فرمایا کہ جتنے بڑے بڑے علما ہم نے دیکھے ہیں اگر چاہیں تو ہم ان جیسے عالم بن سکتے ہیں، الا انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۴۲)

شہید اور شہادت کا مقام عقل اور نقل کی روشنی میں

جو حق کی راہ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرتا ہے شہید کہلاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حق کو غالب لانے کی خاطر دشمنان حق کے ہاتھوں قتل ہو جانے والا شہید ہوتا ہے، یہ لفظ یا تو شہود سے ماخوذ ہے یا مشاہدہ سے یا شہادت بمعنی گواہی سے، یا یہ خود فعیل کے وزن پر مصدر ہے بمعنی فاعل یا بمعنی مفعول۔ ہر ایک احتمال محتمل ہے، اور ہر ایک کے لئے مؤید بھی پایا جاتا ہے۔

قتیل فی سبیل اللہ کو کئی وجوہ سے شہید کہا گیا:

اولاً: تو اس لئے کہ نزع روح کے وقت رحمت حق کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہو

جاتے ہیں تا کہ اس کے جسد پاک کو غسل دے کر اس کے روح کو جنت لے جائیں۔

ثانیا: اللہ جل شانہ اور اس کے برگزیدہ بندے شہید کے جنتی ہونے پر شہادت دیتے ہیں۔

ثالثا: جنت میں اس کے لئے جو رہائش گاہ تیار ہے اس سے نزع کے لمحات میں اس کے سامنے پیش کر کے دکھایا جاتا ہے۔

رابعا: اس کے پاکیزہ خون کا قطرہ قطرہ اور اس کے خون آلود جسم کا ذرہ ذرہ اس کے کمال ایمان پر شہادت دیتا ہے۔

خامسا: نزع روح کے متصلا بعد جنت کے حور جنتی لباس ہاتھوں میں لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں۔ (یہ تمام وجوہ اس صورت میں ہیں جبکہ فعیل بمعنی مفعول ہو۔)

سادسا: رضائے حق کی خاطر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو کر جان دینے والا خدا کی زمین پر خدا کی توحید کا سب سے بڑا گواہ ہے۔

سابعا: وہ شہادت کے بعد خدا کی ملک وملکوت کا ہر آن مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

ثامنا: جس شاہد بے ہمتا کے عشق سے سرشار ہو کر اس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے، شہادت کے بعد اس کی ابدی معیت اور اس کے سامنے حضور کا اعلیٰ مقام پا کر اس کے جمال جہان آرا کا بے حجاب مشاہدہ کرتا ہے۔ (عند ربھم ای حاضرین عند ربھم و مقربین عندہ)

تاسعا: اس سے اس مقدس محفل میں حاضری نصیب ہوتی ہے جس کے شرکاء انبیاء صدیقین اور صالحین ہوتے ہیں۔

عاشرا: اسے حشر میں پیغام حق سے سرتابی کرنے والوں پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔

(یہ آخری وجوہ خمسہ شہید بمعنی شاہد ہونے کی صورت میں ہیں۔)

شہید اور شہادت کے موضوع پر مختلف پیرایوں میں اظہار خیال کیا جاتا ہے، اس

File Adress:

موضوع پر صوفیانہ نقطہ نظر سے بھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور سیاسی زاویہ نگاہ سے بھی اور حکیمانہ وفلسفیانہ انداز پر بھی۔ ایمان واسلام اگر عشق خداوندی اور حب الٰہی کا دوسرا نام ہے تو شہادت فی سبیل اللہ الفت گاہ کے سلوک کی سب سے اخری منزل ہے۔ کسی شاہد کے محاسن و مکارم پر علم آنے کے بعد جب دل اس کا شکار ہوجاتا ہے تو اولا انسان ان مقامات کا چکر لگانے لگتا ہے جہاں محبوب یا اس کے آثار دیکھنے کا امکان ہو، رفتہ رفتہ جب مرض عشق میں اضافہ ہونے لگتا ہے تو محبوب کی رضامندی اور اس سے ملنے کی خاطر عاشق اپنے مال کی قربانی دینے لگتا ہے، جب اس جنون میں کچھ اور اضافہ ہوتا ہے تو کھانا پینا چھوڑ کر محبوب کے وصال کی جہاں توقع ہو وہاں قلندروار ڈیرہ جماتا ہے۔ جب راہ روصحرائے عشق اس منزل سے بھی ایک قدم آگے بڑھاتا ہے، تو پھر آبادی چھوڑ کر وادی غیر ذرع میں ننگے سر، پابرہنہ اور محبوب کے گھر پہنچ کر اس کے اردگرد چکر کاٹتا ہے اور اس کے در و دیوار، نشانی و آثار کو چومتا ہے لیکن اب بھی سفر عشق کی انتہا نہیں ہوئی، آخری منزل اس سفر کی یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر عاشق اپنے معشوق کی ذات میں فانی ہوکر دائمی وصال سے لطف اندوز ہوجائے۔ مذکورہ بالا اشارات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی اعمال وعبادات میں سب سے افضل ترین عمل شہادت فی سبیل اللہ ہی ہوسکتا ہے۔ حب الٰہی کے جھوٹے دعویداروں سے اس لئے فرمایا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (جمعہ:۷)

اور ان کے عشق ومحبت کے بلند بانگ دعاوی کا پول اس وقت کھل گیا جب انہوں نے خدا کے سچے پرستار موسیٰ علیہ السلام کو یہ شرمناک جواب دیا کہ

"فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ"۔ (مائدہ:۲۴)

یعنی ہم تو دودھ پینے والے مجنون ہیں، خون دینے کیلئے کوئی اور مجنون ہوگا، اگر لیلیٰ کو بہت زیادہ ضرورت ہے تو اپنا ہی خون نکال کر پی لے۔

File Adress

الغرض ذات حق کے ایک سچے عاشق کے لئے شہادت سے محبوب کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اسی راستہ پر چل کر ہی وہ جلد از جلد اپنی مقصد کو پالیتا ہے۔ "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" اسی حقیقت کی ترجمانی کی گئی ہے۔ عقلا بھی ایسا ہی ہے اس لیے کہ انسان جب تک زندہ ہے تو وہ بشری تقاضوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا، بقائے حیات اور جسانی نشونما کے لئے بے شمار ضروریات کا فکر دامن گیر رہتا ہے، اس لئے اگر وہ چاہیں بھی تب بھی حق تعالی شانہ کی طرف بشر اشرہ متوجہ نہیں ہوسکتا۔ دنیاوی زندگی اس کے لئے حجاب مقصد ہے اور ایک قسم کا زندان ہے، شہادت ہی کے ذریعے سے یہ حجاب اٹھ جاتا ہے اور تمام بندھن کٹ جاتے ہیں، طبعی موت سے بھی اگر چہ یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس میں وہ لذت کہاں جو شہادت میں ہے، کہاں دوست کی لقاء کے شوق میں، اس کی دوستی کے جرم میں اس کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دینا اور کہاں نرم و نازک بستر پر بے اختیار جسم سے روح کا نکلنا۔

بجرم عشق توام میکشند غوغا نیست
تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا نیست

سیاسی نقطہ نظر سے بھی شہید اور شہادت کا مقام انتہائی اہم ہے، تاریخ عالم کے واقعات اپنے تواتر کے ساتھ گواہ ہیں کہ آفرینش عالم سے لے کر آن حاضر تک دنیا میں کوئی تحریک، کوئی دعوت، کوئی انقلاب کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا جب تک کہ اس کے لئے خون نہیں بہایا گیا، کسی داعی کو اللہ جل شانہ اگر خون کی قربانی کے بغیر منزل مراد تک پہنچائے تو سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے واجب الاحترام چچا کا جسد اقدس ٹکڑے ٹکڑے نہ دیکھنا پڑتا اور نہ احد کی سرزمین آپ کے مقدس خون کے قطرات کے موتیوں سے لالہ زار ہوتی، بہر حال دنیا کی کوئی تحریک بغیر قربانی کے کامیاب نہیں ہوسکی اور نہ ہوسکتی ہے، یہ فطرت کا اٹل اصول ہے، (ماضی قریب میں روس کے لینن اور جرمنی کے ہٹلر اور فرانسیسی نپولین نے جو کامیاب انقلاب برپا کیے، یا حیرت انگیز فتوحات حاصل کیں ان کا اصل لم یہی تھا کہ ان

کے ساتھی فدائی رفاقت کار، جان سپار و جان نثار تھے۔) مقصد کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ ہی قومی زندگی کی روح ہے اور یہی جذبہ اقوام عالم کے برادری میں کسی قوم عزت و وقار کا مقام بخشتی ہے، چند مہینوں کی بات ہے کہ اسی جذبہ نے ہمارے مصری و شامی بھائیوں کو بین الاقوامی سطح پر وہ مقام دیا جو ہر قسم کے ڈپلومیسی کے طریقے اختیار کر کے بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ذلت و رسوائی کی وہ بدنما داغ جو اس بہادر قوم کی پیشانی پر سالہا سال سے نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ چند دن بھی نہیں چند لمحوں میں عرب نوجوان کے جذبہ شہادت نے کلی طور پر مٹا دیئے۔ خدائے علیم و خبیر نے اسی حقیقت کی طرف اپنے حکیمانہ انداز میں واضح طور پر ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ۔ (الصف:۷)

خود ہم اور آپ یہ جو آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں یہ درحقیقت ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں حافظ ضامن شہیدؒ اور دوسرے حق پرستوں کے بہائے گئے خون ہی کا تو نتیجہ ہے، اگرچہ بدقسمتی سے آج آزادی کے ہیروان خبیث ارواح کو قرار دیا جا رہا ہے جو انگریز کے گود میں پھلے اور پھولے۔

الحاصل جان کی با مقصد قربانی وہ چیز ہے جو اقوام، جماعتوں، تحریکوں کو زندگی بخشی ہے اور اسی سے دنیا میں وہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے شہید کو 'میت' کہنے سے ہی صرف نہیں روکا بلکہ اسے ''میت'' سمجھ لینے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی بنیادی وجہ سیاسی طور پر یہ ہے کہ فرد کلی کی موت اگر جماعت کی حیات کا سبب بنتی ہے تو ایسی موت پر سینکڑوں زندگیاں نثار ہوں۔ ایک فرد نے اگر اپنا خون بظاہر صفحۂ ارض پر بہایا لیکن درحقیقت وہ قوم کے جسد اجتماعی میں جذب ہو کر قومی جسد کے رگوں میں گردش کرنے لگا تو اسے ''میت'' کہنا یا سمجھنا حماقت کی انتہا ہے۔ اس خون سے جب ایک دل دھڑک رہا تھا، ایک شخص متحرک تھا تو ''حیاۃ'' اور جب اس سے ہزاروں دل دھڑکتے ہیں، لاکھوں بے جان لاشیں ہوتیں تو 'مماۃ'؟ سطح بینی کی انتہا ہے۔

شہید کی شہادت دراصل جماعت کی کامیابی کی ضمانت ہے، شہید نے جس مقصد کی خاطر جان دیدی ہے اس مقصد کی خاطر اس نے اور اس کی قوم نے جو جدوجہد کی ہے، قادر وقوی پروردگار اس کے بارآور ہونے کی گواہی دیتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ" (محمد: ۴)

شہید کے لہو کا قطرہ قطرہ باقی ماندہ جماعت کے لئے ہدایت کا مینار بنتا ہے اس کا بظاہر خاموش، زخم خوردہ جسم قوم کے لئے عظیم راہنما بن جاتا ہے اور اس کی قربانی کے تصدق قوم منزل مراد تک پہنچ جاتی ہے۔ "سیھدیھم" کے الفاظ یہی خوشخبری دے رہے ہیں، شہید نے اپنے سینہ پر جو زخم کھائے وہ اس کی قوم اور جماعت کے امراض، بدحالی اور خامیوں کا علاج بنے گا۔ "ویصلح بالھم" اور خود شہید کو قرب الٰہی کے منزل تک پہنچنے اور رب کی کلی خوشنودی حاصل ہونے والے مقام میں داخل ہونے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ "ویدخلھم الجنة عرفھالھم"

قرآنی تعلیمات پر غور کرنے کے بعد کم از کم ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا اگر اس میں انقلابی جذبہ نہیں اور موت کی تمنا نہیں، خدا کے نظام کو خدا کے مخلوق پر نافذ کرنے کیلئے جدوجہد کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے، قتال فی سبیل اللہ ہے، اور اس راستہ میں کام آجانا شہادت ہے۔ قرآن حکیم نے انہی دو چیزوں کو مؤمن کا نصب العین بنایا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ"

دنیا میں نام نہاد مسلمانوں کی خواری کا سبب یہ ہے کہ اس میں انقلابی سپرٹ نہیں رہا اور موت سے کھیلنے کے بجائے ڈرتا ہے، جب بھی ہم اس روش کو چھوڑیں گے، اپنا مقام پالیں

File Adress:

گے اور دنیا کی امامت و قیادت کا جو ہمارا موروثی منصب ہے دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ دنیا میں اللہ جل شانہ نے جیسے کچھ تشریعی اصول ہمیں دیئے ہیں اسی طرح اس ذات حق کے کچھ تکوینی اصول بھی ہیں جن میں تبدیلی ناممکن ہے، لا تبدیل لخلق اللہ، و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا، یہ فطری اور تکوینی اصول ایسے ہیں کہ زمان و مکان کی قید سے وراء الوراء ہیں، کسی خطہ کسی دور، کسی رنگ، کسی نسل کے ساتھ ان کی خصوصیت نہیں حتی کے ایمان اور کفر کا بھی ان کے سامنے کوئی اعتبار نہیں۔ انہی اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ دنیا میں کامیابی اور کامرانی کا مدار انقلابی جذبہ، عمل کی حرارت موت کی تمنا پر ہے۔ یہ صفات روسیوں میں آئے تو انہوں نے دنیا میں ممتاز مقام پالیا، آفیمی چینیوں نے ان اصول کو اپنایا تو عالمی برادری میں احترام کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ بنگال کے چار فٹی، پانچ فٹی قد آور کالے رنگ اور نحیف جسم والے نوجوانوں میں جب یہ جذبہ بیدار ہوا، اگرچہ مقصد غلط تھا لیکن آپ نے دیکھا کہ کامیابی نے ان کی قدم چومے اور پختون، پنجابی، بلوچ جیسے قوی الجثہ دیوہیکل فوجی ان کے جذبات کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ ہزاروں نظائر اس سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، البتہ آخرت میں یہ جذبہ کارآمد تب ہوگا جب مقصد صحیح ہو اور ایمان باللہ کی بنیاد پر قائم ہو۔

شہید اور شہادت کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا یہ مشت نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شہید اور شہادت پر فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز میں اگر گفتگو کی جائے تو راہوار عقل کے لئے ایک وسیع میدان ثابت ہوگا چند مجمل اشارات پر اکتفا کریں گے۔

بظاہر انسان جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے لیکن حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں کہ انسان دراصل روح کے جوہر ہی کا نام ہے، جسد کا قالب محض اس کے تشخص اور تعین کی خاطر ہے، یا پھر بطور خادم و ملازم اس کو روح کا مصاحب بنایا گیا ہے۔

رب العالمین نے ہر موجود پر وجود کا فیضان اس لئے کیا تا کہ وہ اپنے وہبی استعداد کو بروئے کار لا کر اپنے ممکنہ حد کمال تک پہنچے، انسان کو اللہ جل شانہ نے دو قوتیں دی ہیں: علمی اور عملی۔ ان دونوں قوتوں کی تکمیل اس کا طبعی اور فطری فریضہ ہے۔ یہ بات اصول موضوعہ میں سے ہے کہ ذرات مجردہ کا علم بنسبت مادیات کے اتم، اکمل اور ادوم ہوا کرتا ہے، جس قدر مادہ سے بعد اور دوری ہو، بے تعلقی ہو، اسی مناسبت سے علم میں اضافہ، وسعت اور استحکام ہوگا، جسمانی آلائشوں اور مادی کدورتوں کا طبعی تقاضہ ظلمت اور جہل ہے۔ بنابریں ایک انسان اپنی قوت علمیہ کی تکمیل جب کرنا چاہے گا تو اسے مادہ اور مادیات سے حتی الامکان تجنب اور تجرد کے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی۔ ''نفوس قدسیہ'' باوجودیکہ اجسام کے پنجروں میں مقید نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ محنت اور ریاضت کے طفیل یا اللہ جل شانہ کے مخصوص نظر عنایت اور نگاہ اصطفاء کے بہ سبب جسمانی لوازمات سے کافی حد تک آزاد ہوتے ہیں، صحیح مقصد کی خاطر جان دینے والا شخص دراصل ایک ہی کام اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور بلاشبہ وہ با مراد بھی ہوتا ہے۔ طبعی موت کی صورت میں بھی روح یقیناً جسد سے پرواز کرتی ہے، لیکن چونکہ اس پرواز میں اس کے اپنے کسب و اکتساب کا دخل نہیں ہوتا اس لئے اس پر نتیجہ مطلوبہ مترتب نہیں ہوتا۔

رہی قوت عملیہ کی تکمیل تو حقیقت یہ ہے کہ تمنائے شہادت وہ آتش بے درد ہے جس سے انسان کی عملی قوت کو پختگی و صلابت نصیب ہوتی ہے اور اعمال شاقہ کا منتہی بقائمی ہوش و حواس موت کے مہیب سمندر اور خوفناک وادی میں چھلانگ لگاتا ہے جو کہ شہید کے عمل نامے کا فصل الختام ہے۔

عقل و نقل کے مدلولات کا امتزاج کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بنی نوع انسان کے کامل ترین افراد وہ ہیں جن کی قوت علمیہ اور عملیہ دونوں حد کمال تک پہنچے ہوں۔ یہ انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام کی جماعت ہے اور جن افراد کی قوت علمیہ کی تکمیل ہوئی ہو وہ صدیقین کی

File Adress:

جماعت ہے، اور جن کی عملی قوت کمال ممکنہ پا چکی وہ شہداء کا گروہ ہے اور جن افراد نے دونوں قوتوں کی تکمیل کی کوشش کی لیکن تا ہنوز کمال حاصل نہ کر سکے یہ 'صالحین' کا طائفہ ہے، یاد رہے کہ 'صالحین' سے یہاں وہ طبقہ مراد ہے جسے قرآن حکیم نے منعم علیہم کے طبقات اربعہ میں سے ایک طبقہ قرار دیا ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی واکرمنا بالاقامۃ فی حرمک وحرم حبیبک وارزقنا شھادۃ فی سبیلک شھادۃ تکون وسیلۃ لرضاک و رضا خلیلک علیہ من الصلوٰت أفضلھا ومن التسلیمات أکملھا۔

File Adress:

File Adress:

File Adress: